باتصویر مکمل چہار حصے

الف لیلہ

یعنی ہزار داستان

جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز بکسیلرز۔ چوڑی والان دہلی ۶

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

الحمد للہ والمنۃ کہ دریں زماں سعادت نشاں
فیض قران نسخہ صحیح

الف لیلہ

المعروف بہ

ہزار داستان

مکمل ہر چہار جلد

پبلشرز :-

جے۔ ایس سنت سنگھ اینڈ سنز تاجران کتب

چوڑیوالان دہلی۔ ۶

قیمت :- 45/-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

الف لیلہ جلد اوّل

تمہید داستان

خاندان ساسان کے شہنشاہوں میں سے ایک ممتاز بادشاہ تھا جسکی حدود سلطنت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اسکے دو لڑکے تھے ایک کا نام شہریار اور دوسرے کا نام شاہ زمان تھا دونوں شہزادے اپنی بہادری اور عقلمندی میں بہت مشہور تھے۔ باپ کے انتقال کے بعد بڑا بھائی شہریار تخت نشین ہوا اور چھوٹے بھائی شاہ زماں کو سمرقند کے صوبہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ بیس سال تک دونوں عیش و راحت کیساتھ حکومت کرتے رہے۔
ایک مرتبہ شہریار نے اپنے چھوٹے بھائی شاہ زماں حاکم سمرقند کو ملاقات کیلئے بلایا شاہ زماں نے انتظام سلطنت وزیر اعظم کے سپرد کیا اور خود بھائی سے ملنے کیلئے روانہ ہو گیا۔ شب کو جب منزل پر قیام کیا تو اسکو خیال آیا کہ جو گوہر بے بہا میں نے بھائی کو پیش کرنے کیلئے نکالے تھے وہ محل ہی میں رہ گئے ہیں۔ چنانچہ اسیوقت دو غلامان خاص کو ساتھ لیکر پھر شہر میں واپس آیا اور یہ سوچ کر کہ میری واپسی سے لوگوں کو پریشانی نہ ہو خاموشی سے محل میں داخل ہوا۔ اندر پہونچا تو یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ اسکی بیگم ایک حبشی غلام کیساتھ سو رہی ہے۔ شدت رنج و غضب سے کانپتا ہوا تلوار ہاتھ میں لیکر آگے بڑھا اور دونوں کو حالت خواب میں قتل کر دیا اسکے بعد خاموشی سے اپنے سفر پر

ملکہ اور حبشی غلام کا قتل

روانہ ہو گیا لیکن ملکہ کی بیوفائی اور عصمت فروشی کا اتنا زبردست صدمہ ہوا کہ ہر وقت طبیعت مغموم و مضمحل رہنے لگی اثنائے سفر میں ہر چند کوشش کی کہ کسی طرح یہ خیال دل سے نکل جائے لیکن کامیاب نہیں ہو سکا آخر سفر ختم ہوا

اور شاہ زماں اپنے بھائی کے پاس پہونچ گیا۔ شہریار نے بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا اور اپنے خاص محل میں لاکر ٹھہرایا جہاں شاہی پائی شاہی نظارہ ہو سکتا تھا۔ عام حالات میں شاید شاہ زماں بہت مسرور ہوتا لیکن اس صدمہ کیوجہ سے جو اس کو پہونچ چکا تھا زندگی کی ہر لذت بے کیف نظر آتی تھی۔ ہر قسم کے سامان راحت اور بھائی کی بے پایاں محبت کے باوجود شاہ زماں ہر وقت آزردہ و دل شکستہ رہتا تھا۔ شہریار اس کی یہ حالت دیکھتا تو خود بھی رنجیدہ ہوتا لیکن اسکا خیال تھا کہ بھائی دور بھی اور اہل خانہ کی یاد سے پریشان رہتا ہے۔ چند روز بھی طبیعت بہل جائے۔

ایک روز سلطان شہریار نے بھائی سے کہا کہ سیر و شکار کیلئے چلو لیکن شاہ زماں نے علالت طبیعت کا عذر کرکے جانے سے انکار کر دیا مجبوراً شہریار تنہا ہی شکار کھیلنے چلا گیا۔ شاہ زماں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا باغ کی سیر کر رہا تھا لیکن دل پچھلے واقعات کی وجہ سے پریشان تھا کہ سامنے سے زنانہ محل کا دروازہ کھلا جو باغ کی جانب تھا اور ملکہ شہریار اپنی بیس ہم جلیسوں کے ساتھ اندر آئیں اور باغ کے اس حصّہ میں چلی گئیں جو عام نظروں سے محفوظ تھا۔ یہاں پہنچ کر ان خواصوں نے اپنے لباس اتار دیئے تو شاہ زماں نے دیکھا کہ وہ عورتیں نہیں بلکہ تنومند حبشی جوان ہیں۔ پھر ہر حبشی نے ایک ایک خواص کو اپنے پہلو میں لے لیا خود ملکہ شہریار تنہا رہ گئیں۔ اب ملکہ نے مسعود مسعود کہہ کر آواز دی تھوڑی دیر بعد ایک اور حبشی غلام آیا اور ملکہ سے اختلاط کرنے لگا یہ سب کچھ دیر عیش و عشرت میں مشغول رہے اس کے بعد سب نے غسل کیا اور جسطرح آئے تھے اسی طرح واپس چلے گئے۔

ملکہ شہریار اور خواصیں

یہ واقعہ دیکھ کر شاہ زماں کو یقین ہو گیا کہ عورت کی فطرت ہی بیوفائی ہے اور غالباً ہر عورت اسیطرح اپنے شوہر سے خیانت کرتی ہے اور دل کو سمجھایا کہ تو اپنی بیوی کی عصمت باختگی سے فضول رنجیدہ ہوتا ہے

دنیا میں سب ہی مرد اس مصیبت میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ وہ کوفت جو ہر وقت اسکے دل کو لگی رہتی تھی جاتی رہی اور وہ خوش بخوش رہنے لگا۔ چند روز کے بعد شہر یار شکار سے واپس آیا اور بھائی کو مسرور دیکھ کر خوش ہو گیا اسکے بعد شاہ زماں سے دریافت کرنے لگا کہ غالباً تمہاری طبیعت بہل گئی اور تمہاری اب وہ کیفیت نہیں رہی مجھے بتاؤ کہ کسطرح تمہیں سکون ہوا۔ شاہ زماں نے بہت چاہا کہ اصل بات نہ بتاؤں لیکن بھائی کے اصرار سے مجبور ہو کر مکمل واقعہ اس کو سنا دیا۔

شہر یار یہ سنکر بہت پریشان ہوا اور کہنے لگا کہ جبتک میں اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لوں یقین نہیں آسکتا۔ شاہ زماں نے کہا کہ اگر آپ دیکھنا ہی چاہتے ہیں تو چند روز کیلئے پھر باہر جانے کا ارادہ مشہور کیجئے اور یہاں سے روانہ بھی ہو جائیے لیکن شب کو خاموشی سے آکر چھپ جائیے اور پھر سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجئے۔ چنانچہ شہر یار نے بھائی کی صحت کی خوشی کے بہانے پر شکار کا ارادہ ظاہر کیا اور دوسرے روز دونوں بھائی شہر سے رخصت ہو گئے لیکن رات کو پوشیدہ طور پر محل میں آکر چھپ گئے اور باغ میں کھلنے والی کھڑکی کے قریب بیٹھ کر پیش آنیوالے موقعہ کا انتظار کرنے لگے تھوڑی دیر کے بعد ملکہ شہر یار بدستور بیس خواصوں کے ساتھ باغ میں آئی۔ دس عورتوں نے لباس اتارا تو دس حبشی غلام تھے ایک ایک غلام ایک ایک خواص کو ساتھ لیکر خلوت میں چلا گیا اور ملکہ نے مسعود کو پہلے کی طرح آواز دے کر بلایا اور اس کے پہلو میں بیٹھ کر پیار کرنے لگی۔ صبح تک یہ جلسہ جاری رہا اسکے بعد سب نے غسل کیا اور بدستور سابق زنانہ لباس پہنکر واپس چلے گئے

یہ واقعہ دیکھ کر شہر یار کی نظروں میں دنیا تیرہ و تار ہو گئی۔ بھائی سے کہنے لگا کہ اب دنیا میں رہنے کو جی نہیں چاہتا۔ ہم دونوں بہت ہی بدنصیب ہیں۔ چلو آبادی چھوڑ کر جنگلوں میں فقیروں کیساتھ رہیں گے۔ شاہ زماں نے بھائی کو سمجھایا لیکن شہر یار نہ مانا۔ مجبوراً شاہ زماں نے کہا اچھا میں بھی چلتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ اگر دنیا میں ہمیں کوئی اپنے سے بھی زیادہ بدنصیب ملا تو پھر واپس آکر بدستور سابق اپنے فرض ادا کریں گے۔ شہر یار نے یہ شرط منظور کر لی اور شب کی تاریکی میں دونوں بھائی جنگل کیطرف روانہ ہو گئے۔ چند روز میں سفر کرتے ہوئے اتفاقاً ساحل بحر عمان پر جا نکلے بہت تھکے ہوئے تھے کچھ دیر آرام کرنے کو ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گئے ابھی انکو آئے ہوئے کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ سمندر کے پانی میں زبردست تلاطم ہوا اور ایک جگہ سے پانی پھٹ گیا اور اس میں سے ایک دیو سر پر صندوق رکھے ہوئے نکلا۔ دونوں بھائی خوف کی وجہ سے درخت پر چڑھ گئے دیو نے صندوق کو درخت کے نیچے رکھ کر کھولا اور ایک نہایت حسین عورت کو اس میں سے نکالا اور اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر کہنے لگا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ دوسری کوئی آنکھ تمہیں نہ دیکھ سکے اس لئے میں نے تمہیں صندوق میں رکھا ہے اور اس صندوق کو ہر وقت اپنے ساتھ ہی دریاؤں میں رکھتا ہوں۔ دیو کچھ دیر اس عورت سے باتیں کرتا رہا۔ اس کے بعد اس کے زانوں پر سر رکھ کر سو گیا

دیو اور زن حسین

اسی اثنا میں عورت کی نظر درخت پر پڑی جہاں یہ دونوں بھائی پوشیدہ تھے اس نے انہیں اشارہ کیا کہ نیچے اتر آؤ۔ یہ ڈرے۔ لیکن یہ سوچ کر کہ شاید یہ عورت کسی مصیبت میں مبتلا ہو اور امداد چاہتی ہو نیچے اتر آئے۔ عورت نے آہستہ سے دیو کا سر اپنے زانو سے اٹھا کر ایک مٹی کے ڈھیر پر رکھدیا اور ان دونوں کو وہاں سے کچھ دور لیگئی اور کہا کہ میں تمہارا وصل چاہتی ہوں یہ گھبرائے اور انکار کرنے لگے تو وہ عورت بولی کہ اگر تم میرا کہنا نہیں مانو گے تو میں دیو کو بیدار کردونگی اور وہ تم دونوں کو کھا جائیگا۔ مجبوراً دونوں بھائیوں نے اسکی ہوس پوری کی پھر اس عورت نے اپنی جیب سے ایک انگوٹھیوں کا گچھا نکالا اور ان دونوں بھائیوں کی انگوٹھیاں بھی لیکر اسمیں پرولیں۔ اور پھر کہنے لگی۔ یہ دیو بیوقوف اپنے انتظام پر خوش ہے لیکن اسکی حفاظت کے باوجود میں ساڑھے پانچسو جوانوں سے مل چکی ہوں جن کی یہ انگوٹھیاں بطور نشانی رکھی ہیں۔ اسکے بعد وہ اپنی جگہ چلی گئی اور ان سے اشارہ کیا کہ تم کسی طرف بھاگ جاؤ۔ دونوں بھائی اس واقعہ سے بہت متعجب ہوئے اور یہ سوچ کر کہ دیو کی بدنصیبی ہم سے بھی زیادہ ہے اپنے اپنے دارالحکومت کی طرف واپس لوٹ آئے۔

شہر یار نے بھی یہیں پہونچتے ہی ملکہ اور اس کی خواصوں اور حبشی غلاموں کو قتل کرادیا اور آئندہ کیلئے یہ عہد کیا کہ روزانہ ایک عورت سے شادی کرونگا اور صبح کو اسے قتل کرادونگا۔ چنانچہ یہی ہونے لگا چند ہی روز میں امرا شرفا کی اکثر لڑکیاں عقد شاہی میں آئیں اور قتل ہوگئیں۔ آخر کو نوبت غریب رعایا کی لڑکیوں تک پہونچی۔ ملک بھر میں تہلکہ مچ گیا۔ لوگ ملک چھوڑ کر بھاگنے لگے۔

شہر یار کے وزیر کی دو لڑکیاں بڑی حسین و فہیم تھیں جن کو بادشاہ نے ابتک معاف کر رکھا تھا بڑی بہن کا نام شہرزاد اور چھوٹی کا دنیازاد۔ شہرزاد اپنے باپ کو پریشان دیکھتی تھی۔ ایک روز حال دریافت کرنے لگی۔ وزیر نے لڑکی کو ٹالنا چاہا لیکن جب وہ بہت مصر ہوئی تو آخر کار بادشاہ کی کلی کیفیت اس کو بتادی۔ شہرزاد نے کہا کہ

آپ میری شادی بادشاہ سے کردیجئے مجھے امید ہے کہ میں شہنشاہ کو اس ظلم سے روک لوں گی باپ نے کہا کہ بیٹی تو شاید پاگل ہو گئی ہے جو ایسا خیال کرتی ہے وہ کبھی نہ مانے گا اور تیرا بھی وہی انجام ہوگا جو جانوروں کی بولی سمجھنے والے سوداگر کے گدھے کا ہوا تھا۔ پھر وزیر نے قصہ سنایا۔

گدھے اور بیل کا قصّہ

ایک سوداگر کو خدا نے مال و دولت کے علاوہ جانوروں کی گفتگو سمجھنے کی نعمت بھی عطا کی تھی۔ ایک روز وہ اپنے مویشی خانہ میں گیا تو دیکھا کہ بیل اور گدھا گفتگو کررہے ہیں۔ بیل نے کہا میاں گدھے تم بڑے آرام میں ہو کہ محنت کم اور غذا عمدہ اور میں سارا دن ہل چلاتا ہوں اور شام کو خشک بھوسہ کھانے کو ملتا ہے۔ گدھے نے کہا کہ غلطی تمہاری اپنی ہے کہ تم روزانہ محنت کرتے ہو آج میرا کہنا مانو کل کام کے وقت سے پہلے بیمار بن جاؤ اور گھاس کھانا چھوڑ دو۔ مجبوراً محافظ تمکو کام پر نہیں لے جائیگا۔ بیل نے خوش ہو کر گدھے کا شکریہ ادا کیا اور اس تجویز پر عمل کا یقین دلایا۔

گدھے اور بیل کا مشورہ
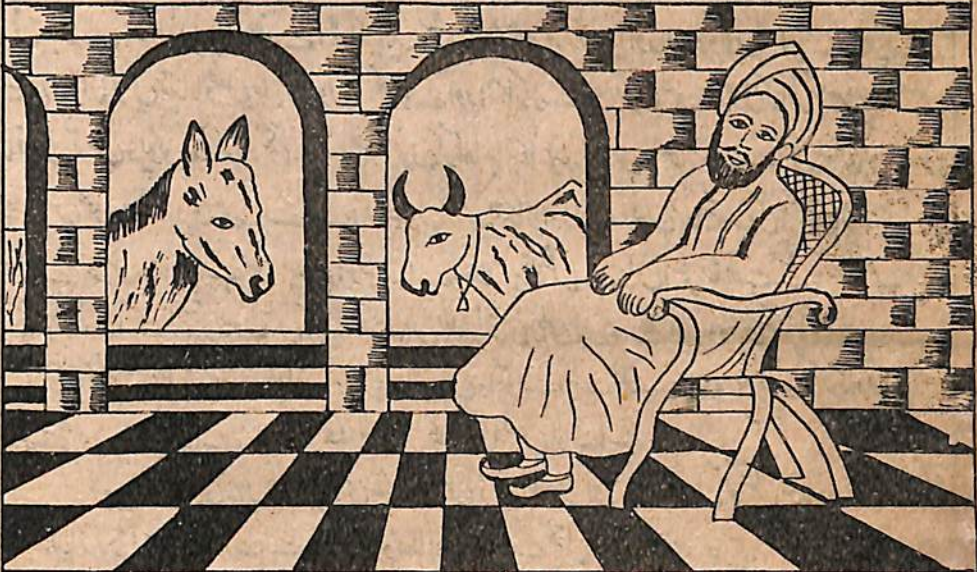
سوداگر یہ سب باتیں سن رہا تھا۔ اسوقت تو خاموش چلا آیا۔ اگلے روز ملازم نے اطلاع دی کہ بیل بیمار ہے سوداگر نے ہنس کر کہا کہ اسکی جگہ گدھے کو لیجاؤ۔ نوکر گدھے کو لے گیا اور شام تک ہل میں جوتا۔ رات کو جب گدھا آیا تو بیل نے بہت شکریہ ادا کیا کہ تمہاری تجویز کامیاب رہی اور مجھے آرام کرنیکا موقع مل گیا گدھا دن بھر کی مشقت سے چور چور تھا اسوقت تو خاموش ہو گیا لیکن جی میں سوچتا رہا کہ اچھی نصیحت کی تھی خود بلا میں پھنس گیا۔ وزیر نے یہ قصہ بیان کرکے شہزادی سے کہا کہ بیٹی تو بھی اس ناصح گدھے کیطرح اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کرنا

چاہتی ہے۔ لڑکی نے کہا کہ میں نے جو ارادہ کر لیا ہے اسے ضرور پورا کرونگی۔ وزیر کہنے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے تجھے وہی سلوک کرنا پڑے جو اس سوداگر کو اپنی بیوی سے کرنا پڑا تھا۔ شہرزاد نے کہا کہ آپ مجھے سوداگر کی حکایت سنائیے اور یہ بھی بتائیے کہ اس گدھے کا کیا حال ہوا۔ وزیر نے کہا کہ اگلے روز صبح سویرے سوداگر پھر مویشی خانہ پہونچا تا کہ گدھے اور بیل کا معاملہ دیکھے۔ آج اتفاقاً اس کی بیوی بھی ساتھ تھی۔ اسوقت گدھا بیل سے پوچھ رہا تھا کہ آج کیا کروگے۔ بیل نے کہا کہ میں آج بھی بیمار بنا رہوں گا۔ گدھا بولا کہ نہیں کہیں ایسا غضب نہ کر دینا۔ مالک کہہ رہا تھا کہ اگر بیل تندرست نہ ہوا تو اسکو ذبح کر دیا جائیگا۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ آج اچھی طرح کام پر چلے جاؤ۔ ورنہ جان کا خطرہ ہے۔ سوداگر یہ گفتگو سنکر ہنس پڑا۔ اس کی بیوی نے متعجب ہو کر پوچھا کہ آپ کیوں ہنسے سوداگر نے کہا بیل اور گدھے کی باتوں پر ہنسی آگئی۔ بیوی نے دریافت کیا کہ ان میں کیا گفتگو ہوئی۔ سوداگر نے کہا کہ یہ ایک راز ہے۔ اگر میں اس کو ظاہر کر دوں تو میری جان کا خطرہ ہے۔ بیوی نے اصرار کیا اور کہنے لگی کہ تم بہانہ کرتے ہو۔ اگر صحیح بات نہیں بتاؤ گے تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گی۔ سوداگر نے ہر چند سمجھانا چاہا لیکن وہ اپنی ضد پر اڑی رہی اور ساتھ رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ سوداگر بہت پریشان ہوا کہ اگر اس کو بتاتا ہوں تو میری زندگی پر حرف آتا ہے نہیں تو یہ جان کھوتی ہے۔ اس فکر میں کھڑا تھا کہ کتے نے مرغ سے کہا کہ تو آج بھی اپنی مرغیوں سے بدمستیاں کر رہا ہے۔ مرغ بولا کہ کیوں آج کیا بات ہے کتے نے کہا کہ آج ہماری مالکہ مالک سے ایک ایسا راز دریافت کرنے پر اصرار کر رہی ہے کہ اگر بتا دیا جائے تو مالک کی خیر نہیں۔ اگر مالک نہیں بتاتا تو مالکہ جان دینے کو تیار ہے۔ مرغ بولا مالک بیوقوف ہے جو ایک بیوی کو قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ مجھے دیکھو پچاس مرغیوں کو سنبھال رکھا ہے۔ اگر میری مرضی کیخلاف ذرا بھی کام کریں تو مار مار سیدھا کر دوں۔ مالک جتنا تحمل کریں گے عورت اتنا ہی سر چڑھ جائیگی۔ یہ سُن کر سوداگر نے ہنٹر اٹھایا اور بیوی کو مارنا شروع کر دیا۔ عورت ڈر گئی اور سوداگر کے قدموں پر گر کر معافی مانگنے لگی کہ آئندہ تمہاری مرضی کے خلاف کوئی بات نہیں کروں گی۔

یہ حکایت بیان کر کے وزیر نے کہا کہ بیٹی اگر تو اپنی ضد نہیں چھوڑے گی تو مجھے تیرے ساتھ بھی یہی سلوک کرنا پڑیگا۔ شہرزاد نے کہا کہ میری درخواست منظور کر لیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ میں اپنی ہزاروں بہنوں کی جان بچالوں گی۔ اور اس کار ثواب میں اگر میری جان چلی بھی گئی تو کوئی ہرج نہیں۔ مجبوراً وزیر بادشاہ کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ حضور شب آئندہ کو میری لڑکی حضور کی عروس بنے گی۔ بادشاہ نے تعجب سے کہا کہ تمہیں میرا دستور معلوم ہے۔ کیا تم یہ امید کرتے ہو کہ میں اس معاملہ میں تمہاری رعایت کرونگا۔ یہ سمجھ لو کہ یہ عہد میرا ایسا نہیں ہے کہ کسی کیلئے توڑ دوں۔ وزیر نے کہا کہ حضور کو اختیار ہے۔ وزیر گھر واپس آیا اور بیٹی کو کل ماجرا سنا دیا۔ وہ بولی کہ آپ اللہ پر بھروسہ کیجئے اس نے اپنی چھوٹی بہن دنیازاد کو بلایا اور سمجھایا کہ آج میں بادشاہ کے یہاں اس ارادہ سے جارہی ہوں اور کسی بہانے سے تمہیں بھی بلاؤں گی۔ جب تھوڑی رات باقی رہے تو تم کہانی سنانے کیلئے اصرار کرنا۔ اسوقت میں کوئی کہانی شروع کروں گی۔ امید ہے اسطرح میری اور میرے ساتھ بہت سی

لڑکیوں کی جان بچ جائیگی۔ حسب وعدہ بادشاہ نے شہرزاد سے نکاح کر لیا۔ شب کو جب بادشاہ نے شہرزاد کو دیکھا تو اس کی خوبصورتی پر بہت پیار آیا لیکن شہرزاد نے موقع نہیں دیا کہ وہ اپنی تشنہ آرزوؤں کی پیاس بجھائے۔ بلکہ بے اختیار ہو کر رونے لگی۔ شہریار نے حال دریافت کیا تو کہنے لگی کہ یہ تو میں جانتی ہوں کہ آپ صبح کو مجھے قتل کر دیں گے اس لئے چاہتی ہوں کہ اپنی چھوٹی بہن کو اپنے پاس بلالوں۔ اور جی بھر کے دیکھ لوں۔ بادشاہ چونکہ اس کو دل سے چاہنے لگا تھا۔ یہ سن کر خاموش ہو گیا اور دنیازاد کو بلانے کی اجازت دے دی۔

بادشاہ۔ شہرزاد اور دنیازاد ایک کمرے میں

شہرزاد نے اپنی تجویز کے مطابق بہن کو بلایا اور اپنے کمرے میں اس کو بھی لٹایا۔ بادشاہ چونکہ شہرزاد سے محبت کرنے لگا تھا اس لئے گُرعہ دیتا رہا کہ اپنے عہد کے مطابق صبح ہی اس کو قتل نہ کرنا پڑے۔ آدھی رات گذرنے پر دنیازاد نے کہا کہ بہن خدا جانے صبح کو کیا ہو آپ آخری بار کوئی کہانی سنا دیجئے۔ پریشانی میں نیند نہیں آرہی ہے۔ شہرزاد بولی کہ شہنشاہ اجازت دیں تو میں کوئی قصہ کہوں۔ بادشاہ بھی کہانیوں کا شایق تھا۔ بخوشی اجازت دیدی۔ شہرزاد نے یہ کہانی شروع کی۔

جن اور سوداگر کی کہانی ۱

پچھلے زمانہ میں ایک دولتمند نوجوان سوداگر تھا۔ ایک مرتبہ وہ کسی کام سے سفر کر رہا تھا راستہ میں ایک سایہ دار درخت دیکھ کر دھوپ سے بچنے کو بیٹھ گیا اور کھانا کھانے لگا۔ ابھی کھانے سے فارغ بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک ہیبت ناک شکل کا جن تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے سخت غصہ و جوش کی حالت میں سامنے آیا اور کہنے لگا کہ تو نے جو کھجور کی گٹھلیاں پھینکی ہیں ان میں سے ایک گٹھلی میرے لڑکے کے لگ گئی جس سے وہ مر گیا اب میں تجھے اس کے انتقام میں قتل کر دوں گا۔ سوداگر بہت پریشان ہوا۔ اور جن سے کہنے لگا کہ

آپ مجھے ایک سال کی مہلت دیجئے۔ تاکہ میں اپنی جائیداد اور دولت کا انتظام کروں اور قرض خواہوں کا قرض ادا کر دوں میعاد گذر جانے کے بعد میں اس جگہ حاضر ہو جاؤں گا۔ پھر آپ کو اختیار ہے جو چاہیئے سزا دیجئے۔

جن اور سوداگر

جن نے یہ رعایت منظور کرلی۔ سوداگر اپنے وطن واپس آیا۔ سب حساب بے باق کئے۔ بچوں کو سمجھایا آخر سال پورا ہوا۔ اور سب کو روتا چھوڑ کر حسب وعدہ اس درخت کے نیچے آکر بیٹھ گیا۔ ابھی اس کو آئے زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ ایک بوڑھا شخص ایک ہرنی کے گلے میں رسی ڈالے سامنے آیا اور کہنے لگا کہ بھائی تم کون ہو۔ اور اس وحشت ناک جنگل میں تنہا بیٹھے کیا کر رہے ہو۔

سوداگر نے اپنی داستان مصیبت سنائی۔ بوڑھا کہنے لگا کہ جبتک تمہارے معاملہ کا انجام نہ دیکھ لوں میں آگے نہیں بڑھوں گا۔ تھوڑی دیر بعد ایک شخص دو کتوں کو زنجیر میں پکڑے ہوئے آیا اور حال دریافت کرنے لگا۔ جب سب قصہ سنا تو وہ بھی ٹھہر گیا۔ اسکے بعد ایک اور آدمی ایک خچری کو ساتھ لئے ہوئے پہونچا اور وہ بھی ان لوگوں کو دیکھ کر وہیں رُک گیا۔ ان سب لوگوں نے ابھی اچھی طرح گفتگو بھی نہیں کی تھی کہ سامنے سے گرد و غبار بلند ہوا اور وہی ہیبت ناک جن شمشیر برہنہ لئے ہوئے آکھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا تمہاری مہلت ختم ہو گئی اب میں تم کو قتل کروں گا۔ غریب سوداگر رونے لگا۔ جن نے جب قتل کا ارادہ کیا تو ہرنی والا بوڑھا آگے بڑھا اور جن کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے شاہ اجنہ میری اور اس ہرنی کی عجیب و غریب کہانی ہے۔ میں آپ کو سناتا ہوں اگر پسند آئے تو اس سوداگر کا تہائی گناہ معاف کر دیجئے گا جن نے کچھ دیر سوچنے کے بعد قبول کرلیا۔ ہرنی والے بوڑھے نے اپنی داستان کہنی شروع کر دی اور یوں

کہنا شروع کیا

جن سوداگر اور تینوں مسافر

ہرنی والے بوڑھے کی داستان ۲ے

ارے جن:- یہ ہرنی میرے چچا کی لڑکی اور میری بیوی ہے۔ اب سے تیس چالیس سال پہلے میری اس سے شادی ہوئی تھی۔ کافی مدت گذر جانے کے باوجود اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ آخر میں نے ایک لونڈی خریدی جسکے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ پندرہ سال تک ہم سب عیش و آرام سے رہتے رہے۔ اتفاقاً اس زمانہ میں مجھے ایک سفر پیش آگیا۔ میں نے لونڈی اور لڑکے کو بیوی کے سپرد کیا اور خود باہر چلا گیا لیکن اس تیرہ بخت نے میرے جانے کے بعد سحر سے باندی کو گائے اور لڑکے کو بچھڑا بنا کر گھوسیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جب میں واپس آیا اور ان دونوں کی بابت دریافت کیا تو یہ کہنے لگی کہ باندی کا تو انتقال ہو گیا اور بچہ معلوم نہیں کہاں بھاگ گیا۔ میں نے ہر چند تلاش کرایا لیکن کوئی پتہ نہیں ملا۔ یہ حال سنکر مجھے بہت صدمہ ہوا لیکن صبر کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ اسی اثنا میں عید قربانی آگئی اور میں نے ایک عمدہ جانور قربانی کیلئے خریدا۔ اتفاقاً یہ وہی جانور تھا جو میری بیوی نے جادو کے زور سے بنایا تھا۔ اور حقیقتاً میری لونڈی تھی۔ جسوقت میں ذبح کرنے لگا تو اس جانور کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ مجھے اس پر رحم آیا اور نوکروں سے کہنے لگا کہ اسکو چھوڑ دو اور دوسرا جانور لے آؤ۔ لیکن بیوی نے جو دراصل اس کو جانتی تھی مجھ پر زور دیا کہ اچھا موٹا جانور ہے اس کو ذبح کرو۔ چنانچہ نوکر کے ہاتھ سے اسکو ذبح کرا دیا۔ لیکن جسوقت قصاب نے اس کو صاف کیا تو گوشت بالکل نہ نکلا صرف ہڈیاں ہی ہڈیاں تھیں۔ میں بہت متعجب ہوا لیکن خاموش رہا۔ اور دوسرا جانور منگایا۔ اب کی مرتبہ ایک

بچھڑا لایا گیا۔ میں نے جب اس کو قریب کیا تو اس نے اپنا منہ میرے پیروں پر رکھدیا اور رحم طلب نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اُسے چھوڑدیا اور دوسرا بیل منگا کر ذبح کر دیا۔ گو میری اس بدنصیب بیوی نے اس کے ذبح کرنے پر بھی بہت زور دیا لیکن میں نے نہیں مانا۔ چند روز بعد ایک گھوسی میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری لڑکی سحر جانتی ہے جب میں آپ کا پہلا بچھڑا جو آپ نے چھوڑ دیا تھا اپنے گھر لے گیا تو وہ کہنے لگی کہ یہ اصل جانور نہیں بلکہ فلاں سوداگر کا لڑکا ہے اور اس کی بیوی نے اس کو سحر کے زور سے بچھڑا بنا دیا ہے اور اس کی ماں بھی گائے بنائی گئی تھی جو عید کے روز ذبح کردی گئی یہ حال سنکر میرا دل بیٹھ گیا اور اتنا صدمہ ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ خیر اسوقت میں گھوسی کے گھر گیا اور اس کی لڑکی سے کہنے لگا کہ بیٹی اگر تم کسی طرح اسے جامہ انسانی میں واپس لادو تو میں تم کو اتنی دولت دیدونگا کہ زندگی بھر کسی مشقت کی ضرورت نہیں رہیگی۔ لڑکی کہنے لگی کہ میں کسی دولت کی طالب نہیں لیکن دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ جب میں آپ کے لڑکے کو زندہ کردوں تو میری شادی اسی کے ساتھ منظور کیجئے۔ دوسری یہ کہ جس عورت نے اسکو بچھڑا بنایا ہے اسکو سزا دینے کی اجازت دیجئے۔ میں نے اس کی دونوں شرطیں منظور کرلیں۔ لڑکی اٹھی اور ایک برتن میں پانی لائی۔ پھر اس پر کچھ پڑھا اور اس بچھڑے پر چھڑک دیا۔ فوراً ہی وہ بچھڑا انسانی قالب میں آگیا۔ میں نے اپنے لڑکے کو سینے سے لگا لیا اور اسی وقت اس گھوسی کی لڑکی سے اس کی شادی کردی اسکے بعد اس لڑکی نے میری بیوی کو اپنے سحر سے ہرنی بنا دیا۔ چنانچہ یہ وہی ہرنی ہے جو اسوقت میرے ساتھ ہے۔ اتفاقاً آج میں ادھر سے گذر رہا تھا کہ اس سوداگر کو یہاں تنہا دیکھ کر اسکے پاس چلا آیا۔ اور اس کے حالات سنکر اس کا انجام دیکھنے کو ٹھہر گیا مجھے اُمید ہے کہ آپ نے میری داستان عجیب اور پردرد پائی ہوگی اور حسب وعدہ اس کا تہائی قصور معاف فرمادیں گے۔ جن نے کہا۔ واقعی تمہاری کہانی تعجب خیز ہے اور میں اس جوان کا تہائی قصور معاف کرتا ہوں اسوقت دوسرا شخص جس کے ساتھ دو کتے تھے آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ اے شاہ جن میری کہانی اس سے بھی زیادہ حیرت ناک ہے۔ اگر آپ اس سوداگر کا تہائی گناہ معاف کرنے کا وعدہ کریں تو میں بھی اپنی کہانی عرض کرونگا۔ جن نے کہا اچھا اگر واقعی عجیب قصہ ہوا۔ تو میں اس کا ایک تہائی قصور معاف کردونگا چنانچہ دوسرا شخص اپنا قصہ بیان کرنے لگا۔

کتوں کے مالک کا قصہ ۳

یہ دونوں کتے دراصل میرے حقیقی بھائی ہیں۔ جب ہمارے والد کا انتقال ہوا تو ہم تینوں بھائیوں کو پانچ پانچ ہزار دینار وراثت میں ملے۔ میں نے اپنا کاروبار وہیں شروع کردیا لیکن یہ دونوں بھائی اپنا روپیہ لیکر دوسری جگہ چلے گئے۔ قریب ایک سال کے بعد میرا بڑا بھائی انتہائی مفلسی اور تباہ حالی میں بھیک مانگتا ہوا میری دوکان پر آیا۔ میں نے پہچان کر اس کو نہایت ادب و تعظیم سے بٹھایا اس کی داستان مصیبت سنی اور پھر ایکہزار دینار دے کر دوبارہ کام شروع کرادیا۔ اسی اثنا میں دوسرا بھائی پریشان و برباد میرے پاس پہنچا

میں نے جہانتک ممکن تھا اس کی بھی دل دہی کی اور اسکو بھی ایکہزار دینار دے کر تجارت شروع کرادی۔ کچھ روز بعد ان دونوں بھائیوں نے مجھ سے کہا کہ چلو باہر مال لیکر چلیں۔ اس میں زیادہ منافع کی امید ہے میں نے انکار بھی کیا لیکن ان لوگوں نے اتنا اصرار کیا کہ مجھے مجبور ہونا پڑا لیکن جب مال کی خریداری کا وقت آیا تو معلوم ہوا کہ دونوں بھائی میرا دیا ہوا دوسرا سرمایہ بھی برباد کر چکے ہیں خیر میرے پاس اسوقت چھ ہزار دینار تھے۔ تین ہزار دینار کا مال تجارت خریدا اور ہم تینوں بھائی سفر پر روانہ ہو گئے۔ ایک ماہ کے سفر کے بعد ایک شہر میں پہونچکر ہم نے اپنا مال معقول نفع پر فروخت کیا۔ اور وہاں سے اپنا مال خرید کر گھر واپس چلنے کیلئے سمندر کے کنارے پر آ گئے لیکن اس سے پہلے کہ ہم جہاز پر سوار ہوں ایک بہت حسین لڑکی میرے پاس آئی اور میرے ہاتھوں کو بوسہ دے کر کہنے لگی کہ میں بے یار و مددگار ہوں کیا آپ مجھے اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اس سے نکاح کر لیا اور اپنے ساتھ لیکر جہاز پر سوار ہو گیا۔ میری بیوی بیحد فرمانبردار اور نیک سیرت تھی مجھے اس سے محبت ہو گئی۔ لیکن یہ دونوں بھائی خدا جانے کیوں ہم دونوں سے حسد کرنے لگے چنانچہ ایک دن موقع پا کر ان دونوں نے مجھے اور میری بیوی کو سمندر میں گرا دیا لیکن بیوی نے جو حقیقتاً پری تھی مجھکو بچا لیا پھر کہنے لگی۔ تمہیں دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ تمہارا امتحان لینا چاہیئے کہ تم کو غریبوں اور مصیبت زدوں کا بھی کچھ خیال ہے یا نہیں چنانچہ میں ایک پریشان حال لڑکی کی شکل میں تمہارے پاس آئی۔ چونکہ تم نے اسوقت میرے ساتھ بہت شریفانہ سلوک کیا اسلئے میں تمہیں تو کچھ انعام دینا چاہتی ہوں لیکن تمہارے لئے بھائیوں نے ظلم کیا ہے اسکی سزا بھی ان کو دوں گی۔ میں نے کہا کہ بیشک ان کا قصور تو بہت سنگین ہے۔ لیکن آخر پھر بھی میرے بھائی ہیں اسلئے میں چاہتا ہوں کہ تم ان کو زیادہ سخت سزا نہ دو بلکہ تنبیہہ کر دو کہ آئندہ ایسی جرأت نہ کریں۔ پری نے یہ منظور کر لیا۔ اسکے بعد اس نے ذرا سی دیر میں مجھے میرے مکان پر پہنچا دیا اور خود غائب ہو گئی۔ شام کو جب میں گھر آیا تو دیکھا کہ گھر میں دو کتے زنجیر سے بندھے ہوئے ہیں۔ میں ان کو دیکھ کر بہت متعجب ہوا۔ یہ کتے میرے قدموں پر لوٹنے لگے تھوڑی دیر بعد وہ پری آئی اور کہنے لگی کہ یہ کتے تمہارے وہ ہی بھائی ہیں جنہوں نے تم سے اور مجھ سے بدسلوکی کی تھی۔ اب یہ دس سال تک کتے کے قالب میں رہیں گے۔ اسوقت سے میں ہر وقت ان کو اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ دیکھئے کب دس سال کی مدت پوری ہو اور یہ انسانی جون میں آئیں۔ قضا و قدر سے میرا بھی ادھر گذر ہو گیا۔ یہاں یہ ہرنی والے بزرگ اور یہ نوجوان بیٹھے تھے۔ ان کا حال سن کر انجام معلوم کرنے کو میں بھی ٹھہر گیا۔ مجھے امید ہے کہ میرا قصہ آپ کو پسند آیا ہو گا اور آپ حسب وعدہ اس سوداگر کا تہائی قصور اور معاف کر دیں گے۔ چنانچہ میں ایک تہائی گناہ اور معاف کرتا ہوں۔ اب تیسرا شخص اٹھا اور کہنے لگا کہ آپ نے ان دونوں کا قصہ سن کر دو تہائی قصور معاف کر دیا ہے۔ میرا قصہ بھی پر درد ہے۔ اگر آپ باقی ایک تہائی قصور بھی معاف کرنے کا وعدہ کریں تو میں بھی اپنی کہانی سناؤں۔ جن نے منظور کر لیا۔ چنانچہ وہ خچر والے مسافر نے اپنی کہانی یوں شروع کی۔

خچری والے مسافر کی کہانی ۴

یہ خچری میری بیوی ہے۔ قصّہ یوں ہوا کہ ایک بار میں سفر کو گیا اور تقریباً سال بھر کے بعد واپس آیا۔ اور نصف شب کے قریب گھر میں پہنچا۔ میں اندر گیا تو دیکھا کہ یہ میری بیوی اپنے غلام کیساتھ ہم آغوش ہے۔ اتفاقاً اسوقت یہ جاگ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اٹھی اور ایک برتن میں پانی لیکر اسپر کچھ پڑھا اور وہ پانی میرے اوپر پھینکدیا۔ میں اسی وقت کتّے کی شکل میں بن گیا۔ پھر اس نے مجھے مار کر گھر سے نکال دیا۔ میں دربدر پھرتا اور شام کو ایک قصاب کی دوکان کے آگے جاکر کھڑا ہوتا وہ کچھ ہڈیاں چھیچڑے میرے آگے ڈال دیتا۔ انہی کو کھاکر پیٹ کی آگ بجھالیتا۔ ایک روز جب قصاب دوکان بند کرکے گھر چلا تو میں بھی اسکے پیچھے پیچھے روانہ ہوگیا جب گھر کے اندر پہنچے تو قصاب کی لڑکی نے مجھے دیکھ کر پردہ کرلیا اور باپ سے کہنے لگی کہ آپ نامحرم کو گھر میں کیوں لارہے ہیں قصاب نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا کہ یہاں تو کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے۔

لڑکی نے کہا کہ یہ کتّا جو آپ کے ساتھ آیا ہے انسان ہے اس کو اس کی بیوی نے سحر سے جانور بنادیا ہے۔ قصاب کو میرا حال سنکر رحم آیا۔ وہ لڑکی سے کہنے لگا کہ کیا تو اس کو پھر انسانی قالب میں لاسکتی ہے۔ لڑکی نے کہا ہاں۔ قصاب کہنے لگا کہ تو پھر اس کو انسان بنادے غریب سخت مصیبت میں مبتلا ہے۔ چنانچہ اس لڑکی نے کچھ پڑھ کر مجھ پر پھونکا اور میں اپنے اصلی قالب میں آگیا میں نے اس لڑکی سے دست بستہ عرض کیا کہ یہ تو آپکا ایسا احسان ہے کہ میں عمر بھر نہ بھولونگا لیکن اتنا کرم اور کیجئے کہ مجھے کوئی تدبیر بتایئے کہ میں اپنی ظالم بیوی کو کچھ سزا دے سکوں۔ لڑکی نے کہا اچھی بات ہے پھر اس نے کچھ دم کیا ہوا پانی مجھے دیا اور کہا کہ جب تمہاری بیوی سوئی ہوئی ہو۔ یہ پانی اس پر ڈال کر جس جانور کے بننے کو کہوگے وہ جانور بن جائیگی۔ میں وہ پانی لیکر گھر کیطرف چلا اور موقع دیکھکر اپنی بیوی پر ڈال کر حکم دیا کہ خچری بن جا۔ یہ اسوقت خچری بن گئی۔ اسوقت سے میں اسکو اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ جن کو یہ کہانی پسند آئی اور اُسنے سوداگر کا بقیہ ایک تہائی قصور بھی معاف کردیا۔

مچھیرے اور جن کی حکایت ۵

گذشتہ زمانے میں ایک ماہی گیر تھا جو بوڑھا بھی تھا اور کثیر العیال بھی اسلئے بڑی تنگی ترشی سے گذر اوقات ہوتی تھی۔ اسکا یہ دستور تھا کہ صبح سویرے دریا پر جاتا اور چار مرتبہ جال پھینکتا اور جو کچھ ہاتھ لگ جاتا اسکو لیکر خدا کا شکر ادا کرتا۔ ایک دن حسب معمول اس نے دریا میں جال ڈالا جب کھینچا تو بہت بھاری تھا۔ دل میں سمجھا کہ آج بہت سی مچھلیاں آگئیں۔ خوشی خوشی جال نکالا لیکن دیکھا کہ ایک مردہ گدھے کی لاش تھی۔ بہت رنجیدہ ہوا۔ پھر جال ڈالا تو صرف کیچڑ مٹی آئی تیسری مرتبہ جال ڈالا لیکن خالی نکلا یہ حال دیکھکر ماہی گیر بہت پریشان ہوا اور چوتھا جال یہ کہکر پھینکا کہ خداوند آپ میرے حال سے واقف ہیں

کہ میں چار بار جال ڈالا کرتا تھا اور آج تین مرتبہ ڈال چکا ہوں لیکن مجھے میرا رزق نہیں ملا۔ اب آخری بار آپ کا نام لیکر جال ڈال رہا ہوں۔ اپنا رحم فرمائیے۔ اس مرتبہ جال بھاری معلوم ہوا۔ کھینچکر باہر نکالا تو اسمیں مچھلیوں کے بجائے ایک سربمہر پیتل کا آفتابہ تھا۔ ماہی گیر نے خیال کیا کہ شاید اسمیں مال ہو اس نے آفتابے کو کھولا لیکن وہ بھی خالی تھا۔ مایوس ہو کر جال اٹھایا اور گھر چلنے کو تیار ہو گیا آفتابے پر نظر پڑی تو کیا دیکھتا ہے کہ آفتابہ میں سے دھواں نکل رہا ہے۔ ماہی گیر رک گیا۔ دھواں بڑھتا رہا اور پھر ایک بڑے جن کی شکل بن گیا اور وہ جن کہنے لگا کہ اے بادشاہ سلیمان مجھے معاف کر دیجئے۔ آئندہ کبھی سرکشی نہیں کرونگا۔ ماہی گیر پہلے تو ڈرا لیکن جب معافی کے الفاظ سنے تو اس کو تسلی ہوئی اور کہنے لگا کہ اے جن حضرت سلیمان علیہ السلام کو مدت گذر گئی وفات بھی پا چکے ہیں۔ تو کون ہے اور کیا معاملہ ہے۔ یہ سن کر جن نے غصہ سے ماہی گیر کیطرف دیکھا اور کہا او گستاخ تمیز سے گفتگو نہیں کرتا۔ تیار ہو جا میں تجھ کو قتل کرونگا۔ ماہی گیر بولا بھائی میں نے تمہارا کیا قصور کیا ہے۔ صدیوں سے تم قید تھے میری وجہ سے آزاد ہوئے اور مجھے ہی قتل کرتے ہو جن نے کہا بیشک تمہارا احسان ہے لیکن میں اپنے عہد سے مجبور ہوں۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ناراض ہو کر مجھے اس آفتابہ میں قید کر کے دریا میں ڈلوا دیا تو میں نے اپنے دل میں عہد کیا کہ اگر مجھے کوئی پہلے سو سال میں رہا کریگا تو اسکو خزائن دبیلے سے مالا مال کر دونگا لیکن کسی نے مجھے نہ چھیڑا پھر میں نے عہد کیا اگر دوسرے سو سال میں مجھے کوئی آزاد کریگا تو میں اسکو زمین کے دفینے بتا دونگا لیکن کوئی نہ آیا کہ مجھے مصیبت سے نجات دے۔ تیسری بار میں نے قسم کھائی کہ تیسرے سو سال میں اگر کوئی شخص مجھے نکالے گا تو اسکو بڑا بادشاہ بنا دونگا لیکن اس مرتبہ بھی کسی نے مجھے نہیں چھڑایا تنگ آکر خود میں نے قسم کھائی کہ اب اگر کوئی مجھے اس لوٹے سے نکالے گا تو اسکو قتل کروں گا چنانچہ اب تو نے مجھے قید سے رہا کیا ہے میں اپنے عہد سے مجبور ہوں اور تجھ کو ضرور مارونگا۔ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ اپنی موت کیلئے جو طریقہ تو تجویز کر دیگا اُسیطرح تجھے ہلاک کر دونگا۔ ماہی گیر دل میں بہت ہراساں ہوا لیکن سکون برقرار رکھا اور کہنے لگا کہ تم نے جو اتنے طویل طویل عہد و پیمان سنائے ہیں ممکن ہے صحیح ہوں لیکن مجھے یہ شبہ ہے کہ تم اس آفتابہ میں نہیں تھے بلکہ کہیں دور سے آئے اور اب مجھے خواہ مخواہ قتل کرنا چاہتے ہو اور یہ سب حیلے حوالے ہیں۔ جن نے کہا تجھے یقین نہیں آتا۔ تو مجھکو جھوٹا سمجھتا ہے۔ ماہی گیر نے کہا کہ آنکھوں کے دیکھے بغیر کیسے مان لوں کہ اتنا بڑا پہاڑ سا جن اس چھوٹے سے آفتابے میں بند تھا۔ جن نے کہا اچھا لے دیکھ جن پھر دھواں بن کر آفتابے میں بھرنا شروع ہوا۔ اور آہستہ آہستہ کل دھواں آفتابے میں سما گیا۔ ماہی گیر نے موقع کو غنیمت سمجھا اور آفتابے کا منہ بند کر کے حضرت سلیمان کی مہر پھر لگا دی اور آفتابہ اٹھا کر دریا میں پھینکنے لگا۔ جن نے کہا کہ بھائی یہ کیا کرتا ہے۔ ماہی گیر نے کہا کہ تجھے دریا میں ڈالتا ہوں تاکہ قیامت تک تو قید رہے جن بہت منتیں کرنے لگا کہ مجھ پر رحم کر میں تجھ سے مذاق کرتا تھا۔ بھلا میں اپنے محسن کو کیوں ہلاک کرتا۔ ماہی گیر نے ہنس کر کہا۔ میں تمہارے مکروں میں نہیں آؤنگا مجھے حکیم دوبان اور وزیر یونان کا قصہ یاد ہے

جن نے کہا وہ کیا ہے۔ ماہی گیر نے کہا۔ کہ غور سے سُن۔

حکیم دوبان اور وزیر یونان کی کہانی

یونان کے ایک بادشاہ کو برص کا مرض تھا بہت کچھ دوا دارو کیگئی لیکن افاقہ نہیں ہوا۔ اس زمانے میں حکیم دوبان یونان پہنچا جب اسکو حال معلوم ہوا تو اس نے عرض کیا کہ میں بغیر دوا کھلائے اور لگائے آپکا علاج کرسکتا ہوں۔ بادشاہ خوش ہوا اور حکیم سے وعدہ کیا کہ اگر میں تمہارے علاج سے اچھا ہوگیا تو تمہیں مالامال کردونگا حکیم دوبان نے کچھ مہلت لی۔ اور اپنی قیام گاہ پر آکر ایک خالی گیند بنوائی اور اسمیں چند دوائیں بھر کر بند کیا اور بادشاہ کیخدمت میں لاکر پیش کی۔ اور کہا۔ آپ آج اس سے اسقدر کھیلیں کہ تمام جسم پر پسینہ آجائے اسکے بعد حمام فرمائیں۔ بادشاہ نے حکیم کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اور حمام کے بعد آرام سے سوگیا۔ صبح کو جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ جسم پاک وصاف ہوگیا ہے۔ صبح کو دربار میں حکیم دوبان کو بلایا اور بیحد مال و دولت عطا کی اور اپنا مصاحب بنالیا۔ حکیم کا یہ اعزاز دیکھ کر امراء دربار حسد کرنے لگے۔ ایک روز موقع پاکر وزیر نے بادشاہ سے حکیم کی شکایت کی۔ کہ یہ حکیم اچھی نیت نہیں رکھتا۔ اور آپ کی جان کیلئے خطرہ ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم غلط کہتے ہو۔ اگر اسے مجھ سے کوئی شکایت ہوتی تو دوران علاج میں وہ مجھے ہلاک کرسکتا تھا لیکن اس طبیب نے تو میری ایسی خدمت کی ہے کہ جو کوئی نہیں کرسکتا۔ تم صرف حسد کیوجہ سے ایسا کہتے ہو۔ مجھے سندباد کے وزیر کا قصہ یاد ہے جس نے شاہزادے کی جان بچائی تھی۔ اسکو غور سے سنو اور اپنی حرکت پر نادم ہو۔ ایک بار سندباد کے بادشاہ کی خوشدامنہ نے بادشاہ سابقہ ملکہ کے لڑکے پر کوئی الزام لگایا کہ وہ قتل کردیا جائے جب بادشاہ نے اپنی خوشدامنہ کے کہنے سے شاہزادے کو قتل کا حکم دیا تو وزیر نے عرض کی کہ آپ تامل فرمایئے اور پوری تحقیقات کیجئے کہیں آپ کو بعد میں اسیطرح پشیمان نہ ہونا پڑے جیسے ایک شخص کو اپنا طوطا مار کر پشیمانی ہوئی تھی اور واقعہ یوں ہے کہ ایک شخص کے پاس ایک عجیب وغریب قسم کا طوطا تھا جو مالک کی عدم موجودگی میں پیش آتا تھا۔ سب مالک کو بتادیا کرتا تھا۔ اسکی بیوی نوجوان اور بہت حسین تھی لیکن پارسا نہیں تھی۔ ایک بار وہ سفر پر گیا۔ بیوی نے اپنے دوستوں سے ملنا جلنا شروع کردیا۔ جب مالک آیا تو طوطے نے سب کچھ ظاہر کردیا۔ عورت نے یہ سمجھا کہ میری ہمراز باندیوں نے شکایت کی ہے وہ ان پر ناراض ہوئی لیکن وہ سب قسمیں کھانے لگیں کہ حضور ہمارا قصور نہیں یہ سب طوطے کی شرارت ہے اس نے سب حال بیان کیا ہے۔ مالکہ نے کہا کہ میں اسکا انتظام کرتی ہوں۔ چنانچہ اس نے ایک ملازمہ کو کہا تم اس کے پنجرے کے نیچے تمام شب چکی پیستی رہو۔ دوسری سے کہا کہ تم اسکے پنجرے پر پانی چھڑکتی رہو اور تیسری کو حکم دیا کہ تم دور سے اسپر آئینہ کا عکس ڈالتی رہو اور اسکا خیال رکھو کہ یہ طوطا تم میں سے کسی کو نہ دیکھ سکے۔ تمام رات یہ انتظام جاری رہا۔ صبح کو مالک نے حال دریافت کیا۔ تو طوطا کہنے لگا کہ میں نے آج رات بہت تکلیف اٹھائی۔ بارش ہوتی رہی بادل گرجتے رہے۔ اور بجلی ایسی چمکتی تھی کہ میری آنکھیں بند ہوجاتی تھیں۔ مالک حیران رہ گیا۔ رات کو تو کوئی ابر و بادل نہیں تھا

یہ طوطا جھوٹ بولتا ہے۔ بیوی نے بھی شکایت کی کہ یہ شریر میرے متعلق بھی اسی طرح غلط بیانی کرتا ہے۔ چنانچہ اس شخص نے غصہ میں آکر طوطے کو مار ڈالا چند روز بعد مالک کو سب قصہ معلوم ہوا۔ تو بہت پشیمان ہوا۔

تصویر بادشاہ چوگان کھیل رہا ہے
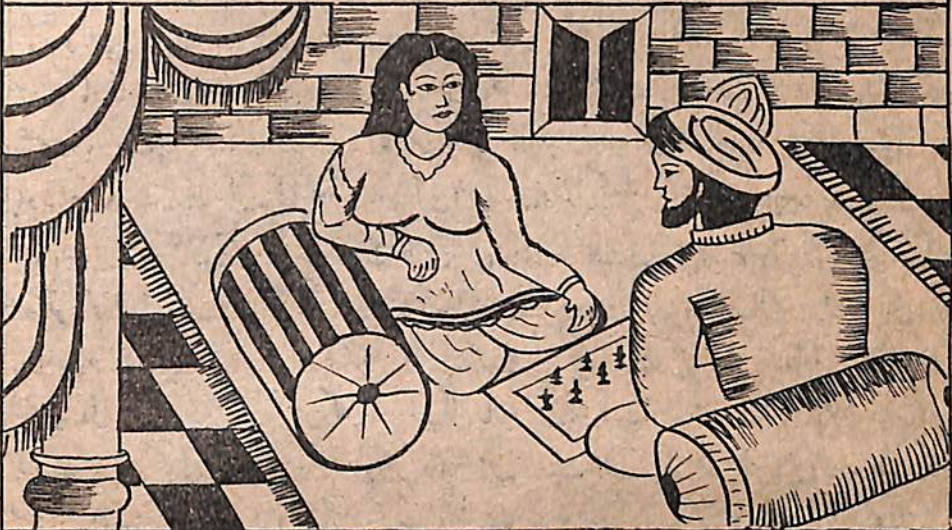
یہ حکایت بیان کر کے بادشاہ نے کہا کہ تم بھی مجھے اس غلط راہ پر ڈالنا چاہتے ہو۔ وزیر نے عرض کیا کہ میں خیر خواہ دوست ہوں۔ مگر آپ نے اس حکیم پر اعتبار کیا۔ آپکے لئے بھی اسیطرح خطرہ ہے جیسے ایک وزیر نے بادشاہ زادے کو بچا کر اپنی جان دیدی۔ شاہ نے کہا اچھا وہ قصہ سناؤ کیا ہوا۔

حکایت بے پرواہ وزیر کی

وزیر کہنے لگا کہ ایک شاہزادہ تھا۔ اسکو شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک روز شاہزادہ شکار کو جانے لگا تو بادشاہ نے وزیر کو ساتھ بھیجا اور تاکید کر دی کہ شاہزادے کو تنہا نہ چھوڑے اور اچھی طرح حفاظت کرے اثنار شکار میں ایک ہرن ملا۔ شاہزادے نے اسکا تعاقب کیا لیکن وزیر پیچھے رہ گیا۔ ہرن چوکڑیاں بھرتا ہوا نکل گیا۔ شاہزادہ مایوس ہو کر لوٹا۔ راستے میں اسکو ایک خوبصورت عورت منظر آئی جو بیٹھی رو رہی تھی۔ شاہزادہ اسکے قریب گیا اور حال پوچھا وہ کہنے لگی کہ میں بادشاہ کی لڑکی ہوں۔ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئی ہوں۔ میرا گھوڑا بے قابو ہو گیا اور مجھے گرا کر بھاگ گیا۔ شاہزادے نے اس سے کہا کہ تم میرے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ جاؤ میں تمہیں اس جنگل سے نکالکر تمہارے وطن پہنچا دونگا۔ وہ شاہزادے کیساتھ سوار ہو گئی اور جب ایک ویران جگہ پہنچے تو گھوڑے سے کود پڑی اور آواز دی بچو جلدی آؤ میں تمہارے لئے شکار لائی ہوں جواب میں آواز آئی کہ ماں جلدی لاؤ۔ بہت بھوکے ہیں۔ شاہزادہ سمجھ گیا کہ میں غول بیابانی کے ہاتھوں میں پھنس گیا ہوں۔ فوراً گھوڑے کا رخ پھیرا

اور اللہ سے دعا کرتا ہوا بھاگا۔ ہر چند عورت آواز دیتی رہی کہ صاحب تم کو کیا وہم ہوا اور مجھے یہاں کیوں چھوڑے جا رہے ہو۔ لیکن شاہزادے نے پلٹ کر نہیں دیکھا آخر کچھ دیر بعد شاہزادہ شاہراہ پر آ گیا اور خدا کا شکر ادا کیا جب گھر واپس آیا تو اس نے یہ حادثہ باپ سے بیان کیا۔ بادشاہ وزیر کی غفلت پر سخت برہم ہوا۔ اور اسکو قتل کرادیا۔

وزیر نے یہ حکایت بیان کر کے عرض کیا کہ شہنشاہ کو ایک نئے آدمی پر اعتبار نہیں کرنا چاہیئے ممکن ہے جسطرح اس حکیم نے ایک گیند بنا کر آپکا مرض رفع کر دیا۔ کسی دن کوئی پھول سنگھا کر آپکے دشمنوں کی جان کو خطرے میں ڈالدے۔ بادشاہ وزیر کے فقرے میں آ گیا اور فیصلہ کیا کہ اس حکیم کو ضرور قتل کر دینا چاہیئے چنانچہ اس نے دربار میں حکیم کو طلب کیا اور کہنے لگا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کسی دوسرے ملک کے جاسوس ہو اور میری جان لینے آئے ہو اسلیئے میں تمہیں قتل کر دینا چاہتا ہوں حکیم نے دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ بادشاہ سلامت کو اختیار ہے۔ لیکن میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ اگر خدانخواستہ مجھے حضور سے کوئی پرخاش ہوتی تو جب میں حضور کا علاج کر رہا تھا اسی وقت کچھ نقصان پہنچا دیتا۔ اہل دربار نے بھی سفارش کی کہ آجتک ہم نے حکیم کی کوئی حرکت مشتبہ نہیں دیکھی۔ لیکن وزیر نے ایسی آگ نہیں لگائی تھی جو آسانی سے بجھ جاتی۔ بادشاہ نہ مانا۔ آخر حکیم کو جب یقین ہو گیا کہ اب بادشاہ بغیر قتل کیئے باز نہیں رہے گا تو عرض کرنے لگا۔ میرے پاس ایک کتاب ہے جو میں آخری نذر عقیدت کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ قتل کے بعد میرا سر سامنے رکھ کر اپنے ہاتھ سے اس کو کھولیں۔ چھٹے ورق کے بائیں صفحہ پر تینتسویں سطر احتیاط سے گن کر نکالیں۔ پھر اس کو پڑھ کر جو سوال آپ میرے سر سے کرینگے وہ اسکا معقول جواب دیگا۔ بادشاہ بہت مشتاق ہوا اور حکم دیا کہ جاؤ وہ کتاب لیکر آؤ حکیم گھر گیا اور کچھ دیر بعد ایک مجلد کتاب لیکر آیا اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کی۔ بادشاہ اتنا مشتاق ہو گیا تھا کہ فوراً کتاب کھول کر دیکھنے لگا لیکن کتاب کے ورق کچھ جڑے ہوئے تھے۔ بادشاہ نے انگلی کو لب لگا کر ورق الٹنے شروع کیئے۔ ابھی چند ہی ورق پلٹے تھے کہ وہ زہر جو حکیم کتاب کو لگا کر لایا تھا بادشاہ کے جسم میں اثر کر گیا اور بادشاہ کی حالت خراب ہونے لگی اسوقت حکیم نے عرض کیا کہ اگر آپ بلا وجہ میرے قتل کے درپے نہ ہوتے تو یہ انجام نہ ہوتا۔

ماہی گیر نے یہ قصہ بیان کر کے جن سے کہا کہ اگر تو بھی بلا وجہ میرے قتل کا ارادہ نہ کرتا تو دوبارہ اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتا تو نے محسن پر اسطرح کا ارادہ کیا اسکا انجام تیرے سامنے ہے۔ اب میں تجھے پھر دریا میں ڈالوں گا اور کوشش کرونگا کہ وسط دریا میں پڑا رہے تاکہ غلطی سے اور کوئی بندہ خدا تجھے نکالکر مصیبت میں مبتلا نہ ہو۔ جن یہ سن کر گھبرا گیا اور منت سے کہنے لگا کہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں تجھ سے پھر دغا نہیں کرونگا۔ تو مجھے معاف کر دے۔ ماہی گیر نے کہا تیرا کیا اعتبار ایک بار اس قید سے باہر نکل کر پھر جو چاہے کر سکتا ہے میں اپنے اور دوسروں کے لئے تجھے چھوڑ کر کیوں خطرہ پیدا کروں۔ جن نے پھر خدا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سخت قسم کھائی اور وعدہ کیا کہ تجھے مالدار بنا دونگا۔ آخر ماہی گیر کو اس کی قسم کا یقین آ گیا اور اس نے آفتابہ کا منہ کھولدیا۔ جن باہر آیا اور پھر آفتابہ اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر ماہی گیر ڈرا۔ لیکن جن نے کہا کہ خوف نہ

2

کر اب میں تیرے ساتھ کوئی برائی نہیں کرونگا اٹھ اور میرے ساتھ آگے آگے چل اور پیچھے پیچھے ماہی گیر چلے۔ کچھ دور جا کر ایک پہاڑ پر پہنچے۔ وہاں خوبصورت تالاب تھا۔ اسکے کنارے پر کھڑے ہو کر جن نے کہا کہ اس میں جال ڈال کر اور جو کچھ مچھلیاں ہاتھ لگیں وہ بادشاہ کے حضور میں پیش کر دیا کر۔ وہاں سے تجھ کو بہت انعام ملیگا اور بہت سے بندگان خدا مصیبت سے نجات پا جائیں گے۔ یہ کہکر جن غائب ہو گیا۔ ماہی گیر نے جال ڈالا تو اسمیں چار رنگ کی مچھلیاں آئیں۔ ماہی گیر بہت خوش ہوا اور انہیں کو لیکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے وہ مچھلیاں بہت پسند کیں اور ماہی گیر کو بہت انعام دیا۔ مچھلیاں باورچی خانے میں گئیں۔ باورچن جب ان کو تلنے لگی اور مچھلی الٹی تو ایکدم سامنے کی دیوار پھٹی اور اسمیں ایک عورت نفیس لباس پہنے ہوئے نکلی۔ اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ وہ مچھلیوں کیطرف متوجہ ہو کر کہنے لگی۔ کہ تمہیں اپنا عہد یاد ہے؟ مچھلیاں ایکدم فوراً کڑھائی میں دُم کے بل کھڑی ہو گئیں اور جواب دیا کہ اگر تم اپنے عہد پر ثابت قدم ہو تو ہم بھی اپنے عہد پر ثابت قدم ہیں یہ جواب سن کر وہ عورت اسطرح واپس چلی گئی جیسے آئی تھی اور مچھلیاں جل کر کوئلہ ہو گئیں۔ یہ ماجرا دیکھکر باورچن بیہوش ہو گئی۔

باورچی خانہ کی دیوار کا پھٹنا اور عورت کا نکلنا

جب باورچن کو ہوش آیا۔ وہ دوڑی ہوئی وزیر کے پاس گئی اور تنہائی میں بلا کر سب قصہ سنایا۔ وزیر متعجب ہوا اور سمجھا کہ باورچن شاید اسلئے یہ جھوٹا قصہ بیان کر رہی ہے کہ اس سے مچھلیاں جل گئیں اور بادشاہ کے ناراض ہونیکا خطرہ ہے۔ چنانچہ امتحان کیلئے پھر ماہی گیر کو بلایا اور حکم دیا کہ اس قسم کی مچھلیاں اور لاؤ۔ ماہی گیر اس تالاب پر گیا اور چار مچھلیاں لا کر حاضر کیں۔ وزیر نے وہ مچھلیاں اپنے سامنے تلنے کا حکم دیا۔ باورچن پکانے بیٹھ گئی۔ جب اس نے مچھلی کو الٹا تو وہی واقعہ پیش آیا۔ وزیر نے یہ قصہ جا کر بادشاہ سے عرض کیا۔ بادشاہ نے کہا کہ ماہی گیر کو بلا کر اور مچھلیاں منگاؤ۔ میں بھی یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ پھر ماہی گیر کو بلایا اور مچھلیاں طلب کی گئیں۔ ماہی گیر نے جال ڈالا اسی قسم کی رنگ برنگ کی چار مچھلیاں جال

یں آئیں وہ لاکر بادشاہ کے حضور میں پیش کر دیں۔ بادشاہ نے اسکو بہت سا انعام دیا اور اپنے سامنے پکانے کا حکم دیا۔ جب مچھلیاں الٹی گئیں تو بدستور سابق دیوار پھٹی اور اس مرتبہ ایک حبشی چھری لئے ہوئے نکلا اور مچھلیوں سے وہی گفتگو کر کے لوٹ گیا۔ مچھلیاں جلکر کوئلہ ہو گئیں۔ بادشاہ نے کہا کہ جہاں سے یہ مچھلیاں آئی ہیں ضرور وہاں کچھ اسرار ہے۔ ماہی گیر سے اسجگہ کا حال دریافت کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ماہی گیر پھر طلب ہوا اور اس سے پوچھا گیا کہ تم یہ مچھلیاں کہاں سے لاتے ہو۔ ماہی گیر نے پتہ بتایا تو سب متعجب ہوئے کہ ہم ہمیشہ سے یہاں رہتے ہیں لیکن آجتک نہ تالاب دیکھا نہ یہ رنگا رنگ کی مچھلیاں۔ چنانچہ اسیوقت بادشاہ اپنے وزیر اور کچھ ملازموں کو ساتھ لیکر پہاڑ پر گیا اور جا کر دیکھا۔ کہ واقعی ایک تالاب موجود ہے۔

بادشاہ تمام دن تالاب کے چاروں طرف پھرتا رہا۔ لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ شام کو وزیر سے کہنے لگا کہ میں یہاں کا بھید ضرور معلوم کرونگا۔ تم لوگ قریب ہی چھپ جاؤ۔ میں رات بھر یہیں ٹھہرونگا۔ سب لوگ آس پاس ٹھہر گئے۔ لیکن بادشاہ خود تالاب کے کنارہ پر بیٹھا رہا۔ جب خوب اندھیرا ہو گیا تو کچھ فاصلہ پر ایک قلعہ نظر آنے لگا۔ بادشاہ بہت قوی دل تھا فوراً اٹھا۔ اور اسی طرف روانہ ہو گیا۔ قلعہ کے دروازے پر پہنچا تو کوئی شخص نظر نہیں آیا وہ بے تکلف اندر چلا گیا۔ قلعہ اندر سے خوب آراستہ پیراستہ تھا جگہ جگہ باغ تھے۔ نہریں تھیں۔ بادشاہ حیران ہو کر ہر طرف دیکھ رہا تھا۔ ہر قسم کا ساز و سامان موجود تھا۔ درختوں پر جانور چہچہا رہے تھے۔ زر و جواہر کی بھی کمی نہیں تھی۔ لیکن کہیں آدم زاد کا پتہ نہ تھا۔ دل میں سوچتا تھا کہ تالاب اور مچھلیوں کے حالات کم تعجب خیز نہ تھے کہ یہ اور نیا اسرار پیدا ہو گیا۔ معاملہ سلجھنے کے بجائے پیچیدہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ ابھی یہ خیال کر ہی رہا تھا کہ کسی کے دردناک انداز سے رونے کی آواز آئی۔

عجیب و غریب قلعہ
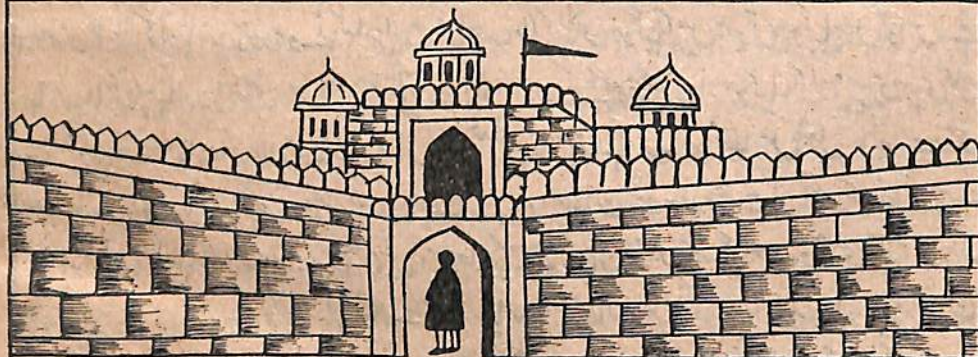
بادشاہ اسی آواز کی سمت چلا۔ آگے بڑھ کر دیکھا ایک دروازے پر پردا پڑا ہوا ہے اور اسمیں سے آواز آرہی ہے۔ آہستہ سے پردا اٹھا کر اندر جھانکا۔ دیکھا کہ ایک خوش شکل نوجوان تخت پر بیٹھا رو رہا ہے۔ بادشاہ

قریب گیا اور سلام کر کے حال دریافت کرنے لگا۔ اس نوجوان نے عذر کیا کہ آپ مجھے معاف فرمائیں میں اٹھنے سے معذور ہوں۔ بادشاہ نے کہا تکلف کی ضرورت نہیں براہ کرم آپ اس قلعہ اور تالاب کا حال مجھے بتائیں اور اپنی سرگذشت بھی سنائیں۔ مجھ سے جو کچھ خدمت ممکن ہوگی اس سے دریغ نہیں کرونگا۔ وہ نوجوان آبدیدہ ہوگیا اور بولا کہ یقیناً یہ خداوند کریم کی مہربانی ہے جو اس نے آپکو یہاں بھیجا ہے۔ میں اپنا حال عرض کرتا ہوں۔

معذور نوجوان کی داستان مصیبت

میں اس ملک کے بادشاہ محمود کا اکلوتا لڑکا ہوں۔ میری شادی چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ اور ہم آپس میں محبّت کرتے تھے۔ جب میرے والد کا انتقال ہوگیا تو میں تخت نشین ہوا اور ہم دونوں پانچ سال تک عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اس عرصہ میں مجھے اپنی بیوی کے متعلق کسی قسم کا شبہ نہیں ہوا۔ اور میں ایک دیانتدار شریف آدمی کیطرح اس پر اعتماد کرتا رہا۔ ایک روز ملکہ اتفاقاً حمام میں گئی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ میں سونے کے لئے لیٹا دو خواصیں جو ملکہ کے ساتھ رہتی تھیں مجھے پنکھا کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ یہ سمجھیں کہ میں سوگیا ہوں (حالانکہ میں اسوقت جاگ رہا تھا) چنانچہ آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگیں۔ ایک بولی دیکھو ہمارا بادشاہ کیسا خوبصورت جوان ہے لیکن ملکہ اسکے باوجود ایک ادنی حبشی غلام سے لگی ہوئی ہے اور اس نیک آدمی کو ابتک کوئی علم نہیں۔ دوسری نے جواب دیا کہ بیچارے کو خبر کیسے ہو۔ ملکہ جب اس موئے حبشی سے ملنے جاتی ہے تو اسکو بیہوشی کی دوا پلا دیتی ہے۔ یہ بات سن کر میرے ہوش و حواس جاتے رہے لیکن اسوقت مصلحتاً میں سوتا ہوا بنا رہا۔ تھوڑی دیر میں میری بیوی حمام سے واپس آگئی۔ لیکن میں نے تحقیقات سے پہلے اس سے کچھ نہ کہا شام کو سونے کیوقت حسب معمول ملکہ میرے لئے شربت کا گلاس لائی۔ میں سمجھ گیا کہ اسی طرح مجھے بیہوش کر کے بیوقوف بنایا جاتا ہے۔ میں نے گلاس تو لے لیا لیکن ملکہ کی آنکھ بچا کر اسکو پینے کے بجائے دوسری طرف گرا دیا۔ اور خود سونے کیلئے لیٹ گیا جب ملکہ کو یقین ہو گیا کہ میں بیہوش ہوگیا ہوں تو اس نے لباس فاخرہ پہنا اور باہر چلی۔ میں بھی آہستگی سے اٹھا اور اسکے پیچھے پیچھے روانہ ہوگیا۔ ملکہ یعنی میری بیوی محل سے نکلکر ایک ویران میدان میں آگئی۔ جہاں ایک حبشی غلام غالباً اس کے انتظار میں ٹہل رہا تھا جیسے ہی ملکہ وہاں پہنچی دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے اور اطمینان سے پیار و محبت کی باتیں کرنے لگے میرے تن بدن میں غیرت کی آگ لگ رہی تھی میں اسی جگہ ایک جھاڑی کی آڑ میں ٹھہر گیا جب وہ حبشی غلام اور ملکہ میرے قریب سے گذرے تو میں نے تلوار سے حملہ کر دیا جو غلام کھا کر گر پڑا۔ ملکہ اس اچانک وار سے پریشان ہوگئی تھی اسلئے مجھے نہ پہچان سکی۔ میں اسکو وہیں چھوڑ کر محل میں واپس آیا اور اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ملکہ بھی واپس آگئی اور یہ اطمینان کر کے کہ میں سو رہا ہوں آپ بھی آرام کرنے کیلئے لیٹ گئی۔ صبح کو میں حسب معمول دربار میں چلا گیا اور کاروبار سلطنت انجام دیتا رہا لیکن جب محل میں واپس آیا تو دیکھا کہ ملکہ ماتمی لباس پہنے اداس بیٹھی ہے۔ میں نے دریافت کیا تو کہنے لگی کہ مجھے اپنے ایک عزیز کے مرنے کی اطلاع ملی ہے

اس لئے ماتمی لباس پہنا ہے۔ میں چونکہ اصل حال سے آگاہ تھا اسلئے خاموش رہا کئی روز گذر گئے لیکن ملکہ کا ماتمی لباس نہ اترا۔ میں بھی یہ معلوم کرنے کی فکر میں تھا کہ اس کمبخت حبشی کا کیا انجام ہوا۔ آخر ایکدن پتہ چلا کہ وہ مرا نہیں صرف زخمی ہو گیا ہے۔ ایک شب کو میں نے پھر ملکہ کا تعاقب کیا۔ وہ ایک مکان میں پہنچی جہاں وہ ہی حبشی غلام زخمی پڑا تھا۔ ملکہ اسکے قریب بیٹھ کر بڑے پیار سے کہنے لگی کہ مجھ سے بات کر میں تیرے لئے اپنی جان فدا کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن وہ ملعون خاموش رہا۔ اسوقت پھر مجھ پر غیرت کا جنون سوار ہوا۔ اور میں غصہ کی حالت میں سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور ارادہ کیا کہ ان دونوں کو قتل کر ڈالوں۔ یہ دیکھ کر ملکہ میری طرف بڑھی اور کچھ پڑھ کر مجھ پر پھونک ماری۔ میرا وہ ہاتھ جس میں تلوار تھی۔ بے کار ہو گیا۔ اسکے بعد اس نے پھر کچھ پڑھ پڑھا کر پھونکا اور مجھے حکم دیا کہ تو آدھا پتھر کا ہو جا۔ اسی وقت میرا نیچے کا دھڑ پتھر کا ہو گیا۔ اسکے بعد میری مملکت کو جھیل بنا دیا اور آبادی کو مچھلیاں پھر اسکے چاروں طرف جادو کے زور سے پہاڑ کھڑے کر دیئے۔ تاکہ دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہو جائے یہ وہی جھیل اور مچھلیاں ہیں جن کو آپ دیکھ رہے ہیں۔ وہ ظالم عورت اب بھی اپنے دوست حبشی غلام کے ساتھ یہیں رہتی ہے اور روزآنہ میرے پاس آکر سو کوڑے مارتی ہے۔ وہ حبشی غلام ابتک تندرست نہیں ہوا ہے۔ جب وہ جوان اپنی داستان مصیبت سنا چکا تو بادشاہ نے اسکو تسلّی و تشفّی دی اور کہا کہ میں ان دونوں سے تمہارا بدلہ لونگا۔ صرف تم مجھے ان کی رہائش کا پتہ دو۔ نوجوان نے بادشاہ کو پتہ دیا۔ بادشاہ نہایت احتیاط سے اس مکان میں پہنچا۔ اور دیکھا کہ ملکہ کا محبوب حبشی ایک آراستہ چھپر کھٹ پر آرام سے سو رہا ہے۔ بادشاہ بے پاؤں اندر گیا اور حبشی پر بھرپور تلوار کا ہاتھ مارا اور اسکا قصہ تمام کر دیا۔ اسکے بعد حبشی کی لاش کو دوسرے کمرے میں چھپا دیا اور خود کپڑا اوڑھ کر اسی چھپر کھٹ پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ بدکار ملکہ آگئی اور بہت محبت بھرے الفاظ سے کہنے لگی۔ آخر پیارے تم مجھ سے کیوں ناراض ہو اور مجھ سے کیوں نہیں بولتے۔ میں نے تمہارے انتقام میں کل سلطنت برباد کر ڈالی اور اپنے شوہر کو آدھا پتھر کا بنا دیا تم پر ہاتھ اٹھانے کے جرم میں ابتک اس کو سو درّے روزآنہ مارتی ہوں۔ بادشاہ جو حبشی کی جگہ لیٹا تھا مریضوں کی طرح بہت آہستہ بولا۔ کہ تم اپنے شوہر کو روزآنہ مارتی ہو۔ اس کی چیخ پکار سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسکو اصلی حالت میں لوٹا دو۔ اور ان تمام لوگوں کو بھی اپنے سحر سے نجات دیدو جو مچھلیاں بنے ہوئے جھیل میں پڑے ہیں اور اس مملکت کو بھی اس کی اصلی صورت میں کر دو۔ کیونکہ یہ سب میرے لئے بددعا کرتے ہیں اور اسی لئے مجھے صحت نہیں ہوتی۔ ملکہ نے کہا میری جان یہ کتنی بڑی بات ہے۔ میں سب کو ایسا ہی کئے دیتی ہوں جیسے یہ پہلے تھے۔ چنانچہ ملکہ نے سحر پڑھا اور ہر شے اپنی اصلی صورت میں آگئی۔ وہ نوجوان بھی مصیبت سے رہا ہوا۔ اب نہ وہ جھیل تھی نہ پہاڑ بلکہ ایک آباد ملک ہو گیا۔ بادشاہ کی فوج جو اس کے ساتھ آئی تھی خود بخود دور ہو گئی۔ کیونکہ یہ علاقہ سحر کی وجہ سے بادشاہ کے ملک کے قریب نظر آتا تھا ورنہ اصل میں کافی دور تھا۔ جب ملکہ اس کام سے فارغ ہو گئی۔ تو پھر حبشی غلام کے پاس آئی۔ کیونکہ ابتک وہ یہ ہی سمجھ رہی تھی کہ چھپر کھٹ پر اسکا محبوب سو رہا ہے اور کہنے لگی کہ میں نے تمہارے حکم کی تعمیل کر دی ہے۔ خدا کیلئے

اب تومنہ کھولو اور مجھ سے بات کرو۔ بادشاہ نے جو حبشی غلام کی جگہ لیٹا تھا اسکو قریب آنیکا اشارہ کیا جونہی اسکے قریب پہنچی اس نے اٹھ کر ایک ہاتھ تلوار کا مارا اور کٹ کر الگ جا گرا اسکے بعد بادشاہ وہاں سے نکلا اور اس نوجوان کی تلاش کیا جو یہاں کا بادشاہ تھا۔ پھر اس کو لیجا کر ان دونوں ملعون کی لاشیں دکھائیں۔ شاہزادہ قدموں پر گر پڑا اور بہت شکریہ ادا کیا۔ کل رعایا کو حالات کا علم ہوا۔ تو سب خدا کا شکر بجالائے اور بادشاہ کے ممنون احسان ہوئے۔ اس کام سے فارغ ہوکر بادشاہ اپنے ملک کو روانہ ہوا تو اس نوجوان شاہزادے نے بھی ساتھ چلنے کی درخواست کی اور دونوں بادشاہ دارالحکومت کیطرف روانہ ہوگئے۔ جب اپنی سلطنت کے قریب پہنچے تو بادشاہ نے وزیر کو اطلاع کی۔ وہاں سب پریشان تھے، یہ خبر سنکر سب مسرور ہوئے اور استقبال کرکے بادشاہ کو شہر میں لائے۔ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد بادشاہ نے اپنی لڑکی کی شادی نوجوان شاہزادے سے کردی اور عنان حکومت بھی اسکے سپرد کرکے خود بیت اللہ کو چلا گیا اور وہیں کہیں انتقال کیا۔

یہ کہانی بیان کرکے شہرزاد نے بہن سے کہا کہ یہ کہانی بغداد کے مزدور کے قصہ سے زیادہ دلچسپ نہیں۔ اگر شاہ نے اجازت دی تو میں وہ بھی سناؤں گی۔ شہریار کو نئی حکایت کا شوق ہوا۔ چنانچہ اس نے اجازت دیدی۔ اور ملکہ شہرزاد کا قتل اس روز بھی ملتوی رہا۔

شہر بغداد کے مزدور کی کہانی

خلیفہ ہارون الرشید کا دورِ حکومت تھا۔ لوگ راحت و آرام سے رہتے تھے۔ اس زمانہ میں ایک مزدور تھا جو شہر بازاروں میں محنت کرکے اپنی روزی کماتا تھا۔ ایک روز معمول کے مطابق صبح سویرے وہ بازار میں مزدوری کی تلاش میں آیا۔ ایک نقاب پوش عورت نے اسکو اشارہ کیا کہ میرے ساتھ آؤ۔ مزدور اپنا ٹوکرا لیکر اسکے پیچھے پیچھے ہوگیا۔ اس عورت نے مختلف مقامات سے بہت سی چیزیں خریدیں اور ٹوکرے میں رکھتی رہی۔ اسکے بعد گھر روانہ ہوئی اور بہت سی گلیاں طے کرکے ایک عالیشان محل میں آئی۔ مکان اندر سے بھی پیراستہ تھا اور سامنے بڑے دالان میں مسند پر ایک اور عورت بیٹھی تھی جو انداز سے مالکہ معلوم ہوتی تھی۔ مزدور نے سامان اتارا اور ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ مسند پر بیٹھی ہوئی عورت نے صافی صافی کہکر آواز دی اسپر ایک اور بہت ہی خوبصورت عورت آئی اور کہنے لگی کہ بہن زبیدہ کھانے کا انتظام کرا رہی تھی۔ مالکہ نے جسکا نام زبیدہ تھا کہا کہ دیکھو امینہ سامان لے آئی ہے اسمیں کوئی چیز رہ تو نہیں گئی ہے۔ صافی نے سب سامان اٹھوا کر اندر رکھدیا۔ اسکے بعد زبیدہ نے مزدور کو دو دینار دیئے۔ مزدور اتنی اجرت پاکر بہت خوش ہوا لیکن اسکے ساتھ حیران بھی تھا کہ اس گھر میں عورتیں ہی ہیں۔ کوئی مرد نہیں۔ مزدور ملنے کے بعد بھی مزدور کھڑا رہا تو زبیدہ نے پوچھا کہ کیا اجرت کم ہے۔ مزدور بولا کہ نہیں بلکہ زیادہ ہے۔ مالکہ نے پوچھا کہ پھر کیوں کھڑے ہو۔ جاتے کیوں نہیں۔ مزدور نے کہا۔ کہ گستاخی معاف ہو ایک عرض کرنا چاہتا ہوں۔ زبیدہ نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر پوچھا۔ کہ کہو کیا کہتے ہو۔ مزدور نے کہا کہ اتنا بڑا مکان ہے یہ ساز و سامان

مزدور اور امینہ کی تصویر
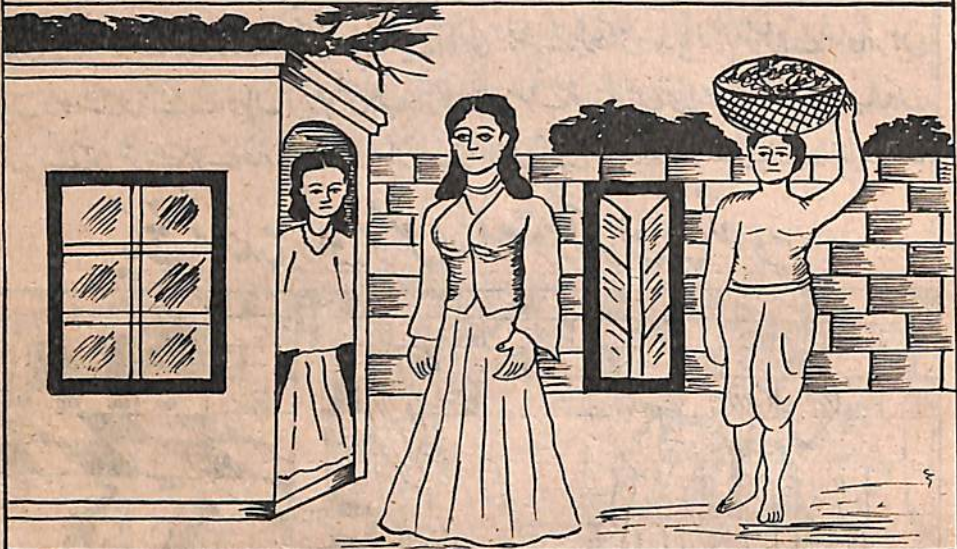
لیکن یہاں کوئی مرد نظر نہیں آتا۔ نہ مالک نہ غلام حتٰی کہ بازار سے سامان لانیوالی خاتون بھی آپ کی ہمشیرہ ہیں۔ اسکا کیا سبب ہے۔ مزدور کے اس سوال پر سب ہنس پڑیں۔ زبیدہ نے کہا کہ یہ ایک راز ہے اور ہم اپنا راز ہر ایک پر ظاہر نہیں کرتے۔ مزدور نے دست بستہ عرض کیا کہ محترم خواتین نہ تو میں جاہل ہوں اور نہ اتنا کم ظرف کہ اگر کوئی راز معلوم ہو جائے تو اسے ظاہر کرتا پھروں۔ زبیدہ اور زیادہ ہنسی۔ پھر کہنے لگی کہ اگر تم دیکھنا ہی چاہتے ہو تو اس شرط پر یہاں ٹھہر سکتے ہو کہ جو کچھ دیکھو اسکے بارے میں کوئی سوال نہ کرو۔ مزدور نے منظور کر لیا۔ مزدور تمام دن رہا لیکن کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ اور بھی زیادہ حیران ہوا۔ بعد مغرب دسترخوان چنا گیا سب نے ملکر کھانا کھایا اسکے بعد شراب کا دور چلنے لگا۔ جب سرور جم گیا تو ان تینوں عورتوں (زبیدہ۔ صافی۔ امینہ) نے باری باری گانا اور دف بجانا شروع کیا یہاں تک کہ کافی رات گذر گئی۔ اسوقت زبیدہ نے کہا کہ اب اس شخص کو رخصت کر دینا چاہیئے۔ امینہ اور صافی جواب نہ دینے پائی تھیں کہ دروازے پر دستک کی آواز آئی۔ امینہ نے دروازہ کھولکر دیکھا اور زبیدہ سے آکر کہا کہ باہر تین یک چشم قلندر کھڑے ہیں اور رات گذارنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ زبیدہ نے کہا کہ اگر وہ اس شرط پر یہاں رہنے کو آمادہ ہوں کہ کسی معاملہ میں مداخلت نہیں کرینگے۔ تو بلا لو۔ چنانچہ امینہ نے یہ ہی قلندروں سے کہدیا وہ راضی ہو گئے۔ امینہ نے لاکر انھیں بھی بٹھا دیا۔ اور جو کچھ موجود تھا کھانے کو پیش کیا۔ پھر سب آپس میں مذاق کرنے لگیں کہ ایک مزدور تین یک چشم قلندر آج ہمارے مہمان ہیں۔ خوب دل لگی رہے گی۔ اب پھر گانا بجانا شروع ہوا۔ اس درمیان میں پھر دستک کی آواز آئی امینہ نے اٹھ کر دیکھا کہ تین شریف سوداگر کھڑے ہیں اور رات گذارنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ یہ وہ تینوں دراصل خلیفہ ہارون الرشید۔ جعفر وزیر اور مسرور تھے جو رات کو لباس تبدیل کر کے پھرتے تھے۔ تاکہ رعایا کے اچھے برے حالات کی معلومات ہوتی

رہیں اور اسوقت گانے بجانے کی آواز سنکر دریافت حال ہی کیلئے آئے تھے۔ ابینہ نے زبیدہ سے حال بتایا تو زبیدہ نے اس شرط پر انکو بھی اجازت دیدی کہ جو کچھ دیکھیں اسکی بابت کچھ دریافت نہ کریں یہ تینوں بھی اس شرط کو منظور کرکے اندر آگئے۔ اسوقت زبیدہ نے سوال کیا کہ آپکا کیسے آنا ہوا۔ جعفر نے بڑھ کر جواب دیا کہ ہم موصل کے سوداگر ہیں ایک دعوت میں گئے تھے وہاں دیر ہوگئی اب اگر کاروان سرائے جاتے ہیں تو راستے میں محتسب صاحب روک کریں گے یہی سوچتے ہوئے جارہے تھے کہ یہاں سے آوازیں آئیں۔ ہم سمجھے اہل خانہ بیدار ہیں۔ شاید رات

یک چشم قلندر اور موصل کے سوداگران کی تصویر

گذارنے کی اجازت دیدیں۔ امید میں دستک دی۔ اور خدا کا شکر ہے کہ آپ نے ہماری درخواست منظور کرلی۔

ابینہ اور صافی نے اکل شراب پیش کئے لیکن انہوں نے عذر کیا اور ایکطرف خاموشی سے بیٹھ گئے۔ باقی لوگ برابر مے نوشی کرتے رہے۔ تینوں عورتوں نے جب دیکھا کہ یہ لوگ اب آرام کرینگے تو وہ اٹھ کر باہر حوض پر بیٹھ گئیں۔ پھر انہوں نے مزدور کو بلایا اور سامنے دو کتیاں بندھی ہوئی تھیں انکو لانے کا حکم دیا مزدور نے ان دونوں کو لاکر سامنے کھڑا کردیا۔ زبیدہ اٹھی اور چابک لیکر دونوں کتیوں کو اتنا مارا کہ خون جاری ہوگیا اور خود بھی تھک کر چور ہوگئی۔ اسکے بعد ان کو پیار کیا زخم دھوکر باندھے اور پھر وہیں پہنچادیا جہاں سے ان کو مزدور کھولکر لایا تھا۔ خلیفہ ہارون بہت متعجب ہوا اور چاہا کہ حال دریافت کروں لیکن جعفر نے اشارے سے روکا۔ اسکے بعد تینوں عورتیں گانے بجانے لگیں۔ ابینہ نے ایک غزل شروع اور بہت پردرد لہجے میں گائی یہانتک کہ زبیدہ وجد میں آگئی اور اپنے تمام کپڑے پھاڑ ڈالے اور بیٹھ ننگی ہوگئی۔ خلیفہ نے دیکھا کہ اسپر تازیانے کے نشان ہیں۔ اسکے بعد ابینہ نے ایک غزل گائی تو یہ ہی حال صافی کا ہوا۔ اسکی کمر پر بھی تازیانے کے نشان تھے خلیفہ اور بھی حیران ہوا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ جعفر نے کہا کہ صبح تک صبر فرمایئے۔ وعدہ خلافی مناسب نہیں۔ کل دربار میں

طلب کر کے سب حال دریافت فرمایئگا۔ اتنے میں وہ تینوں قلندر بولے کہ اس عجیب منظر کے دیکھنے سے تو یہ بہتر ہوتا
کہ رات کسی جنگل میں گذار لیتے۔ بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم اہل خانہ نہیں ہو۔ قلندر بولے کہ نہیں۔ خلیفہ
نے سوچا کہ شاید وہ مالک خانہ ہوگا جو کتیوں کو لایا تھا۔ چنانچہ اسکو بلا کر دریافت کیا۔ وہ کہنے لگا کہ میں بھی آپ ہی
کی طرح نو وارد ہوں۔ خلیفہ ہارون الرشید کا استعجاب اتنا بڑھ گیا تھا کہ مزید ضبط نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اس نے
مزدور سے کہا کہ تم حال دریافت کرو۔ مزدور زبیدہ کیطرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ سب لوگ بیحد حیران ہیں کہ

زبیدہ اور صافی کو حال آنا

آپ نے کتیوں کو کیوں مارا اور پھر پیار کیا۔ اور آپکے اور آپ کی ہمشیرہ کے جسم پر تازیانے کے نشانات کیسے ہیں
اور یہ اشعار سنکر آپ لوگ اسقدر بیقرار کیوں ہوئیں۔ زبیدہ نے سب کو مخاطب کر کے پوچھا کہ یہ مزدور جو کچھ کہہ رہا
ہے صحیح ہے۔ اور آپ ہمارا حال دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ سب نے کہا کہ بیشک ہم اصل راز معلوم کرنیکے مشتاق
ہیں لیکن جعفر خاموش رہا۔ زبیدہ نے ان کی طرف غضبناک نگاہوں سے دیکھا پھر بولی۔ کہ تم لوگوں نے اپنا
عہد توڑ دیا۔ اور شریف آدمی اس کو پسند نہیں کرتا کہ عہد شکنی کرے اب اس کی سزا بھگتو۔ یہ کہہ کر اس نے زور سے
زمین پر پیر مارا فوراً برابر کے کمرے سے سات زنگی برہنہ تلواریں لئے ہوئے نکلے اور سب کی مشکیں باندھ لیں
پھر زبیدہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ اور کہنے لگی کہ تم لوگوں کو سزا دینے سے پیشتر میں چاہتی ہوں کہ
تمہارے حالات معلوم کر لوں۔ قلندروں سے پوچھا کیا تم آپس میں بھائی ہو۔ اور کیا سبب ہے کہ تم تینوں
یک چشم ہو۔ قلندروں نے عرض کیا کہ ہم بھائی نہیں بلکہ آج صبح سے پہلے ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا بھی نہیں
تھا۔ اتفاقاً ایک جگہ اکٹھے ہو گئے ہم تینوں بادشاہ زادے ہیں۔ ہماری داستان مصیبت ایک عجیب کہانی ہے
اس کے بعد زبیدہ نے جعفر و خلیفہ و مسرور سے دریافت کیا۔ جعفر نے بڑھ کر کہا کہ ہم سوداگر ہیں اور اپنا حال

شروع ہی میں آپ کو سنا چکے ہیں۔ زبیدہ نے غلاموں کو حکم دیا کہ ان کی مشکیں تو کھولدو لیکن ان کی حفاظت کرتے رہو کہ یہ کوئی گستاخی نہ کر سکیں۔ مزدور نے اپنا حال بیان کیا

زنگیوں کا تلواریں لیکر نکلنا

مزدور کا قصّہ

اے معزز خاتون میں اس شہر بغداد کا رہنے والا ہوں اور مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتا ہوں۔ آج صبح آپ کی ہمشیرہ نے بازار سے کچھ سامان خریدا اور میرے سر پہ رکھوا کر یہاں لائیں۔ باقی حال آپ کے سامنے گذر ہی چکا ہے۔ زبیدہ نے یہ سنکر حکم دیا کہ اچھا تم فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔ مزدور ہاتھ باندھ کر بولا کہ تعمیل ارشاد میں عذر نہیں۔ لیکن یہ رعایت چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کا حال سنوں۔ اب قلندروں میں سے ایک قلندر آگے بڑھا اور حال بیان کرنا شروع کیا۔

پہلے قلندر کی رُوداد

میں بادشاہ کا لڑکا ہوں۔ میرے چچا بھی ایک علاقہ کے حاکم تھے مجھے چچا کے یہاں جانیکا بہت کم اتفاق ہوتا تھا۔ بلکہ ایک بار میں اپنے والد سے اجازت لیکر چچا کے یہاں گیا۔ وہاں میرے چچیرے بھائی نے بہت آؤ بھگت کی۔ وہ میرا ہم عمر تھا۔ چند ہی روز میں ہم بے تکلف دوست بن گئے۔ ایک روز میرا بھائی کہنے لگا کہ مجھے تم سے ایک کام ہے اگر تم قسم کھاؤ کہ کسی سے ظاہر نہیں کروگے تو میں تم سے کہوں۔ میں چونکہ اس سے مانوس ہو گیا تھا اس لئے بے تکلف قسم کھالی وہ کہنے لگا کہ اچھا تم یہیں ٹھہرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں وہ ایک

نوجوان حسین لڑکی کو ساتھ لئے ہوئے آیا۔ اور مجھ سے کہنے لگا کہ تم اس کو فلاں باغ میں لے چلو اور میں ابھی آتا ہوں۔ میں اس لڑکی کو لیکر اس جگہ پہنچ گیا جہاں اس نے کہا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ ایک ٹوکری میں کھانا اور تھیلے میں پانی لیکر آ گیا۔ پھر اس نے ایک جگہ سے زمین کھودنی شروع کی۔ کچھ کھدائی کے بعد ایک دروازہ نمودار ہوا۔ میرا چچیرا بھائی اور وہ لڑکی اپنے سامان کے ساتھ چلے گئے اور فوراً دروازہ بند کر لیا اور مجھ سے کہدیا کہ مٹی ڈالکر اوپر سے برابر کردو۔ میں نے آوازیں بھی دیں لیکن انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اپنی قسم سے مجبور تھا۔ مٹی برابر کر کے واپس گھر گیا۔ لیکن طبیعت پریشان تھی۔ چچا شکار کھیلنے باہر گئے ہوئے تھے۔

میں نے ان کی واپسی کا بھی انتظار نہیں کیا۔ اور شکار گاہ ہی میں ان کو اطلاع کرا کے خود اپنے وطن کی طرف واپس چلا آیا۔ میں جب شہر کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور نمک حرام وزیر نے ملک و مال پر قبضہ کر لیا ہے۔ جیسے ہی میں شہر میں داخل ہوا۔ سپاہیوں نے مجھے گرفتار کر لیا اور نمک حرام وزیر کے پاس لیگئے۔ وزیر مجھ سے بہت ہی ناراض تھا کیونکہ ایک مرتبہ بچپن میں میرے ہاتھ سے اسکی آنکھ میں غلّہ لگ گیا تھا۔ جس سے اس کی ایک طرف کی آنکھ جاتی رہی تھی۔ اب اسکو انتقام کا موقع مل گیا مجھے دیکھتے غصّہ میں بھرا ہوا تھا اور میری آنکھ میں انگلی ڈالکر آنکھ باہر نکال لی۔ پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ اسکو لیجا کر قتل

تصویر غلہ سے وزیر کی آنکھ پھوٹ جانا
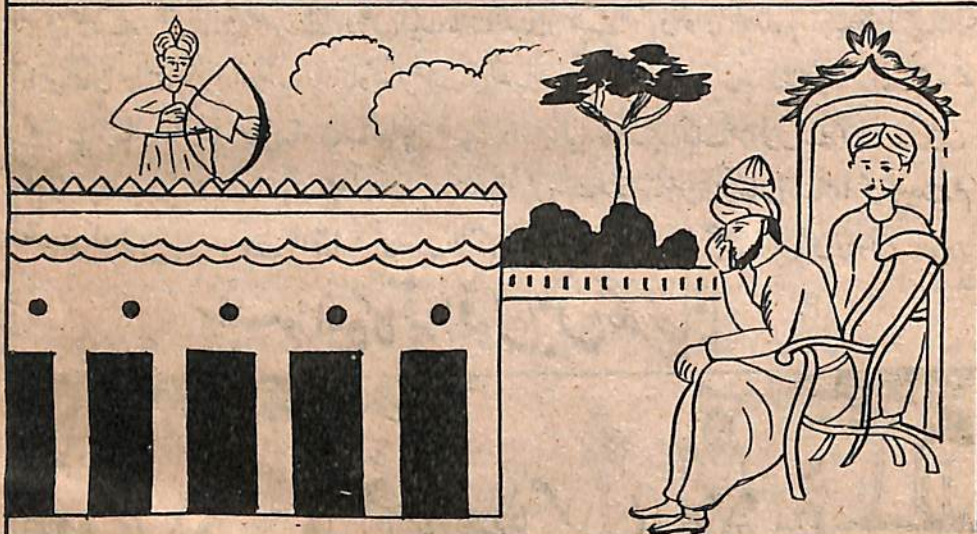
کردو۔ وہ شخص میرے باپ کا وفادار تھا۔ شہر سے باہر لاکر اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اور کہدیا کہ آپ ادھر نہ آئیے ورنہ میری اور آپ کی زندگی کی خیر نہیں۔ میں وہاں سے بھاگ کر چچا کے پاس آیا اور سب حال سنایا۔ میرے چچا اپنے لڑکے کی گمشدگی سے پہلے ہی مغموم تھے۔ میری مصیبت دیکھ کر اور پریشان ہوئے۔ اسوقت میں نے یہ مناسب سمجھا کہ انھیں اپنے چچازاد بھائی کا اصل قصہ بتادوں۔ تاکہ ان کو کچھ تسلی ہو۔ چنانچہ اس مجبوری پر میں

نے اپنی قسم چھوڑ دی۔ اور سب واقعہ چچا سے بیان کر دیا۔ چچا اسوقت میرے ساتھ باغ میں گئے اور زمین کھدوا کر اس تہ خانے میں داخل ہوئے۔ وہاں جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ میرا چچازاد بھائی اور وہ لڑکی ہم آغوش لیٹے ہیں قریب جا کر دیکھا۔ کہ دونوں مردہ تھے۔ میرے چچا نے غصہ کے عالم میں کہا کہ اچھا ہوا دونوں مر گئے۔ دنیا ہی میں انکو سزا مل گئی۔ اور قیامت کے روز بھی دوزخ میں جلائے جائیں گے۔ میں نے حیرت سے چچا کی طرف دیکھا کہ ان کو غم سے زیادہ غصہ ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ یہ بدنصیب جس لڑکی کے ساتھ پڑا ہے۔ یہ اس کی حقیقی بہن ہے۔ مجھ سے پوشیدہ اس نے یہ تہ خانہ تعمیر کرایا ہے اور پھر تمہیں دھوکہ دیکر اپنی بہن کے ساتھ یہاں آ گیا۔ اسکے بعد ہم وہاں سے واپس چلے آئے۔ ابھی چند روز بھی آرام سے نہ رہنے پائے تھے کہ وہ ہی نمک حرام وزیر فوج جمع کر کے میرے چچا کے ملک پر بھی چڑھ آیا۔ ہمارے پاس ساز و سامان بہت کم تھا۔ فوج بھی زیادہ نہیں تھی۔ اس لئے شکست کھائی۔ میرے چچا بھی لڑائی میں کام آ گئے۔ مجبوراً مجھے وہاں سے بھی نکلنا پڑا۔ اب دنیا میں میرا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ میں نے قلندرانہ وضع اختیار کر لی اور جگہ جگہ پھرنے لگا۔ چنانچہ آج ہی بغداد پہنچا تھا۔ اور ان دونوں قلندروں سے بھی آج ہی ملاقات ہوئی تھی۔ یہ قصہ سنکر زبیدہ نے انکو چھوڑ دیا۔ وہ قلندر بھی ایک سمت کھڑا ہو گیا تاکہ باقی لوگوں کی داستان سن سکے۔

دوسرے قلندر کی رُوداد

اب دوسرے قلندر نے اپنا قصہ اس طرح شروع کیا کہ میں ایک بادشاہ کا لڑکا ہوں میرے والد نے میری تعلیم کے لائق اتالیق مقرر کئے اور میں ایک مدت تک ہر قسم کے علوم و فنون سیکھتا رہا۔ قرب وجوار میں میری قابلیت کی شہرت ہو گئی۔ اور سب بادشاہ مجھ کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ایک بار ہندوستان کے ایک راجہ نے مجھے اپنے یہاں مدعو کیا۔ میں کچھ آدمی ساتھ لیکر سفر پر روانہ ہو گیا۔ راستہ میں ایک قزاقوں کے گروہ نے ہمیں گھیر لیا۔ دو بدو بڑی زوردار جنگ ہوئی۔ گو ہم بہت بہادری سے لڑے۔ لیکن آخر کہاں تک ہماری جمعیت کم تھی اور قزاقوں کا گروہ بہت بڑا تھا۔ میرے سب ملازم ایک ایک کر کے مارے گئے اور میں بھی زخموں سے چور

شہزادہ کا قزاقوں میں گھر جانا

ہو کر گر گیا۔ قزاقوں نے ہمارا کل مال و اسباب لوٹ لیا۔ اور مجھے مردہ سمجھکر چھوڑ گئے۔ جب مجھے ہوش آیا تو اپنے زخم باندھ کر بمشکل چلا راستہ میں کوئی آبادی نہ ملی۔ مجبوراً درختوں کے پتے یا جنگلی پھل کھا کر بسر کرتا۔ اسی طرح گرتا پڑتا کئی روز کے بعد ایک شہر میں پہنچا اور میں بازار سے گذر رہا تھا کہ ایک درزی نے میری خستہ حالت دیکھ کر مجھے اپنے پاس بلایا اور سب حال سنا۔ پھر کہنے لگا کہ تم میرے پاس رہو۔ لیکن کسی سے اپنی اصلیت ظاہر نہ کرنا کیونکہ یہاں کا بادشاہ تمہارے والد کا دشمن ہے کہیں تمہیں گرفتار نہ کر لیا جائے۔

میں درزی کے گھر رہنے لگا۔ جب زخم اچھے ہو گئے تو میں نے سوچا کہ خود محنت کر کے گذر کرنا چاہیئے۔ دوسرے پر اپنا بار ڈالنا مناسب نہیں۔ چنانچہ میں روزانہ جنگل میں جاتا اور لکڑیاں کاٹ لاتا اور ان کو بازار میں فروخت کر دیتا۔ ایک روز میں لکڑی کاٹ رہا تھا تو ایک درخت کے نیچے مجھے لوہے کا کنڈا نظر آیا۔ میں نے سمجھا کہ ممکن ہے کوئی دفینہ ہو۔ چنانچہ میں نے وہاں کی مٹی ہٹائی تو ایک دروازہ نظر آیا۔ میں بے جھجک اسکے اندر چلا گیا۔ رسی اور کلہاڑی میرے ہاتھ میں تھی۔ کچھ قدم آگے بڑھا تو ایک عالیشان محل نظر آیا اسکے دروازہ میں ایک بہت ہی حسین لڑکی کھڑی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر پوچھنے لگی کہ تو کون ہے اور یہاں کسطرح آیا۔ میں نے اسکو سب واقعہ بتایا۔ وہ کہنے لگی خدا کا شکر ہے آج مدت کے بعد انسان کی شکل دیکھی ہے۔ پھر اپنا حال سنانے لگی کہ ایک جن مجھے گھر سے اٹھا لایا تھا۔ اور یہاں رکھا ہوا ہے۔ نو روز تو وہ کہیں باہر رہتا ہے اور دسویں دن میرے پاس آتا ہے اور صرف ایکدن رہ کر واپس چلا جاتا ہے۔ تم میرے پاس رہو۔ میں تنہائی سے بہت پریشان ہوں۔ ہر دسویں روز تم باہر چلے جایا کرو اور نو روز میرے پاس آرام سے رہا کرنا۔ یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ اسکے بعد اس نے مجھے عمدہ لباس دیا۔ میں نے غسل وغیرہ سے فراغت کر کے کپڑے پہنے اور عمدہ عمدہ قسم کے پھل اور کھانے کھائے۔ غرض اسی طرح رہتے ہوئے مجھے چار روز گذر گئے۔ پانچویں روز اتفاقاً اس حسینہ کے سرہانے مجھے ایک آئینہ نظر پڑا۔ میں نے دریافت کیا۔ کہ یہ کیا ہے۔ وہ کہنے لگی یہ طلسم ہے۔ جب مجھے جن کو بلانا ہوتا ہے تو میں اس کو ہاتھ لگا دیتی ہوں اور جن آجاتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر اس آئینہ کو توڑ دیا جائے تو یقیناً وہ جن مر جائے گا۔ اسکو کوئی ایسا صدمہ ضرور پہنچے گا کہ وہ اس عورت پر قابو نہ رکھ سکے اور ہم دونوں یہاں سے آزاد ہو جائیں گے۔ میں نے موقع پا کر اس طلسم پر ایک زور کی لات ماری جس سے وہ ٹوٹ گیا۔ ایکدم تمام مکان میں زلزلہ آ گیا۔ وہ عورت گھبرائی اور کہنے لگی کہ تم نے بہت برا کیا ہے۔ اب فوراً یہاں سے نکل جاؤ جن آیا چاہتا ہے دونوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میں وہاں سے بھاگا لیکن جلدی میں اپنی رسی اور کلہاڑی وہیں بھول گیا اتنے میں جن آگیا اور اس عورت سے پوچھنے لگا کہ کیا معاملہ ہے وہ بولی کچھ نہیں نشہ کی حالت میں یہ طلسم میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اسوجہ سے ٹوٹ گیا۔ جن نے رسی اور کلہاڑی دیکھ کر غصہ میں بھر کر پوچھا کہ یہ کہاں سے آئی۔ وہ عورت کہنے لگی مجھے نہیں معلوم۔ جن نے کہا کہ تو جھوٹ بولتی ہے۔ یقیناً یہاں کوئی آدم زاد آیا ہے۔ وہ اس کو مارنے لگا۔ میں دروازے کے پاس چھپا ہوا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اب مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ میں نے اپنے کپڑے اتار کر وہیں ایک طرف ڈال دیئے اور بھاگ کر پھر درزی کے مکان میں چھپ

جن اور مظلوم عورت اور شہزادہ

گیا۔ مجھے آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ درزی اندر آیا اور کہنے لگا کہ تمہیں ایک بوڑھا بلاتا ہے۔ اور تمہاری اس کلہاڑی کو جو تم جنگل میں بھول آئے تھے لایا ہے۔ یہ سنکر میں ڈرا لیکن اتنی دیر میں وہ بوڑھا خود ہی اندر چلا آیا۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کیطرف اڑ گیا اور اسی مکان میں لایا جہاں میں اور وہ عورت چار دن تک رہے تھے۔ اس کے بعد اس عورت کیطرف مڑ کر کہنے لگا یہ ہی ہے وہ تیرا عاشق وہ بولی۔ کہ میں اسکو جانتی بھی نہیں کہ کون ہے۔ جن نے کہا کہ اگر تو سچی ہے۔ تو اسکو میرے سامنے اپنے ہاتھ سے قتل کر۔ عورت بولی کہ اول تو مجھ میں اٹھنے کی تاب ہی نہیں اور اگر اٹھوں بھی تو آخر ایک بیگناہ کو کیوں قتل کروں۔ تو پھر جن مجھ سے کہنے لگا کہ اچھا تم اسکو قتل کردو تاکہ مجھے یقین آئے کہ تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ آپ ہی غور کیجئے کہ ایک بیگناہ عورت کو قتل کر کے میں اپنی عاقبت کیوں خراب کروں۔ جن بہت غصہ کی حالت میں تھا اس نے تلوار اٹھا کر اس عورت کی گردن اڑا دی اور مجھ سے کہنے لگا کہ چونکہ تمہارا جرم مشتبہ ہے اسلئے قتل تو نہیں کرتا ہوں لیکن تمہیں بندر بنائے دیتا ہوں تاکہ آئندہ احتیاط کرو۔ میں بہت چیخا پیٹا لیکن اس نے ایک نہ سنی اور مجھے بندر بنا کر بھگا دیا۔

شہزادہ بندر کی شکل میں
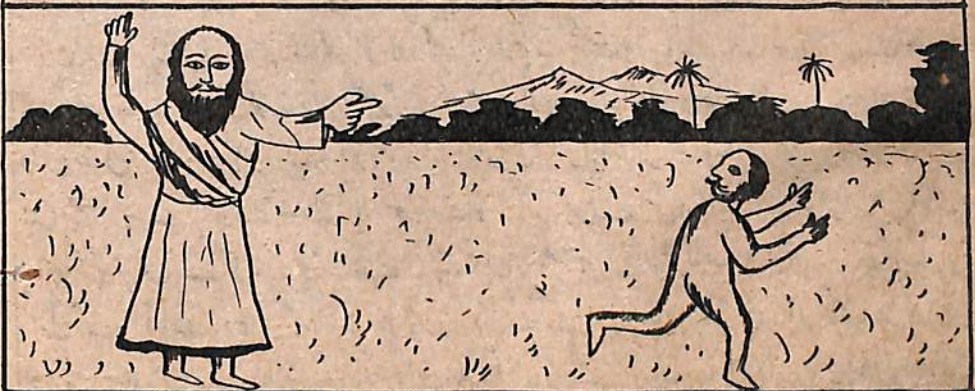
چنانچہ میں ایک مہینہ کامل ادھر ادھر پھرتا رہا۔ آخر ایک روز دریا کے کنارے پہونچ گیا جہاں سے جہاز کسی سمت سفر کرنے کیلئے تیار تھا۔ میں بھاگ کر جہاز پر سوار ہو گیا۔ اہل جہاز مجھے مارنے کے لئے دوڑے۔ میں پریشانی میں جگہ جگہ چھپتا پھرتا تھا۔ شور وغل سنکر کپتان آگیا میں اسکے قدموں میں لیٹ گیا۔ اسکو میری حالت پر رحم آیا۔ اور مجھ کو اپنے پاس رکھا۔ جہاز کچھ دن سفر کرتا رہا۔ اس عرصہ میں میں نے کسی کو پریشان نہیں کیا۔ بلکہ جہاز کے کپتان کی خدمت ہی کرتا رہتا تھا۔ آخر جہاز کسی شہر کے کنارے پر پہنچا اور وہیں لنگر ڈالدیا۔ ابھی لوگ جہاز سے اترے بھی نہیں تھے کہ کچھ آدمی وہاں کے بادشاہ کیطرف سے جہاز پر آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے ملک کا وزیر اعظم انتقال کر گیا ہے اور بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ اپنا وزیر اس شخص کو مقرر کرونگا جو پہلے وزیر اعظم جیسا خوشنویس ہوگا۔ اس لئے آپ میں اگر کوئی صاحب اچھا لکھنا جانتے ہوں تو ہمارے ساتھ چلیں اور بادشاہ سے ملیں۔ یہ کہکر ان لوگوں نے کچھ کاغذات اور قلم دوات نکالی۔ تاکہ اگر کوئی شخص چلنے کو تیار ہو۔ تو پہلے اسکا ابتدائی رسم الخط دیکھ لیا جائے میں یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ میں نے اُچک کر ان کے ہاتھ سے کاغذ لے لیا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا لوگ سمجھے کہ اب یہ کاغذ پھاڑ دے گا۔ اسلئے مجھے مارنے کو دوڑے لیکن کپتان جہاز جو میرے خصائل سے واقف ہو گیا تھا کہنے لگا کہ صبر کرو۔ اور دیکھو کہ یہ کیا کرتا ہے۔ میں نے قلم دوات لی اور بیٹھ کر اطمینان سے اس کاغذ پر چند شعر لکھے سب لوگ میری حرکتوں پر حیران تھے۔ میں نے وہ کاغذ بادشاہ کے کارندوں کو دیدیا۔ وہ میری خوشخطی دیکھکر انگشت بدنداں رہ گئے اور مجھے لیکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کل ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور مجھے اپنے پاس رکھ لیا۔ میں نے بادشاہ کی شان میں کچھ قصائد لکھے اور پیش کئے۔ دربار کے سب لوازم تعظیمات میں اسیطرح بجالاتا تھا جیسے درباری لوگ ادا کرتے ہیں۔ بادشاہ اور سب لوگ میری حرکتوں سے متعجب تھے۔ ایک روز بادشاہ مجھے اپنے زنانخانہ میں لیگئے۔ تاکہ خواتین کو بھی میرے کمالات دکھائیں جسوقت میں اندر گیا تو شاہزادی نے فوراً پردہ کر لیا اور باپ سے کہنے لگی آپ نامحرم کو کیوں گھر میں لائے ہیں۔ بادشاہ نے تعجب سے پوچھا کہ یہاں کون غیر ہے۔ شہزادی کہنے لگی کہ یہ جو بندر آپکے ساتھ آرہا ہے جانور نہیں بلکہ انسان ہے اور کسی نے سحر کر کے بندر کی شکل بنادی ہے۔ بادشاہ نے کہا کیا تم اسکو اصلی قالب میں لاسکتی ہو شہزادی کہنے لگی کہ جی ہاں بادشاہ بولا کہ تو پھر کوشش کرو۔ شاہزادی نے اسیوقت ایک حصار بنایا اور اس میں بیٹھ کر کچھ پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں ایک غبار سا چھا گیا اور اس کے بعد وہی جن سامنے آکھڑا ہوا جس نے مجھے بندر بنایا تھا۔ شاہزادی نے کہا کیوں او ملعون تو نے وہ قسم توڑ دی جو حضرت سلیمان علیہ السلام سے کھائی تھی۔ اور پھر شرارت شروع کردی۔ وہ جن کچھ نہ بولا اور شیر کی شکل بن کر شہزادی پر حملہ آور ہوا۔ شہزادی پہلے سے تیار تھی اس نے فوراً تلوار سے اس کی گردن الگ کردی۔ اس کے بعد وہ بچھو کی شکل میں سامنے آیا۔ شہزادی سانپ بن کر لڑنے لگی۔ بچھو عقاب کی صورت میں اڑا شہزادی عقاب سیاہ بنکر پیچھے چلی اور دونوں نظروں سے پوشیدہ ہوگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد زمین شق ہوئی اور اس میں دو بلیاں لڑتی ہوئی نکلیں یکایک ایک بلی بھیڑیا بنکر دوسری پر جھپٹی۔ وہ بلی ایک چھوٹا سا کیڑا بنکر قریب پڑے ہوئے انار میں گھس گئی اور وہ انار اوپر اٹھنا شروع ہوا۔ بھیڑیئے نے پنجہ مارا اور وہ انار زمین پر گر پڑا اور ٹوٹ

کر دانے بکھر گئے۔ بھیڑیا مرغ بن کر سب کو کھا گیا۔ صرف ایک دانہ دور حوض کے قریب رہ گیا تھا مرغ اُدھر جھپٹا

بادشاہ زادی اور جن کی مختلف شکلوں میں جنگ

لیکن کھسک کر حوض میں گر گیا اور مچھلی بن کر تیرنے لگا مرغ بھی ناکہ بن حوض میں کود پڑا پھر معلوم نہیں کیا ہوا صرف اتنا ہی نظر آتا تھا کہ تمام حوض کا پانی مطلاطم ہے۔ کچھ دیر میں طلاطم بند ہو گیا۔ اور سامنے سے دو شعلے بھڑکتے ہوئے نمودار ہوئے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ شہزادی اور جن شعلہ جوالا کی طرح ایک دوسرے کیساتھ مصروف پیکار ہیں۔ ہمارے قریب آکر آگ اتنی برسی کہ تمام مکان میں آگ لگ جانے کا اندیشہ ہو گیا لیکن شہزادی برابر شعلوں کو ٹھنڈا کر رہی تھی۔ پھر ایک چنگاری میری آنکھ میں گر گئی اور آنکھ خراب ہو گئی۔ بادشاہ اور دوسرے لوگوں پر بھی شعلے گرے ہم اس مصیبت سے پریشان تھے کہ شہزادی اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوئی اور کہنے لگی۔ کہ جن کو میں نے جلا دیا۔ جلد تھوڑا پانی لاؤ تاکہ اس بندر کو اس کی اصلی صورت میں لے آؤں۔ کیونکہ میرا بھی کام تمام ہو چکا ہے۔ اور چند منٹ کی مہمان ہوں۔ پانی حاضر کیا گیا۔ شہزادی نے اس پر کچھ دم کر کے میرے اوپر چھڑکا میں فوراً اپنی اصلی ہیبت میں آگیا۔ پھر شہزادی نے ایک چیخ ماری اور جلکر راکھ کا ڈھیر ہو گئی یہ حالت دیکھ کر مجھے بہت رنج ہوا کہ وہ غریب صرف میری وجہ سے اپنی نوجوان زندگی کو کھو بیٹھی۔ بادشاہ کو بھی بیحد صدمہ تھا۔ اور مجھ سے کہنے لگا کہ یہ مصیبت صرف تمہاری وجہ سے نازل ہوئی اسلئے بہتر یہ ہی ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ میں جب بھی تمہیں دیکھوں گا نوجوان بیٹی کا غم تازہ ہو جائیگا۔ اسوقت میں روتا ہوا وہاں سے چلدیا اور قلندر بنکر آج ہی بغداد آیا ہوں۔

زبیدہ نے اس قصہ کو سنکر کہا۔ کہ تمہارا قصور بھی معاف کرتی ہوں اور تمہیں اجازت ہے کہ چلے جاؤ۔ لیکن اس نے بھی باقی لوگوں کا حال سننے کی اجازت چاہی اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

اب تیسرا قلندر اُٹھا۔ اور اپنی داستان شروع کی۔

تیسرے قلندر کی کہانی

میں بھی ایک بادشاہ کا لڑکا ہوں مجھے سیر و سیاحت اور سمندر کے سفر کا بہت شوق تھا۔ اور میں اکثر تفریح کے لئے جہاز پر سفر کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اسی طرح میں جہاز میں بیٹھ کر ایک جزیرہ دیکھنے کو جا رہا تھا کہ راستے میں ہمیں طوفان نے گھیر لیا۔ اور جہاز کپتان کے قابو سے باہر ہو گیا۔ اب ہم موجوں کے رحم و کرم پر تھے کہ جہاں چاہیں لیجائیں۔ دس بارہ روز سمندر میں پھرتے رہے۔ لیکن کہیں کنارہ نظر نہ آیا۔ کپتان ستون پر چڑھ گیا اور کہنے لگا کہ اب جان بری کی کوئی امید نہیں ہے۔ میں نے پوچھا کیوں کیا ہوا۔ کپتان بولا کہ ہم آوارہ ہو کر مقناطیس کے پہاڑ کے قریب آگئے ہیں اور اب کوئی دم میں جہاز اس سے جا ٹکرائے گا۔ جتنا لوہا جہاز میں استعمال ہو رہا ہے سب کھینچ کر پہاڑ سے چمٹ جائیگا۔ اور تختے الگ ہو جائیں گے۔ یہ سُن کر سب زار و قطار رونے لگے۔ اتنے میں جہاز پہاڑ سے اور بھی قریب ہو گیا۔ پھر دفعۃً تیزی سے چلا اور پہاڑ سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی بچا یا سب غرق ہو گئے۔ میں ایک ٹوٹے ہوئے تختے کے سہارے بہتا رہا یہاں تک کہ ایک دوسرے پہاڑ کے کنارے پر جا لگا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور تختہ چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اوپر جا کر دیکھا کہ ایک پیتل کا بہت بڑا گنبد ہے۔ اور

پہاڑ پر پیتل کا گنبد

اس کی چوٹی پر ایک پیتل کا ہی بنا ہوا سوار ہے۔ میں دیر تک متعجب نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ اسی اثنا میں رات ہو گئی۔ میں ایک محفوظ جگہ دیکھ کر وہیں سو گیا۔ رات کو خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا۔ وہ مجھسے فرماتے ہیں کہ صبح اٹھ کر اسی جگہ کو کھودو جہاں تم سو رہے ہو۔ اندر سے تمہیں ایک پیتل کی کمان اور سیسہ کا تیر ملیگا اس کو لیکر ایک تیر گنبد والے سوار کے مارو وہ گر جائے گا۔ اور گھوڑا تمہارے پاس آجائے گا۔ پھر کمان اسی

جگہ دفن کردینا اس عرصہ میں سمندر کے اندر طوفان اٹھے گا۔ تم گھوڑے پر بیٹھ کر نیچے چلے جانا اور سمندر میں ایک کشتی تلاش کرنا۔ وہ تمہیں ضرور ملیگی۔ تم اس میں سوار ہو جانا لیکن یہ خیال رہے کہ اس میں بیٹھنے کے بعد خدا کا نام نہ لینا ورنہ کشتی ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ یہ سب سحر اور سفلی کارخانہ ہے۔ صبح کو میری آنکھ کھلی تو میں نے بزرگ کی حسب ہدایت کام شروع کردیا۔ اور سب کچھ اسی طرح پیش آیا جیسے خواب میں بتایا گیا تھا چنانچہ میں گھوڑے کی مدد سے کشتی میں سوار ہو گیا وہ کشتی ایک پیتل کا ملاح چلا رہا تھا۔

جادو کی کشتی اور شہزادہ
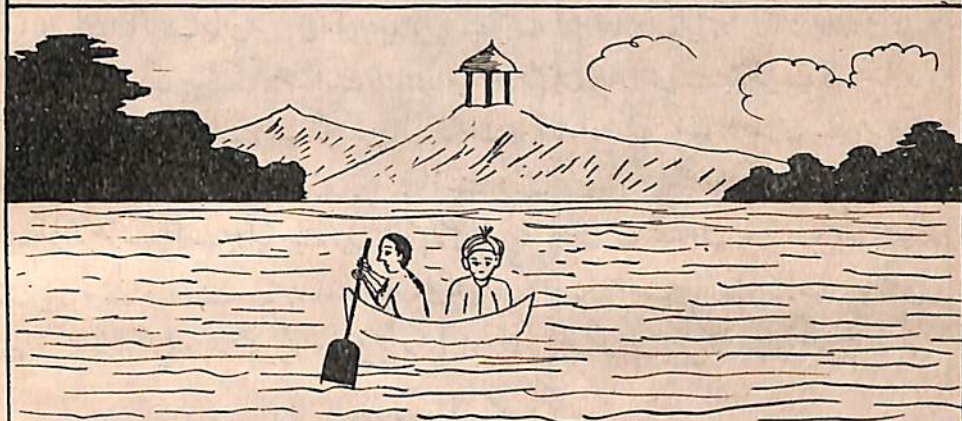
چنانچہ کشتی آٹھ دس روز تک برابر چلتی رہی اسکے بعد کنارہ نظر آنے لگا۔ خشکی کو دیکھ کر مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میں پیر مرد کی بتائی ہوئی احتیاط بھول گیا اور بے اختیار میرے منہ سے خدا کا شکر نکل گیا۔ ادھر خدا کا نام میری زبان پر آیا۔ ادھر کشتی ریزہ ریزہ ہو گئی اور میں پھر پانی میں تھپیڑے کھانے لگا۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کتنی دیر موجوں میں ڈوبتا ابھرتا رہا۔ جب میرے ہوش وحواس درست ہوئے تو میں پایاب پانی میں تھا۔ اُٹھ کر کنارے پر آیا اور خداوند کریم کا شکر ادا کیا۔ اِدھر اُدھر گھوم پھر کر کچھ جنگلی پھل کھائے۔ پھر دُور تک آبادی کی تلاش میں پھرا۔ لیکن کہیں انسان کا نام تک نظر نہ آیا۔ میں پھر کنارے کی طرف واپس آیا تو سامنے سے ایک جہاز آتا ہوا نظر پڑا۔ میں بہت خوش ہوا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ معلوم نہیں آنے والے دوست ہیں یا دشمن احتیاط کرنی چاہیئے۔ میں ایک درخت پر چڑھ گیا اتنے میں جہاز قریب آگیا اس میں سے کچھ آدمی اتر کر خشکی پر آئے اور ایک جگہ سے مٹی ہٹائی وہاں ایک تہ خانہ تھا اس کو کھولا اور اس میں بیشمار چیزیں کھانے پینے کی رکھیں اسکے بعد ایک نہایت خوبصورت پندرہ سولہ سال کے لڑکے کو اسکے اندر لے گئے۔ تھوڑی دیر میں سب واپس آگئے لیکن لڑکا نہیں لوٹا۔ مجھے تعجب ہوا کہ اس کارروائی کا کیا مطلب ہے۔ ان لوگوں نے پھر تہ خانہ بند کردیا اور جہاز کی طرف چلے۔ میں نے سوچا کہ مجھے اس غریب لڑکے کی امداد کرنی چاہیئے۔ خدا جانے کیوں یہ لوگ اسکو زندہ درگور کر گئے ہیں۔ چنانچہ جب وہ سب جہاز پر سوار ہو کر چلے گئے تو میں درخت

سے اترا۔ اور تہ خانہ کھول کر اندر چلا گیا۔ تو دیکھا بڑی پر تکلف جگہ ہے۔ اور ایک مسند پر وہی لڑکا بیٹھا ہے۔ میں نے اسکو سلام کیا۔ وہ مجھے دیکھ کر ڈر گیا۔ میں نے اسکو تسلی دی اور بتایا کہ میں بھی ایک مصیبت زدہ انسان ہوں میرا جہاز تباہ ہو گیا تھا۔ میں ایک تختہ کے سہارے بہتا بہتا یہاں آلگا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں کسطرح آئے۔ لڑکے نے کہا کہ میری پیدائش کیوقت نجومیوں نے کہا تھا کہ اس لڑکے کو چودھویں سال خطرہ ہے اور شاید ابن کسب بادشاہ کے ہاتھ سے مارا جایئگا۔ اسلئے میرے والد نے اس غیر آباد علاقہ میں ایک تہ خانہ بنوایا اور وہ مجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ چالیس روز گذرنے کے بعد پھر کوئی اندیشہ نہیں۔ چنانچہ میرے والد آج سے چالیسویں روز آکر مجھے واپس لیجائیں گے۔ میں اس کے منہ سے اپنا نام سنکر حیران رہ گیا کہ الٰہی ایسی کیا مصیبت پڑے گی کہ میں اس لڑکے کو قتل کروں گا۔ خیر میں نے اسکو اپنا اصلی نام نہیں بتایا اور اس کو خوب تشفی دی۔ اور دل میں عہد کیا کہ اسکی اچھی طرح حفاظت کرونگا۔ چنانچہ چالیس روز گذر گئے اور ہم بڑی محبت سے رہتے تھے۔ ٹھیک چالیس روز جب اسکے والد آنے والے تھے۔ میں نے اس کو غسل کرایا۔ لباس تبدیل کرایا۔ اور کھانے کے لئے کچھ پھل رکھے۔ سرہانے کیطرف الماری میں چاقو پڑا تھا۔ میں نے بڑھ کر اس کو اٹھایا اور جب بیٹھنے لگا تو میرا پیر پھسل گیا۔ میں لڑکے کے اوپر گرا اور چاقو لڑکے کے سینے میں اتر گیا۔ لڑکا وہیں ختم ہو گیا۔

تہ خانے میں لڑکے کی موت
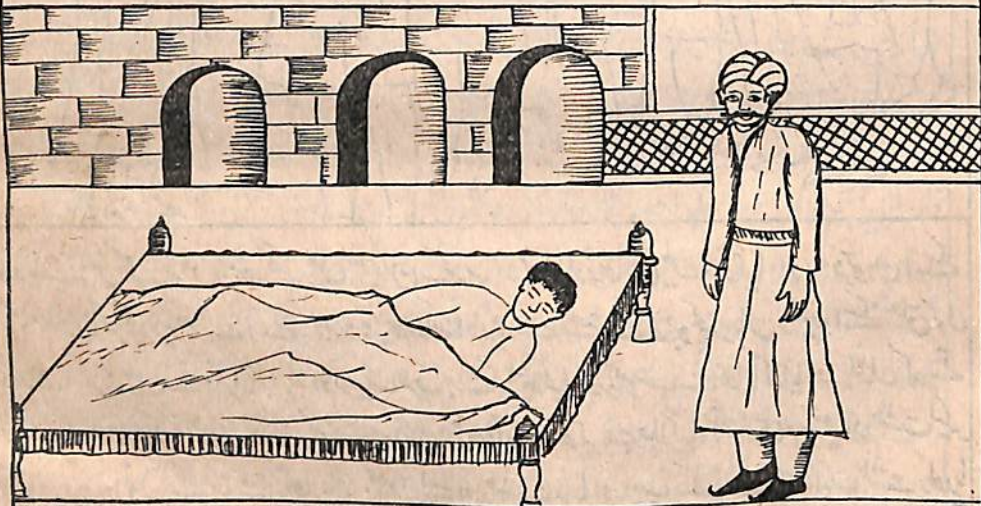
اس واقعہ سے مجھے اتنا رنج ہوا کہ میں رو پڑا۔ لیکن کیا کر سکتا تھا۔ تقدیر الٰہی تھی جو پوری ہو کر رہی۔ میں تہ خانہ سے نکلا اور آنیوالے لوگوں کے خوف سے درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر میں وہ لوگ تہ خانہ کھلا دیکھ کر گھبرائے ہوئے اندر آگئے۔ پھر تھوڑی دیر میں لڑکے کی لاش لئے ہوئے روتے پیٹتے باہر آئے اور لڑکے کی لاش کو اپنے ساتھ لیکر جہاز پر سوار ہو گئے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد میں نیچے اترا۔ رات اسی تہ خانہ میں بسر

کی۔ صبح کو خدا کے بھروسے پر ایک سمت روانہ ہوگیا۔ ایک مہینہ مسلسل اس لق و دق جنگل میں چلتا رہا لیکن مجھے کہیں آبادی نہیں ملی۔ میں بہت پریشان تھا۔ لیکن کیا کرتا۔ برابر آگے بڑھتا رہا۔ ایک روز دور سے مجھے ایک قلعہ نظر آیا۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب قریب پہنچا تو اسی وقت قلعہ کا دروازہ کھلا اور اس میں سے دس جوان اور ایک بوڑھا شخص نکلے۔ لیکن سب یک چشم تھے۔

جب وہ سب قریب آئے میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا پھر میرا حال پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو۔ میں نے اپنی کل داستان مصیبت سنائی۔ کچھ دیر وہ اِدھر اُدھر گھومتے رہے اسکے بعد قلعہ کیطرف چلے۔ اور مجھے بھی اپنے ساتھ لیگئے۔ اندر سے قلعہ کافی وسیع اور خوب آراستہ تھا۔ ایک طرف بڑا ہال کمرہ تھا

تصویر ایک پیر مرد اور دس کانے

وہ سب اس کمرے میں بیٹھ گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ بوڑھا بیچ میں بیٹھ گیا۔ اور وہ جوان اسکے گرد حلقہ بنا کر کچھ دیر کھڑے رہے۔ پھر وہ بیٹھ گئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ جو کچھ یہاں دیکھو اسکے متعلق کوئی سوال نہ کرنا۔ میں نے اقرار کرلیا۔ اور ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گیا۔ پھر ہم سب نے کھانا کھایا اور باتیں کرتے رہے۔ یہانتک کہ آدھی رات گذر گئی۔ اسوقت بوڑھا آدمی اٹھ کر باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں دو طشت لیکر آیا اور دو جوانوں کے سامنے رکھدیئے۔ پھر ایسے اور طشت لایا اور سب کے آگے ایک ایک طشت رکھدیا ان جوانوں نے سرپوش اٹھائے تو میں نے دیکھا کہ ان میں سیاہی ہے۔ ہر جوان نے اس میں سے کچھ سیاہی لی اور اپنے چہرے پر مل لی۔ جب سب سیاہی مل چکے۔ تو ماتم شروع کردیا۔ کچھ دیر تک ماتم کرتے رہے۔ پھر ایک شخص پانی لایا اور سب نے منہ ہاتھ دھوئے اور اپنے اپنے سونے کے کمرے میں چلے گئے۔ مجھے بھی ایک کمرہ سونے کیلئے دیدیا گیا۔ لیکن میں اس واقعہ کو دیکھ کر چونکہ بہت پریشان اور حیران تھا اسلئے مجھے

رات بھر نیند نہیں آئی - اگلا تمام دن بھی اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہا کہ آخر اس کارروائی کا کیا مطلب ہے - رات کو ان لوگوں نے پھر وہی حرکتیں کیں - میرا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا اور میں نے ان سے سوال کر ہی دیا کہ آپ لوگوں کے ایسا کرنے کا کیا سبب ہے - ان میں سے ایک جوان بولا کہ ہم تمہاری ہی بہتری کے لئے اصل حالات ظاہر نہیں کرتے - اگر تم سنو گے تو اپنی داہنی آنکھ سے ہاتھ دھونے پڑیں گے - میں نے کہا خواہ کچھ ہو لیکن میں صحیح حالات معلوم کر کے رہوں گا - وہ کہنے لگا اچھا صبح کو ہم انتظام کر دیں گے - تم خود اپنی آنکھ سے دیکھ لینا - یہ کہنے کی بات نہیں - صبح کو ان لوگوں نے پھر مجھے سمجھایا کہ اس چکر میں نہ پڑو لیکن میں نہ مانا - مجبوراً اُن میں سے ایک شخص ایک بھیڑ لایا - پھر اس کو ذبح کر کے اسکا گوشت الگ کر دیا اور کھال مجھے دیدی کہ تم اس میں لپٹ جاؤ - ہم اسکو اوپر سے سی دیں گے اور باہر رکھدیں گے - تھوڑی دیر میں ادھر سے رُخ جانور آئیگا اور تمہیں اپنا شکار سمجھ کر اٹھائے گا اور اڑ جائیگا - پھر ایک پہاڑ پر اترے گا اسوقت اس سے پہلے کہ وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچائے - اس چھری سے جو ہم تمہیں دیں گے کھال کاٹ کر باہر نکل آنا اور شور مچانا رُخ ڈر کر اڑ جائیگا - اور تھوڑی دور آگے جانا وہاں قلعہ نظر آئیگا اسکے اندر چلے جانا - پھر ہمارا راز تمہیں معلوم ہو جائیگا - میں اس کے لئے تیار ہو گیا - چنانچہ ان لوگوں نے مجھے چھری دیکر کھال میں سی دیا اور قلعہ کے باہر میدان میں ڈالدیا - تھوڑی دیر بعد رُخ آیا اور مجھے اٹھا کر لے چلا - خدا جانے وہ کتنی دور اُڑا - بہرحال جب وہ ایک جگہ اترا تو میں فوراً کھال کو چیر کر باہر آگیا اور شور مچانے لگا - رُخ ڈر کر اڑ گیا - وہاں سے میں سامنے کے رخ پر چلا تو سامنے قلعہ نظر آیا - میں بے تکلف قلعہ کے اندر چلا گیا - قلعہ اندر سے اتنا حسین اور عمدہ تھا کہ میں نے اجتک ولیسی عمارت نہیں دیکھی - سجاوٹ کا یہ عالم تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا گویا ہفت اقلیم کا زر و جواہر اس کی صناعی میں صرف کیا گیا ہے - میں نے چاروں طرف دیکھا لیکن مجھے کوئی متنفس نظر نہیں آیا - تھوڑی دور اور آگے بڑھا تو ایک شاندار بارہ دری نظر آئی اسمیں چالیس عورتیں بیٹھی ہیں جنکا نظیر شاید چشم عالم نے نہ دیکھا ہو - مجھے دیکھ کر وہ کھڑی ہوگئیں اور بہت اعزاز و اکرام سے مجھے لیجا کر بٹھایا اور خود میرے سامنے دست لبستہ کھڑی رہیں - میں یہ عالم دیکھ کر حیران ہو رہا تھا - اسکے بعد وہ سب میرے قریب آکر بیٹھ گئیں - اور میرے حالات دریافت کرتی رہیں - باتوں باتوں میں رات ہوگئی - رات کو دسترخوان بچھا - انواع اقسام کی نعمتیں موجود تھیں - میں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا - پھر ناچ گانا ہوتا رہا - آدھی رات کے قریب وہ کہنے لگیں کہ اب آپ آرام کیجئے اور ہم میں سے جس کو پسند کیجئے وہ آپ کے ساتھ چلے میں سوچنے لگا کہ کس کو منتخب کروں - ایک سے ایک حسین عورت تھی - مجھے خاموش دیکھ کر ان میں سے ایک آگے بڑھی - اور کہنے لگی کہ ہم میں آپس میں حسد نہیں ہے کسی کو اپنے پاس سلائیے - کیونکہ کل دوسری کی باری ہوگی - میں نے اسی کا ہاتھ پکڑ لیا - وہ میرے ساتھ روانہ ہوگئی اور باقی دوسرے کمروں میں چلی گئیں

جب صبح کو میں بیدار ہوا تو وہ سب عورتیں میرے پاس سلام کرنے آئیں - میں ان معاملات کو دیکھ کر بڑا حیران تھا کہ آخر کیا اسرار ہے - بہرحال دوسرا دن عیش و راحت میں بسر ہوا - شب کو حسب معمول ایک

دوسری عورت میرے پاس شب باش ہوئی۔ یونہی زندگی گذرتی رہی۔ میں دنیا و مافیہا کو بالکل بھول گیا یہاں

ابن کسب اور چالیس مہ جبین عورتیں
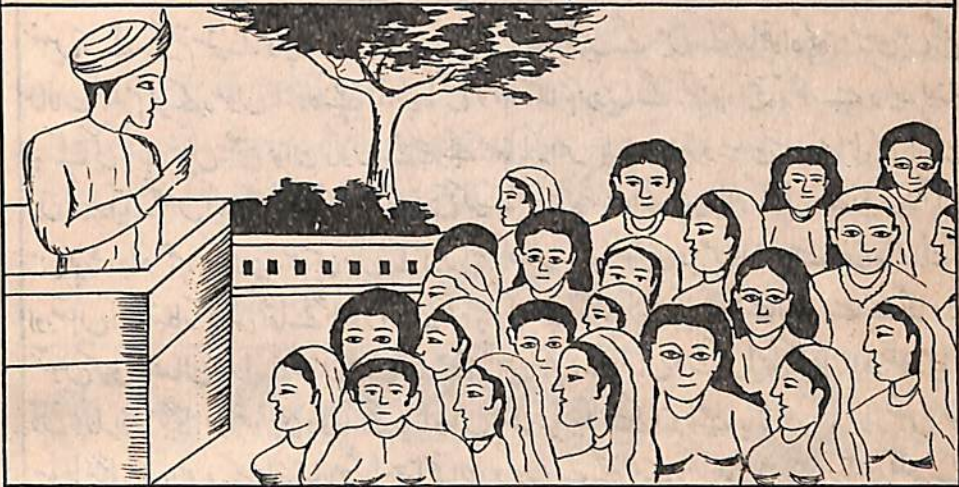
تک کہ ایک سال گذر گیا۔ دوسرے سال کا پہلا دن تھا۔ میں صبح کو بیدار ہوا تو باہر سے شور اور رونے کی آوازیں آتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ میں باہر آیا تو وہ سب عورتیں رو رہی تھیں۔ میں نے سبب دریافت کیا تو کہنے لگیں کہ اب ہم آپ سے رخصت ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیوں۔ وہ بولیں کہ ہم سب مختلف ملکوں کی شاہزادیاں ہیں تفریح طبع کے لئے ایک سال اس مکان میں ہمارا قیام رہتا ہے اور دوسرے سال کے پہلے دن ہم یہاں سے چالیس روز کے لئے باہر جاتے ہیں اور اسکے بعد پھر ایک سال کے قیام کیلئے لوٹ آتے ہیں۔ اب تک یہاں بہت سے لوگ آئے اور سال بھر رہے لیکن ہمارے جانے کے بعد ہماری ہدایت کے خلاف کیا۔ اور نقصان اٹھایا۔ خدا جانے وہ زندہ ہیں یا مر گئے ہیں۔ ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ اب ہم سے آپ یہاں کی کنجیاں لیجئے۔ اور آرام اور بے فکری کے ساتھ رہیئے۔ سارے قلعہ میں گھومیئے پھریئے۔ لیکن اس کمرے کو نہ کھولئے۔ ورنہ نتیجہ کے آپ ذمہ وار ہونگے۔ یہ کہکر کنجیاں میرے سپرد کر دیں اور خود چلی گئیں۔ انتالیس دن تک میں نے ان کی ہدایت پر عمل کیا لیکن ہونیوالی بات ہو کر رہتی ہے۔ چالیسویں روز مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے وہ کمرہ کھولا جسکی ممانعت تھی۔ دروازہ کھلتے ہی خوشبو کی لپٹوں سے دماغ معطر ہو گیا۔ اندر جا کر دیکھا۔ بہترین زر و جواہر سے کمرہ بھرا پڑا تھا اور ہر چیز ایسی نادر و نایاب ہے کہ بہت کم کسی کی نظر سے گذری ہوگی۔ سامنے ایک مشکی گھوڑا کھڑا تھا۔ بڑے سبک ہاتھ پیر زین و ساز سے مکمل۔ میں نے گھوڑے کو نکالا اور یہ ارادہ کیا کہ کچھ دیر اس کی سواری لینی چاہیئے۔ گھوڑا بڑا اصیل معلوم ہوتا تھا۔ میں گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ لیکن یہ سواری بھی عجیب قسم کی تھی۔ گھوڑا مجھے لیکر آسمان پر اڑنے لگا۔ تموج ہوا سے میں بیہوش ہو گیا۔ تھوڑی یا بہت دیر میں جسکا مجھے کوئی اندازہ نہیں گھوڑا ایک میدان میں اترا اور مجھے

اپنی پیٹھ سے گرادیا اسکے بعد اپنی دُم ماری جس سے میری ایک آنکھ ضائع ہوگئی اور گھوڑا پھر نظروں سے اوجھل ہوگیا میں وہاں سے اٹھ کر آگے بڑھا تو دیکھا سامنے کچھ آدمی ننگے بیٹھے ہیں۔ میں ان کے قریب گیا کہ راہ کا حال معلوم کروں۔ لیکن ان لوگوں نے مجھے جھڑک دیا۔ اور کوئی گفتگو نہیں کی۔ میں وہاں سے آگے بڑھ گیا اور قلندرانہ وضع اختیار کرلی۔ پھرتا پھراتا ادھر آنکلا۔ یہاں ان دونوں قلندروں سے ملاقات ہوگئی۔

زبیدہ نے یہ قصّہ سنکر اسکو بھی جانے کی اجازت دیدی پھر خلیفہ ہارون وجعفر و مسرور کیطرف متوجہ ہوکر بولی۔ کہ تم بھی اپنا قصّہ بیان کرو۔ جعفر نے کہا کہ ہمارے حالات صرف وہی ہیں جو ہم نے مکان میں داخلے سے قبل بیان کئے تھے۔ زبیدہ نے زنگی غلاموں کو حکم دیا کہ ان سب کو باہر نکال دو۔ چنانچہ یہ سب لوگ باہر آگئے خلیفہ کے اشارہ پر جعفر ان قلندروں کو اپنے ساتھ لے گیا۔

صبح کو جب خلیفہ ہارون الرشید کا دربار آراستہ ہوا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ فلاں محلہ سے زبیدہ۔ صافی اور امینہ مع اپنی کتیوں کے لائی جائیں۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ زبیدہ کی نظر جب خلیفہ اور جعفر پر پڑی تو اُن کو پہچان کر کانپ گئی کہ یہ وہ رات والے موصلی سوداگر ہیں۔ دیکھئے شب والی گستاخی کا کیا انجام ہو۔ خلیفہ ہارون الرشید نے زبیدہ کو اپنے حالات بیان کرنے کا حکم دیا۔ زبیدہ لرزاں وترساں آگے بڑھی اور اسطرح اپنے حالات زندگی بیان کرنے شروع کئے۔

زبیدہ کی داستانِ زندگی

امیرالمومنین یہ دونوں کتیاں میری حقیقی بہنیں ہیں۔ ان میں سب بڑی بہن میں ہوں۔ صافی امینہ میری سوتیلی بہنیں ہیں۔ والد کے انتقال کے بعد ورثہ میں ہمیں بہت اچھی جائداد ملی تھی۔ میری حقیقی بہنوں نے اپنی منشا کے مطابق اپنے نکاح کرلئے اور شوہروں کیساتھ چلی گئیں لیکن انکا انتخاب غلط تھا۔ تھوڑی مدت میں ان کا روپیہ ختم ہوگیا اور ان کے خاوندوں نے ان کو گھر سے نکال دیا۔

زبیدہ کی پریشان حال بہنوں کی واپسی
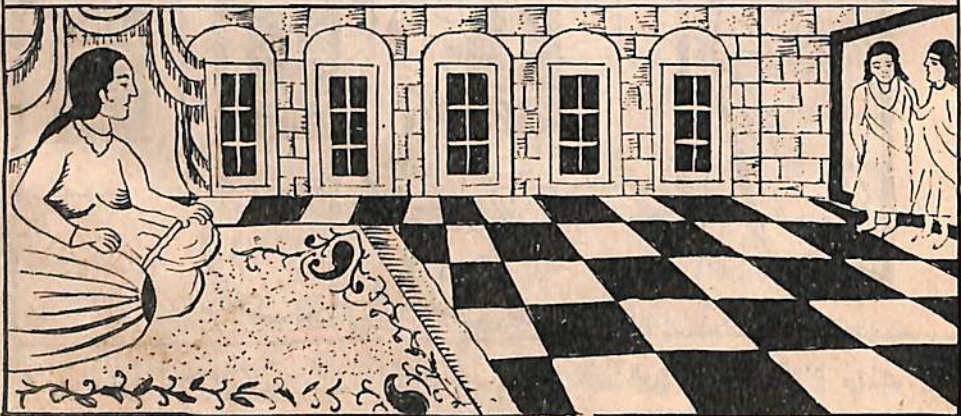
بحال تباہ میرے پاس آئیں۔ میں نے ان کو سر آنکھوں پر لیا۔ اور جو کچھ دلجوئی کر سکتی تھی وہ کی۔ ابھی ایک سال بھی پورا نہیں گذرا تھا کہ ان دونوں نے پھر شادی کا اظہار کیا میں نے کہا کہ پہلے نکاح کے بعد تمہیں کیا فلاح ہوئی ہے کہ اب پھر تم ایسا ارادہ کر رہی ہو۔ چندے ٹھہرو۔ کوئی مناسب موقع دیکھ کر میں تمہاری شادیوں کا انتظام کرونگی لیکن میری دونوں بہنیں مصر رہیں اور حسب مرضی دوبارہ عقد کر لئے۔ لیکن کچھ ہی دن بعد پھر پریشان حال واپس آئیں۔ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ اسوقت انکو تنبیہ کروں اپنے یہاں بہت محبت سے رکھا۔

چند ماہ گذرے تھے کہ ہمیں تجارت کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ ہم مناسب مال خرید کر بصرے کی طرف روانہ ہوئیں۔ قضائے قدر سے ہمارا جہاز راستہ بھول گیا اور ہم بظاہر ایک غیر آباد جزیرے کے پاس پہنچے۔ کپتان نیچے اترا۔ اور جزیرے کے حالات معلوم کرنے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا اور کہنے لگا کہ یہاں آکر خدا کی قدرت دیکھو کیا عجائبات ہیں۔ ہم سب اتر کر گھومنے نکل گئے۔ میری بہنیں ایک سمت چلی گئیں میں دوسری سمت چلی معلوم ہوتا تھا کہ ایک پورا شہر آباد ہے۔ مکان نفیس اور عالیشان بازار سجے ہوئے باغات اور نہریں موجود۔ انسان ہر طرف پھیلے ہوئے کوئی دکان پر کوئی مکان میں۔ غرضیکہ ہزاروں آدمی سڑکوں پر لیکن سب پتھر کے بنے ہوئے کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا۔ میں سخت تعجب کے عالم میں دیکھتی بھالتی آگے بڑھتی گئی۔ تھوڑی دور اور بڑھی تو ایک مکان سے انسانی آواز آئی میں نے جھانکا تو معلوم ہوا۔ ایک بہت خوبصورت نوجوان بیٹھا ہوا قرآن مجید پڑھ رہا ہے۔ میں نے اندر جا کر اسکو سلام کیا۔ لیکن جسوقت میری نظر اس پر پڑی تھی دل کا عجیب حال تھا گو عرض حال کرتے ہوئے حجاب محسوس ہوتا ہے۔ لیکن حضور کے سامنے چونکہ سب واقعات پیش کرنے ہیں اسلئے مجبوراً کہتی ہوں۔ کہ اس نوجوان کو دیکھ کر میں اس سے محبت کرنے لگی تھی جب سلام کر کے اسکے

زبیدہ کا نوجوان کو قرآن شریف پڑھتے دیکھنا
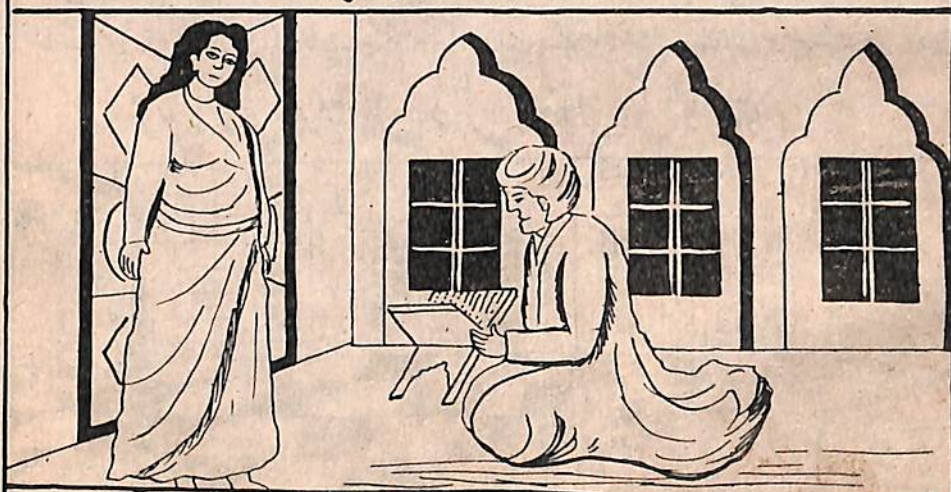
قریب گئی تو وہ بھی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ خدا کا شکر ہے آج مدت کے بعد ہمجنسوں کی شکل نظر آئی ہے۔ میں

نے حال دریافت کیا تو وہ آہ سرد بھر کر بولا کہ اس ملک کا بادشاہ میرا باپ تھا اور یہاں کے لوگ آتش پرست تھے
مجھے حسین دایہ نے پرورش کیا وہ مسلمان تھی اور کبھی کبھی مجھے بھی اسلام کے فضائل بتایا کرتی تھی۔ جب میں
سن شعور کو پہنچا تو پوشیدہ طور پر مسلمان ہو گیا۔ کچھ زمانہ گذرا کہ ایک روز غیب سے آواز آئی جسے سارے شہر
نے سنا کہ تم لوگ خدا پر ایمان لے آؤ۔ مسلمان ہو جاؤ۔ ورنہ عذاب آنیوالا ہے۔ اہل شہر نے سنا لیکن کوئی پرواہ
نہ کی۔ آخر عذاب آیا اور سب پتھر کے بن گئے۔ صرف میں تنہا باقی بچا ہوں۔ امیرالمومنین یہ حال سنکر میں ڈری
اور اس سے کہنے لگی کہ کنارے پر ہمارا جہاز کھڑا ہے اگر آپ بھی یہاں سے چلنا چاہیں تو ہمارے ساتھ چلیں
وہ تیار ہو گیا۔ پھر ہم جہاز پر آئے اور کل سامان جو اس میں بار تھا اتار کے ڈال دیا اور یہاں سے زر و جواہر
بھر لیا۔ وہ نوجوان شہزادہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگا تھا۔ چنانچہ جہاز پر ہی ہمارا عقد ہو گیا اور ہم ہنسی خوشی
بغداد کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک روز شب کو جب کہ موسم بہت سہانا تھا میں اور میرا شوہر جہاز کے عرشہ پر
سو رہے تھے ان دونوں بہنوں نے ہمیں سمندر میں پھینک دیا۔ میرا شوہر تو اسی وقت غرق ہو گیا لیکن
میں ایک تختے کے سہارے صبح تک تیرتی رہی۔ آخر موجوں نے مجھے کسی جزیرے کے کنارے پر لاکر ڈال دیا
میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور تیر کر خشکی پر آئی کچھ جنگلی پھل کھا کر ایک درخت کے نیچے دم لینے کو بیٹھ گئی۔ میں شاید
سو جاتی کہ ایک تیز سرسراہٹ کی آواز سن کر چونک پڑی۔ سامنے دیکھا کہ ایک سانپ منہ کھولے بڑی تیزی
سے بھاگا ہوا آرہا ہے اور اسکے پیچھے ایک اژدہا ہے میں گھبرا کر اٹھی اور ایک بڑا سا پتھر اٹھایا جوں ہی
وہ میرے قریب سے گذرے ان پر دے مارا پتھر اژدہا کے لگا اور اسکا سر کچل گیا۔ سانپ نے میری طرف
دیکھا اور پھر ایکدم اڑ گیا۔ میں یہ ماجرا دیکھ کر بہت پریشان ہوئی۔ لیکن کیا کر سکتی تھی۔ میری تو وہ مثل ہو رہی
تھی کہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ مجبوراً ایک صاف سا پتھر دیکھ کر اس پر لیٹ گئی۔ اس پریشانی میں
بھی خدا جانے کس طرح میری آنکھ لگ گئی۔ جب میں بیدار ہوئی تو دیکھا کہ ایک خوبصورت عورت دو کتیوں
کو لئے ہوئے بیٹھی ہے۔ میں اسکو دیکھ کر ڈری لیکن وہ قریب آکر کہنے لگی کہ تم پریشان نہ ہو۔ میں دوست ہوں
دشمن نہیں۔ حقیقتاً میں انسان نہیں ہوں بلکہ پری ہوں ابھی کچھ دیر ہوئی کہ تم نے میری جان بچائی تھی۔ میں
نے پوچھا کہ میں نے تمہاری جان کب اور کس طرح بچائی ہے۔ وہ مسکرا کر بولی کہ وہ سانپ جو ڈرا ہوا آرہا تھا
میں ہی تھی اور یہ اژدہا جو مرا پڑا ہے۔ ایک جن تھا جو مجھے پکڑنا چاہتا تھا۔ خدا نے اسوقت تمہیں میری امداد
کے لئے بھیجدیا اور تم نے اس خبیث کو ہلاک کر دیا اس کی ہلاکت کے بعد جب اطمینان سے میں نے تمہاری
طرف دیکھا تو مجھے اصل حال معلوم ہو گیا۔ چنانچہ میں فوراً اڑ گئی اور تمہارے جہاز کو باحتیاط بغداد پہونچا کر
کل مال و اسباب بھی تمہارے گھر میں رکھ کر آئی اور تمہاری غدار بہنوں کو بطور سزا کتیوں کی شکل میں تبدیل
کر دیا ہے جو یہ حاضر ہیں۔ ان کا قصور ایسا نہیں کہ صرف اسی سزا پر اکتفا کیا جائے بلکہ روزانہ ان کو سو کوڑے
مارنا۔ ورنہ تم نقصان اٹھاؤ گی۔ پھر کہنے لگی کہ تم آنکھیں بند کر لو۔ میں تمہیں تمہارے مکان پر پہنچا دیتی
ہوں۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اس نے مجھے اٹھایا اور پھر جو آنکھ کھولی تو خود کو اپنے مکان پر بغداد میں

پایا۔ جاتے ہوئے اس نے مجھے اپنا بال دیا اگر کبھی میری امداد کی ضرورت ہو تو تم مجھے بلا سکتی ہو یا امیرالمومنین میں اس روز سے روزانہ ان کتیوں کو سو کوڑے مارتی ہوں لیکن پھر بہنیں ہونیکا خیال آتا ہے تو ان کو پیار کرتی ہوں۔ زبیدہ اپنا قصّہ سنا کر ایک طرف بیٹھ گئی۔ خلیفہ نے پھر امینہ کو حکم دیا کہ تم اپنا حال کہو امینہ خلیفہ کے سامنے دست بستہ کھڑی ہوئی اور اپنا حال اس طرح سنانا شروع کیا۔

امینہ کا قصّہ

جیسا کہ بہن زبیدہ کے قصّہ میں ذکر آچکا ہے۔ میرے والد نے کافی دولت چھوڑی تھی میں اپنا حصہ لیکر الگ ہو گئی تھی۔ کچھ مدت کے بعد میں نے ایک جوان صالح سے نکاح کر لیا لیکن تھوڑے ہی دن بعد اسکا انتقال ہو گیا۔ مجھے اس سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ میں نے عہد کر لیا تھا کہ نکاح ثانی نہیں کروں گی روپیہ پیسہ کی مجھے کوئی تنگی نہیں تھی اطمینان سے اپنے گھر رہنے لگی۔ ایک روز ایک ضعیفہ میرے پاس آئی وہ پہلے بھی کبھی کبھی آیا کرتی تھی اور کہنے لگی کہ بی بی میرے ایک عزیزہ کی شادی ہے اس تقریب میں بعض امیرالمومنین کی خواتین بھی آئیں گی۔ ہم لوگ رسم و آداب شاہی سے واقف نہیں۔ اگر تم چلو۔ اور ان کی تواضع وغیرہ کا انتظام کر دو تو عین نوازش ہو گی۔ میں نے منظور کر لیا اور اسکے ساتھ روانہ ہو گئی۔ وہ مجھے ایک بہت بڑے مکان میں لیگئی۔ وہاں ایک نہایت خوبصورت عورت نے میرا استقبال کیا۔ اور اعزاز و اکرام سے صدر مقام پر بٹھایا۔ لیکن میں حیران تھی کہ یہاں شادی کا کوئی ہنگامہ نظر نہیں آتا۔ وہ عورت میرے پاس بیٹھ گئی۔ اور کہنے لگی کہ بہن معاف کرنا شادی کا تو ایک بہانہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ بہت بڑے افسر کا لڑکا تم پر عاشق ہو گیا ہے۔ اسکا حال بہت ابتر ہے۔ تم اس پر کرم کرو اور شادی کر لو۔ یہ سنکر میں بہت ناراض ہوئی کہ کیا یہ ہی شریفوں کا شیوہ ہے۔ ابھی میں شاید اور کچھ سخت سست کہتی کہ اتنے میں ایک نہایت خوبصورت شکیل نوجوان اندر آیا اور مجھ سے دست بستہ کھڑا ہو کر شادی کی درخواست کرنے لگا۔ انداز سے میں نے سمجھ لیا کہ یہ کسی بڑے آدمی کا لڑکا ہے۔ اسلئے بہت زیادہ سختی بھی نہیں کر سکی۔ جب میں نے جواب نہیں دیا تو وہ کہنے لگا کہ میری جان پر بنی ہے۔ جبتک تم اقرار نہیں کرو گی میں تمہیں جانے نہ دونگا۔ اور اگر بات بڑھی تو خیر میں تو اپنی جان دے ہی دونگا لیکن تم بھی تمام بغداد میں رسوا ہو جاؤ گی یہ سب باتیں میں بھی سوچ رہی تھی۔ آخر میں نے دل کو سمجھایا کہ نوجوان ہزاروں میں ایک ہی صاحب عزت و وقار ہے۔ خاموشی اور قبول میں ہی بہتری ہے۔ چنانچہ میں نے رضامندی ظاہر کر دی اس وقت قاضی صاحب آئے اور ہمارا نکاح ہو گیا۔ میں اپنے شوہر کیساتھ رہنے لگی لیکن مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون ہے۔

ایک روز میں بازار کپڑا خریدنے گئی۔ ایک دوکان پر میں نے کپڑا دیکھا اور قیمت معلوم کی تو بیزاز نے بڑی گستاخی سے کہا کہ صرف ایک بوسہ۔ میں بہت ناراض ہوئی اور چلنے کا ارادہ کیا اتنے میں دوکاندار

اٹھ کر مجھے لپٹ گیا اور میرے رخسار پر اتنے زور سے کاٹا کہ خون نکل آیا اور پھر دوکان کے دوسرے دروازے سے بھاگ گیا۔ میں شرم و غیرت کیوجہ سے خاموش گھر چلی آئی۔ شام کو میرے شوہر نے میرا رخسار دیکھ کر پوچھا کہ کیا ہوا۔ میں نے جھوٹ کا سہارا لیا اور کہدیا کہ چوٹ لگ گئی لیکن وہ مطمئن نہیں ہوا اور ایک غلام کو بلا کر حکم دیا کہ مجھے قتل کر دے۔

تصویر امینہ کا شوہر جو اسکو قتل کرنا چاہتا ہے

میں بہت روئی پیٹی۔ لیکن اُسے رحم نہ آیا۔ آخر وہ بوڑھی عورت جو مجھے لائی تھی اس کے قدموں پر گر گئی اور میری جان بخشی کیلئے عرض کرنے لگی۔ اس پر میرا شوہر کہنے لگا کہ خیر میں قتل تو نہیں کرتا لیکن سزا ضرور دونگا۔ چنانچہ اس نے ہنٹر لیکر مجھے بہت مارا کہ میں بیہوش ہو گئی۔ جب ہوش میں آئی تو دیکھا کہ میں ایک چھوٹے سے گندے مکان میں ہوں اور وہ بڑھیا میری تیمارداری کر رہی ہے مدت تک میرا علاج ہوتا رہا آخر میں تندرست ہو گئی۔ اور میں اپنی بہن زبیدہ کے پاس گئی اور اس کو کل حال سنایا اس نے محبت سے مجھے اپنے پاس رکھ لیا۔ اور اب میں وہیں رہتی ہوں۔

خلیفہ یہ واقعات سنکر بہت متعجب ہوا اور حکم دیا کہ یہ واقعات لکھ کر شاہی کتب خانہ میں رکھے جائیں پھر زبیدہ سے کہا کہ اس پری کو بلاؤ جس نے تمہاری بہنوں کو کتیا بنایا۔ زبیدہ نے پری کا بال نکالا اور اس کو جلایا۔ نوری پری سامنے آکھڑی ہوئی۔ اور خلیفہ کو سلام کیا۔ پھر کہنے لگی امیرالمومنین میں زبیدہ کی بیحد ممنون احسان ہوں۔ خلیفہ ہارون نے پری سے کہا کہ تم ان کتیوں کو اصلی صورت میں لا سکتی ہو۔ پری نے کہا ہاں۔ بادشاہ نے کہا کہ تم ان کو انسان بنا دو۔ پری نے ان پر کچھ پڑھ کر دم کیا۔ وہ کُتیاں

انسانی جامے میں آگئیں۔ پھر خلیفہ نے کہا کہ میری حکومت میں امینہ جیسی پاک نہاد لڑکی پر ظلم کرنیوالا کون شخص ہے۔ پری نے کہا آپ کا چھوٹا لڑکا امین۔ پھر امینہ پر پڑھا ہوا پانی چھڑکا جس سے اسکے سب نشانات زخم وغیرہ صاف ہو گئے اور پری سب کو سلام کر کے غائب ہو گئی۔

خلیفہ نے امین کو طلب کیا اور امینہ کا ہاتھ اسکے ہاتھ میں دیکر اصل واقعہ بتایا اور کہا کہ اسکو اپنے حرم میں رکھو یہ بالکل بیگناہ ہے۔ زبیدہ سے خلیفہ نے خود عقد کیا اور تینوں قلندروں کا نکاح زبیدہ کی تینوں بہنوں سے کر دیا۔

پری کا آکر کتیوں کو اصلی صورت میں لانا
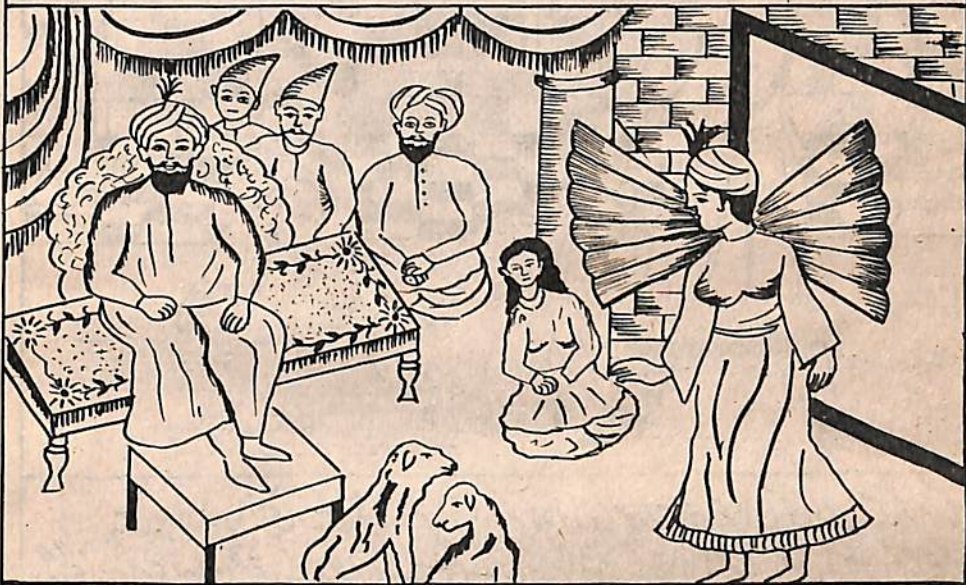
شہرزاد نے کہانی پوری کی تو ابھی کچھ رات باقی تھی چنانچہ دنیازاد کے اصرار پر سند باد جہازی کا قصّہ شروع کیا۔

سند باد جہازی کا قصّہ

خلیفہ ہارون الرشید کے عہد حکومت میں ایک ضعیف لکڑہارا بغداد میں رہا کرتا تھا اسکا نام ہند باد تھا۔ ایک روز لکڑیوں کا گٹھا لئے ہوئے اتفاقاً سند باد جہازی کے محل کے پاس سے گذرا اور تھکاوٹ سے مجبور ہو کر لکڑیاں ایک طرف رکھدیں۔ اور خود سانس لینے بیٹھ گیا اسوقت سند باد کے یہاں کچھ احباب بیٹھے تھے اور خوش گپیاں ہو رہی تھیں۔ بڈھے کو اس کی سیاحت دیکھ کر بہت رشک آیا اور راہ چلتے ہوئے آدمی سے پوچھنے لگا کہ بھائی اس حویلی میں کون رہتا ہے۔ وہ بولا تم بغداد میں رہتے ہو اور سند باد جہازی کو نہیں جانتے۔ راہ گیر تو چلا گیا لیکن بڈھا آسمان کیطرف دیکھ کر بڑبڑایا کہ خداوندا سند باد

اور ہند باد کے ناموں میں تو کچھ زیادہ فرق نہیں۔ لیکن یہ کتنا امیر ہے۔ اور میں کتنا غریب۔ اتفاقاً یہ الفاظ سند باد نے بھی سن لئے۔ اور ایک غلام کو اشارہ کیا کہ اس بوڑھے کو بلا لاؤ۔ غلام بوڑھے کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ کو مالک بلاتے ہیں۔ ہند باد کو تعجب ہوا کہ اس امیر کو مجھ غریب سے کیا کام ہو گا۔ لیکن وہ غلام کیساتھ اندر گیا۔ سند باد نے اچھی تعظیم سے بوڑھے کو اپنے پاس بٹھایا۔ مختلف لوازمات سامنے رکھے اور بولا کہ تم باہر بیٹھے ہوئے کیا کہہ رہے تھے۔ بوڑھا ڈرا۔ کہ دیکھئے کیا ہو۔ کہنے لگا کہ حضور بوجھ اٹھانے سے تھک کر چور ہو گیا تھا۔ یوں ہی کچھ زبان سے نکل گیا۔ سند باد نے کہا کہ تم خوف نہ کرو۔ میں نے تمہارے الفاظ سن لئے تھے۔ میرے قلب پر ان کا بہت اثر ہوا۔ لیکن تم یہ خیال نہ کرو۔ اور یہ دولت مجھے کہیں مفت پڑی مل گئی ہے۔ بلکہ میں نے اس کے لئے بہت مصیبتیں اٹھائی ہیں میں تمہیں اپنی روداد زندگی سناتا ہوں اسکے بعد ایک غلام کو حکم دیا کہ ہند باد کا لکڑی کا بوجھ اس کے گھر ڈال آؤ۔

سند باد جہازی کا پہلا سفر

حاضرین کو مخاطب کر کے سند باد نے اپنی داستان شروع کی میرے والد بہت بڑے تاجر تھے۔ نقد کے علاوہ جائیداد بھی کافی تھی۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو کل املاک میرے قبضے میں آ گئے۔ نوجوانی کا زمانہ تھا۔ میں عیش و عشرت میں پھنس گیا اور بیدردی سے روپیہ خرچ کرتا رہا۔ آخر دولت کہانتک ساتھ دیتی۔ سرمایہ ختم ہونے لگا تو آنکھیں کھلیں۔ جو کچھ جائیداد باقی تھی اسکو فروخت کر کے روپیہ اکٹھا کیا اور اپنے والد کے ملنے والے تاجران سے مشورہ کر کے اسباب تجارت خریدا اور خدا کا نام لیکر ہندوستان کیطرف روانہ ہو گیا۔ ہمارا جہاز مختلف مقامات پر ٹھہرا۔ میں جو چیزیں ساتھ لایا تھا ان کو فروخت کرتا اور نیا مال خریدتا رہا اور اسطرح سے میں نے معقول فائدہ حاصل کیا۔ ایک روز ہمارا جہاز ایک چھوٹے سے جزیرے کے قریب ٹھہرا اور ہم لوگ وہاں سیر کرنے کیلئے اتر آئے۔ میں سیاحت کا ہمیشہ سے شایق ہوں دوسرے ساتھیوں سے زیادہ دور تک پھرتا ہوا چلا گیا۔ دفعتہً ایک زلزلہ کا سا جھٹکا محسوس ہوا۔ اسوقت کپتان جہاز چلّایا کہ بھاگو جلدی کرو۔ یہ جزیرہ نہیں مچھلی ہے اور ہم سب اس کی پشت پر چل رہے ہیں۔ یہ سن کر لوگ بے تحاشہ دوڑے جو جہاز کے قریب تھے وہ تو سوار ہو گئے لیکن میں چونکہ دور تک چلا گیا تھا جہاز تک نہ پہنچ سکا۔ اتنے میں مچھلی نے ڈبکی لگائی اور پانی کی سطح پر میں رہ گیا۔ ہر چند ہاتھ پیر مارے کہ جہاز تک پہنچ جاؤں۔ لیکن موجوں کے زور سے خدا جانے کہاں سے کہاں جا نکلا۔ آخر یوں ہی اچھلتا بیٹھتا کسی موج کے زور میں ایک جزیرے کے کنارے جا پڑا۔ خشکی تک پہنچا اور خداوند کریم کا شکر ادا کیا۔ جنگلی پھل اور پتے کھا کر ایک چشمے سے پانی پیا تو اوسان درست ہوئے۔ کچھ دیر ایک درخت کے نیچے پڑا رہا۔ پھر اٹھ کر چلا کہ دیکھوں کوئی آبادی ہے یا نہیں۔ کچھ دور چلا تھا کہ ایک گھوڑی درخت سے بندھی ہوئی نظر آئی۔ میں اسی طرف گیا تو دیکھا کہ کچھ آدمی درختوں میں چھپے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے اشارے سے مجھے

اپنے پاس بلایا اور حال دریافت کیا۔ میں نے کل واقعہ سنایا وہ کہنے لگے گھبراؤ نہیں ہمارے ساتھ چلنا پھر اپنی آمد کی غرض بتائی کہ ہم یہاں دریائی گھوڑے کی نسل لینے آئے ہیں۔ چنانچہ آج بھی بادشاہی گھوڑی اسی لئے لائی گئی ہے۔ جب دریائی گھوڑا اس سے مل لیگا تو شور کرکے اس کو بھگادیں گے۔ کیونکہ دریائی گھوڑے کا قاعدہ ہے کہ مادہ کو ملنے کے بعد اسکو زندہ نہیں چھوڑتا۔ میں ان لوگوں کے پاس ہی چھپ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں دریائی گھوڑا پانی سے نکلا اور گھوڑی سے جفتی کی۔ جب فارغ ہوا اور گھوڑی کو مارنا چاہا تو ہم نے شور مچاکر اسکو بھگادیا اسکے بعد ہم گھوڑی کو لیکر شہر میں آگئے۔

ان لوگوں نے میرا قصہ بادشاہ کو سنایا۔ اس نے مجھ پر بہت مہربانی کی۔ آب و دانہ کا انتظام کیا۔ میں نے سب علاقہ دیکھا۔ لوگوں سے ملا۔ وہاں کے رسم و رواج معلوم کئے پھر ایک جزیرہ دیکھنے لگا جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہاں سے خودبخود گانے کی آواز آتی ہے واقعی عجیب اصرار ہے۔ ایک روز میں نے دیکھا کہ کوئی جہاز آیا ہے۔ میں بھی سمندر کے کنارے پر گیا۔ وہاں جو اسباب اتر رہا تھا میں نے اس پر نام لکھا ہوا دیکھا۔ میں جہاز کے پاس گیا۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ہی جہاز ہے جس میں میں سفر کر رہا تھا۔ میں نے کپتان سے ملاقات کی لیکن ان مصائب نے میری صورت اتنی بدل دی تھی کہ کپتان پہچان نہ سکا۔ میں نے اپنے اسباب کی ساری تفصیلات اور اپنے رہ جانے کا قصہ اسکو سنایا تب اس نے پہچانا اور بڑی گرمجوشی سے ملا۔ اور میرا کل اسباب مع منافع جو اس درمیان میں فروخت سے حاصل ہوا تھا مجھے دیدیا۔ میں نے کپتان کو کچھ دینا چاہا لیکن اس نے انکار کردیا اور کہنے لگا کہ خدا کا شکر ہے۔ کہ میں تمہیں زندہ دیکھ رہا ہوں اور تمہاری امانت تم تک پہنچا سکا میں اس کی دیانت داری دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پھر میں نے اپنا مال وہاں فروخت کیا اور وہاں کا پسندیدہ مال خرید کر جہاز پر بار کیا اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوا گھر واپس آگیا۔ اس سفر میں مصیبت تو بہت پیش آئی تھی لیکن منافع بھی اتنا ہوا کہ شاید عام حالات میں دس برس بھی نہ ہوتا۔ اس کے بعد سندباد نے ایک تھیلی دینار کی بڈھے کو دی اور کہا کہ کل پھر آنا اپنی باقی داستان زندگی بھی سناؤں گا۔

روپیہ پاکر بوڑھا خوشی خوشی گھر گیا۔ اگلے روز عمدہ لباس پہنکر وقت مقررہ پر سندباد کے محل میں پہنچا۔

سندباد جہازی کا دوسرا سفر

سندباد نے اپنے دوسرے سفر کا حال کہنا شروع کیا۔

پہلے سفر کے بعد میرا ارادہ تھا کہ اب دریا کا سفر نہیں کرونگا لیکن چند روز آسودہ رہ کر پھر میرے دل میں سفر کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ میں نے اسباب تجارت خریدا۔ اور ایک جہاز میں جو بہت سے تجاروں کو لیکر جا رہا تھا۔ سوار ہوگیا۔ ہم ہفتوں سفر کرتے رہے۔ بہت سے جزیروں میں مال فروخت کیا۔ وہاں کا مال خریدا۔ اور آگے کیطرف روانہ ہوئے۔ میں نے چند ہفتوں میں کافی منافع حاصل کرلیا تھا۔ ایک روز ہم کئی

دن کے سفر کے بعد ایک ویران جزیرے کے قریب پہنچے اور سوختہ حاصل کرنے کیلئے وہاں ٹھہر گئے۔ میں دور تک جزیرے کی سیر کرتا ہوا نکل گیا۔ اپنے خیالات میں اتنا محو تھا کہ یہ ہی یاد نہ رہا کہ ساحل کدھر ہے۔ گھبرا کر لوٹا۔ لیکن تمام دن پھرنے کے باوجود مجھے وہ کنارا نہ ملا جہاں ہمارا جہاز ٹھہرا تھا۔ میں بتقدیر یہ سمجھ گیا کہ جہاز تو چلا گیا ہو گا اور جدھر منہ اٹھا روانہ ہو گیا۔ ایک رات کی مسافت کے بعد میں نے ایک گیند جیسی سفید چیز دیکھی لیکن یہ نہ معلوم کر سکا کہ یہ کیا ہے۔ دفعتاً سر پر اور آس پاس سایہ چھا گیا۔ میں نے اوپر نظر اٹھائی تو ایک دیو ہیکر پرندہ آتا ہوا نظر آیا۔ میں ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پرندہ نیچے اترا اور اس گیند پر بیٹھ گیا۔ اسوقت مجھے خیال آیا کہ یقیناً رُخ جانور ہے اور وہ سفید گیند اسکا انڈا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہاں سے نکلنے کی تدبیر یہ ہی ہے کہ جب یہ رُخ اڑے تو اسکے پنجوں سے لپٹ جاؤں جہاں کہیں یہ اترے گا۔ میں بھی پہنچ جاؤں گا۔ آگے خدا کی مرضی جو کچھ بھی ہو۔ چنانچہ میں نے اپنی پگڑی کا ایک سرا اپنی کمر سے باندھ لیا اور دوسرا رُخ کے پیر سے۔ اگلے روز وہ اُڑا۔ میں اسکے پیر سے بندھا ہوا تھا۔ رُخ اُڑتے اُڑتے اتنا بلند ہوا کہ نیچے کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ بہت دیر کے بعد وہ نیچے اترنا شروع ہوا۔ میں تیار تھا جونہی زمین قریب آئی میں نے کمر سے پگڑی کھول دی اور ایکطرف کود گیا۔ رُخ نے قریب ہی پڑے ہوئے ایک اژدھا کو پنجے سے اٹھایا اور اڑ گیا۔ اب جو میں نے اپنے چاروں طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ میں کئی پہاڑوں میں گھرے ہوئے ایک چھوٹے سے میدان میں کھڑا ہوں اور اس میں چاروں طرف بہترین الماس بکھرے پڑے ہیں۔ میں بہت خوش ہوا اور بہترین قسم کے بڑے بڑے الماس اپنی کمر میں باندھ لئے۔ پھر ایک پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دُور گیا تھا کہ اژدہاؤں کی خوفناک پھنکاریں آنے لگیں اور راستہ مسدود معلوم ہوا

جواہرات کے پہاڑ
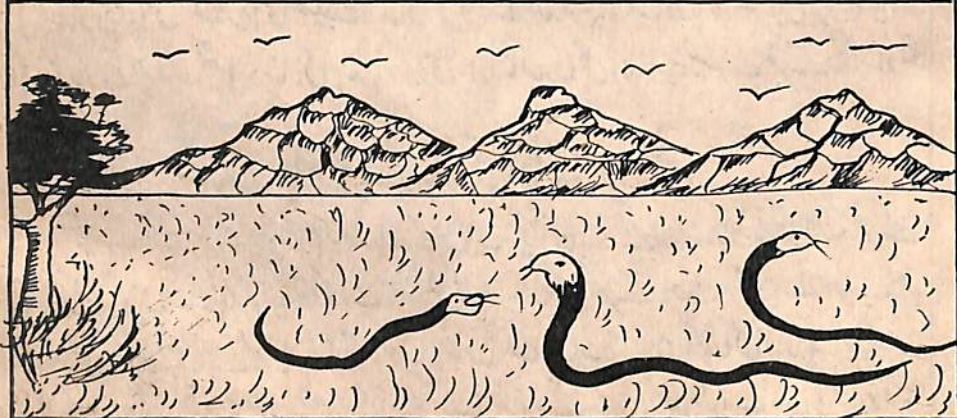
اسوقت کی اپنی پریشانی اور گھبراہٹ میں بیان نہیں کر سکتا۔ دل سینہ میں بیٹھا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ ادھر شام سر پر آگئی۔ بڑی مشکل سے میں نے اپنا حوصلہ قائم کیا اور ایک کھوہ میں جگہ صاف کر کے

بیٹھ گیا۔ منہ کے آگے اسطرح پتھر چن دیئے کہ کوئی سانپ اژدہا اندر نہ آسکے۔ جوں توں کرکے رات بسر کی صبح کو اُٹھ کر چاروں طرف پھرنے لگا کہ شاید میرے نکلنے کی کوئی صورت نظر آئے۔ مجھے باہر نکلے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ پہاڑ کی چوٹی سے بڑے بڑے گوشت کے ٹکڑے آکر گرنے لگے۔ میں نے حیران ہوکر چاروںطرف دیکھا لیکن کوئی حیوانی یا انسانی صورت نظر نہیں پڑی تھوڑی دیر میں بڑے بڑے پرندے آنے لگے وہ گوشت کے ٹکڑے اُٹھا اُٹھا کر اڑ جاتے تھے۔ میں نے سوچا کہ جسطرح رُخ مجھے اس جزیرے سے اسجگہ لایا ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ کوئی جانور باہر بھی نکال کر لیجائے۔ چنانچہ میں نے ایک بڑا سا گوشت کا ٹکڑا اپنی بیٹھ پر باندھ لیا اور الٹا لیٹ گیا اور خدا سے دعا کرنے لگا کہ اے اللہ مجھے یہاں سے نجات عطا فرما۔ کچھ دیر بعد ایک بڑا پرندہ میرے پاس آیا اور گوشت کا ٹکڑا سمجھ کر مجھے اٹھالیا اور اُڑنے لگا۔ یہانتک کہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر پہنچکر ایک سمت اُترا۔ اس نے جوں ہی مجھے زمین پر رکھا میں شور مچاتا ہوا کھڑا ہوگیا اور وہ پرندہ ڈر کر اُڑ گیا۔ میں نے گوشت کا ٹکڑا کھول کر پھینکدیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کدھر جاؤں۔ ایک سمت مجھے چند آدمی نظر آئے۔ میں اُن کے پاس گیا اور اپنی داستان مصیبت سنائی۔ انہوں نے بہت ہمدردی ظاہر کی۔ میں نے ان کا حال دریافت کیا۔ تو کہنے لگے۔ ہم سوداگر ہیں اور یہاں ہیرے جمع کرنے آئے ہیں۔ نیچے تو کوئی جا نہیں سکتا۔ اسلئے ہم یہ ترکیب کرتے ہیں کہ گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے پھینک دیتے ہیں اور ان ٹکڑوں میں کچھ ہیرے چمٹ جاتے ہیں۔ جب پرندان کو نیچے سے اٹھالاتے ہیں تو ہم ان کو ڈرا دھمکا کر گوشت چھین لیتے ہیں اور ان میں سے کچھ ہیرے مل جاتے ہیں۔ بعض پرندے گوشت اپنے گھونسلوں میں لیجاتے ہیں اور گوشت کھالیتے ہیں۔ ہیرے کے ٹکڑے وہیں پڑے رہتے ہیں۔ چنانچہ کچھ جواہرات ہم وہاں سے حاصل کر لیتے ہیں۔

چند روز میں ان تاجروں کیساتھ پہاڑ پر رہا۔ پھر ان کی رہبری میں جزیرہ روحا میں آگیا۔ کچھ جواہرات فروخت کرکے بہت سا اسباب تجارت خریدا اور جہاز میں بیٹھ کر بصرے آیا اور وہاں سے براہ خشکی بغداد پہنچا۔ اس سفر میں اتنی مصیبت اٹھائی کہ میں نے عہد کرلیا کہ اب دریا کا سفر نہیں کرونگا۔ یہ قصہ سنا کر سندباد نے پھر ایک تھیلی دینار کی ہندباد کو دی۔ اور تاکید کی کل آنا۔ اپنے تیسرے سفر کے حالات سناؤنگا

سندباد جہازی کا تیسرا سفر

تیسرے روز پھر ہندباد شام کو سندباد کے محل میں پہنچا۔ کھانے کے بعد سندباد نے حالات سفر کہنے شروع کیے۔ گو میں نے عہد کرلیا تھا کہ اب سفر نہیں کرونگا لیکن گھر کے راحت و آرام نے سعوبت سفر بھلادی تھی۔ اسلئے میں پھر باہر جانے کو تیار ہوگیا۔ مختلف قسم کا اسباب تجارت اکٹھا کیا اور ایک جانیوالے جہاز میں سوار ہوگیا۔ شروع شروع میں ہم آسانی سے سفر کرتے رہے اور جگہ جگہ اپنے مال کی خرید و فروخت کافی نفع بخش تھی۔ آخر ایک روز کپتان نے بتایا کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں۔ چنانچہ کئی روز تک ہمیں کوئی جزیرہ یا ساحل نہیں ملا۔ پریشانی تھی لیکن زیادہ نہیں کیونکہ سمندر ساکت تھا اور ہوا موافق ایک روز

ہمیں ایک جزیرہ نظر آیا ہم خوش ہوئے کہ آخر کسی راہ پر ضرور آ گئے ہیں۔ جب جزیرے کے قریب پہنچکر لنگر ڈال چکے تو معلوم ہوا کہ یہ مردم خوران کا جزیرہ ہے۔ جلد جلد ہم نے لنگر اٹھائے اور چاہا کہ بھاگ جائیں لیکن مردم خور ہمیں دیکھ چکے تھے اور اپنی کشتیاں لیکر ہمارے جہاز پر حملہ آور ہوئے۔ رسہ کاٹ ڈالا بادبان کو پھاڑ دیا۔ آخر ہم مغلوب ہو گئے۔ اور وہ لوگ ہمارے جہاز کو جزیرے کے کنارے پر لے آئے۔ ہم سب کو گرفتار کر کے ایک غار میں بند کر دیا گیا۔ جس میں لاتعداد انسانوں کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں اور بدبو کیوجہ سے ٹھہرنا مشکل تھا۔ تھوڑی دیر میں ایک بن مانس وضع کا مردم خور آیا جو بہت گراں ڈیل ہیکل دیو نما نیم انسان تھا۔ اس نے ہم میں سے ہر ایک کو اُٹھا اُٹھا کر جانچا کہ تیار اور موٹا کونسا ہے۔ دیکھ بھال کر جہاز کے کپتان کو لے گیا اور اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا۔ جس کا منشا یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسکے کباب بناؤ۔ جب وہ کپتان کو لیکر چلا تو ہم زار و قطار رونے لگے کہ باری باری سب کا یہی حشر ہونا ہے۔ صبح کو وہ جنگلی لوگ بہت سے جنگلی پھل

مردم خور سردار

ہمارے پاس ڈال گئے۔ لیکن یہاں سامنے موت کھڑی نظر آ رہی تھی۔ کھانا کون کھاتا جب ہم اسطرف متوجہ نہیں ہوئے تو ان لوگوں نے زبردستی ہمارے منہ میں پھل ٹھونس دیئے اور مجبور کیا کہ کھائیں۔ ہمارا سارا دن رونے ہی میں صرف ہو گیا شام کو وہی سردار پھر آیا اور ایک آدمی کو چھانٹ کر لے گیا اور کمبخت ملکر اس غریب کو کھا گئے۔

رات کو ہم لوگوں نے مشورہ کیا کہ موت سے تو بہر حال رہائی ممکن نہیں ہے پھر کیوں نہ فرار کی کوشش کی جائے۔ بچ کر نکل گئے یار ہ گئے یہ قسمت کے ہاتھ میں ہے۔ یوں بھی یہ سب ایک ایک کر کے بھون کھائیں

گے۔ تجویز منظور ہو گئی اور ہم دن بھر اِدھر اُدھر گھوم کر لکڑیاں جمع کرتے رہے تاکہ کوئی معمولی سی کشتی تیار کر لیں۔ رات کو ہم نے ڈنڈے باندھ کر کچھ کشتیاں بنا لیں اور جب وہ سو گئے تو ہم اُٹھے اور کباب بنانے والی سلاخ کو خوب گرم کیا اور وہ سردار جہاں سو رہا تھا۔ خاموشی سے اس کے پاس جا کر اس کی آنکھوں میں گھسا دی شدت درد سے وہ چلانے لگا۔ ہم کشتیوں میں بیٹھ کر بھاگے۔ چاروں طرف وہ مردم خور جمع ہو گئے اور پتھروں کی بارش کر دی۔ شاید وہ کشتیاں غرق بھی ہو گئیں اور کچھ جو ذرا دور ہو گئی تھیں۔ ان کی زد سے بچ گئیں۔ دوسروں کا کیا حال ہوا معلوم نہیں۔ میں جس کشتی میں سوار تھا وہ موجوں کے بہاؤ سے ایک دوسرے جزیرے کے کنارے جا لگی۔ ہم اتر کر جزیرے میں پہنچے اور دم لینے کو ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ چونکہ تھک کر چور ہو گئے تھے اسلئے لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ معلوم نہیں کب تک سوئے کہ جسوقت میری آنکھ کھلی اور چر چر کی آواز محسوس ہوئی اسوقت رات ہو چکی تھی۔ پھر چاند کی روشنی میں میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ میرے ایک ساتھی کو اژدھا نگل رہا ہے اور چرچراہٹ اسکی ہڈیاں ٹوٹنے کی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر میرا بدن شدت خوف سے سرد ہو گیا اور میں سر سے لیکر پیر تک کانپ اٹھا۔ آہستہ سے اپنے دوسرے ساتھی کو بیدار کیا اور ہم دونوں بھاگ کر ایک درخت پر چڑھ گئے۔ لیکن اژدہا نے ہمارا تعاقب نہیں چھوڑا۔ وہ بھی درخت پر آ گیا۔ میں تو کود کر بھاگا۔ لیکن میرا ساتھی اژدہا کے ہاتھ آ گیا اور وہ اسکو بھی کھا گیا۔ میں جوں توں کر کے کشتی تک پہنچا اور اسی میں پڑا رہا۔ رات بھر دعائیں کرتے گذر گئی۔ صبح کو کشتی میں نے سمندر میں چھوڑ دی اور پھر قریب مجھے ایک جہاز جاتا ہوا نظر آیا۔ میں نے اپنی چادر ہوا میں گھمائی زندگی کے دن باقی تھے۔ اہل جہاز نے مجھے دیکھ لیا۔ جہاز میرے قریب لائے اور مجھے سوار کر لیا۔ اس جہاز کا کپتان وہ ہی تھا جس کے ساتھ میں نے دوسرا سفر کیا تھا۔ وہ بڑے تپاک سے ملا۔ کل حال دریافت کیا اور بڑی محبت سے سلامتی جان کی مبارکباد دی اور کہنے لگا کہ خدا کا شکر ہے تم مل گئے تمہارا وہ مال ابتک میرے پاس امانتہً موجود ہے جو پچھلے سفر میں رہ گیا تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے نہ صرف میری جان بچائی بلکہ میرا مال بھی عطا فرما دیا۔ میں نے اپنا مال لیا اور مختلف ملکوں میں فروخت کرتا ہوا سلہٹ پہنچا۔ وہاں سے اور مختلف چیزیں لیں اور پھر اپنے وطن واپس آیا۔ گو مصیبتیں تو بہت زیادہ پڑیں۔ لیکن میں نے منافع بھی اتنا حاصل کیا کہ اگر زندگی بھر بیٹھ کر کھاتا تو کافی تھا۔ چنانچہ اس مرتبہ میں نے مصمم ارادہ کیا کہ اب گھر سے باہر قدم نہیں رکھونگا۔

سند باد نے پھر ایک سو دینار کی تھیلی ہند باد کو دی۔ اور اگلے دن آنے کو کہدیا۔ تاکہ چوتھے سفر کے حالات سُنے۔

سند باد جہازی کا چوتھا سفر

حسب معمول شام کو ہند باد پھر سند باد کے گھر کہانی سُننے کو آیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر سند باد نے کہنا شروع کیا۔ تیسرے سفر کے بعد میرا قطعاً ارادہ سفر کا نہیں تھا۔ لیکن میں افتادِ جبیت سے مجبور تھا۔ کچھ روز راحت و آرام سے گذرے تھے کہ مجھے پھر سفر کی دھن سوار ہوئی۔ چنانچہ میں نے تجارتی مال فراہم کیا اور ایک

اچھے جہاز میں روانہ ہو گیا۔ ہم نے بہت سے نئے جزیرے دیکھے مال کی خرید و فروخت کی اور معقول منافع اٹھاتے بڑھتے چلے گئے۔ شاید ہمیں سفر کرتے ہوئے ایک مہینہ گذرا تھا کہ ایک روز ہم طوفان میں گھر گئے کپتان نے بہت کوشش کی کہ جہاز کو کسی طرح بچالوں لیکن نہ بچا سکا۔ اور ہمارا جہاز کسی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ ہم لوگ سمندر میں گر گئے اور اپنے بچاؤ کیلئے جد و جہد کرنے لگے۔ آخر جن لوگوں کو ٹوٹے ہوئے جہاز کے تختے دستیاب ہو گئے وہ تو ان کے سہارے تیر گئے۔ باقی کا خدا جانے کیا حال ہوا۔ بہرحال میں اور میرے کچھ ساتھی تختوں کے سہارے دو دن تک تیرتے رہے۔ بھوک پیاس سے بیدم ہو رہے تھے کہ سامنے ہمیں جزیرہ معلوم ہوا۔ بڑی مشکلوں سے خشکی تک پہنچے۔ کچھ جنگلی پتے اور چیزیں کھا کر پانی پیا تو یہ محسوس ہوا کہ واقعی ہم زندہ ہیں۔ کچھ دیر دم لینے کو لیٹے رہے۔ پھر آبادی کی تلاش میں آگے بڑھے سامنے کچھ فاصلے پر کچھ عجیب قسم کی تعمیر اور جھونپڑیاں معلوم ہوتی تھیں۔ وہاں پہنچے۔ ابھی کچھ سمجھنے بھی نہیں پائے تھے کہ کانگوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور ایک مکان میں لے گئے جس میں ان کا سردار بیٹھا تھا۔ ہمیں ایک طرف بیٹھنے کا حکم دیا گیا۔ پھر ہمارے سامنے نہایت نفیس اور اعلیٰ قسم کے کھانے چنے گئے۔ میں نے ہرچند اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ کھانا نہ کھاؤ۔ لیکن وہ نہ مانے اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ مگر میں نے ایک لقمہ تک نہیں چکھا۔ اسکے بعد آب ناریل اور شراب پلائی گئی۔ میرے ساتھی شراب پیتے ہی بدحواس ہو گئے۔ میں سمجھ رہا تھا اور دیکھ بھی رہا تھا مگر کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ تھوڑی دیر میں سب کے ہوش و حواس شراب اور کھانے کے اثر سے جو جادو کا تھا۔ موٹے ہونے لگے۔ اور وہ ظالم ننگے حبشی ان کو مار مار کر کھانے لگے۔ میں نے چونکہ وہاں کچھ نہیں کھایا تھا اپنے غم میں ہلکان ہو رہا تھا اس لئے میری حالت خراب ہی ہوتی رہی۔ لیکن اسکا یہ فائدہ بھی ہوا کہ میرا کھایا جانا بھی ٹلتا رہا۔ آخر ایک روز موقع پا کر میں فرار ہو گیا۔ گو بدن میں قوت نہیں تھی لیکن جان بڑی عزیز ہوتی ہے میں برابر بھاگتا رہا۔ آخر شام کے قریب ایک گھنیرے درخت پر رات بسر کی اور اسکے پتے کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی۔ صبح کو پھر آگے بڑھا۔ اسی طرح میں تقریباً سات روز تک چلتا رہا۔ جب بھوک سے بیتاب ہوتا تو جنگلی پھل اور پتے کھا لیتا۔ ساتویں دن مجھے ایکطرف کچھ آدمی نظر آئے جو کالی مرچیں چن رہے تھے۔ انکو دیکھ کر جان میں جان آئی۔ میں ان کے پاس جا کر گر پڑا۔ ان لوگوں نے میرے اوپر رحم کیا۔ مجھسے حال دریافت کیا میں نے اپنی داستان مصیبت سنائی۔ ان لوگوں نے مجھے اطمینان دلایا۔ پھر کچھ کھانے کو دیا جب میری حالت ٹھیک ہو گئی تو میں نے بھی ان کے ساتھ مرچیں توڑنی شروع کر دیں۔ کئی روز کے بعد جہاز پر سوار ہو کر ان کے ملک میں پہنچا وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ لوگ زین بنانا نہیں جانتے اور گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سواری کرتے ہیں۔ میں نے ایک زین تیار کیا۔ اور ان کے بادشاہ کو پیش کیا۔ اور اسکا طریق استعمال بتایا بادشاہ بہت خوش ہوا۔ مجھے بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ اور اپنے ایک امیر کی لڑکی سے میری شادی کر دی۔ میری بیوی کافی خوبصورت تھی۔ میں اسکے ساتھ چین سے زندگی بسر کرنے لگا میرے پڑوس میں ایک بڑا شریف

آدمی رہتا تھا۔ میں اس سے بہت مانوس ہوگیا۔ وہ بھی بڑی محبت سے پیش آتا تھا۔ اتفاقاً اسکی بیوی بیمار ہوگئی اور مرگئی۔ میں نے اسکو تسلی تشفی دی تو وہ کہنے لگا کہ بھائی میں بھی اب کوئی دم کا مہمان ہوں۔ مجھے تعجب ہوا اور میں نے کہا کہ تم خدا کے فضل سے تندرست ہو۔ کیوں اتنے مایوس ہوتے ہو۔ وہ بولا تم نئے آدمی ہو۔ اور یہاں کے مراسم نہیں جانتے۔ ہماری قوم میں یہ دستور ہے کہ شوہر مرجائے تو بیوی کو۔ اور بیوی مرجائے تو شوہر کو مردے کے ساتھ ہی دفن کردیتے ہیں۔ یہ سنتے ہی میرے ہوش جاتے رہے کہ اچھا نکاح کیا۔ اگر کہیں یہ نیک بخت پہلے مرگئی تو سچ مچ زندہ در گور ہونا پڑیگا۔ بہرحال اسوقت تو میں ضبط کر گیا لیکن دل اندر سے ڈوبا جارہا تھا۔ تھوڑی دیر میں بڑے تزک و احتشام سے جنازہ اٹھا اور سب لوگ میت کو لیکر ایک بہت بڑے غار کے پاس آئے۔ پھر اس کا منہ کھولا اور میت کو اس میں ڈالدیا۔ اس کے بعد اسکے شوہر کو سات روز کا کھانا پانی دیکر غار میں اتار دیا گیا اور غار کا منہ بند کر کے چلے آئے میں نے بادشاہ سے ملکر اس بیہودہ رسم کو روکنے کی التجا کی اور بہت کچھ خدا کے خوف سے ڈرایا لیکن اس نے کہا کہ یہ قدیمی رسم ہے۔ بند نہیں ہوسکتی۔ اگر میں مرجاؤں یا میری بیوی مرجائے تو ہم بھی اس قانون کی پابندی سے بچ نہیں سکتے۔ مایوس ہوکر لوٹ آیا۔ اور دل میں طے کرلیا کہ اس ناہنجار ملک سے بھاگنا چاہیئے میں اسی فکر میں تھا کہ اتفاقاً میری بیوی بیمار ہوئی اور دوسرے ہی روز مرگئی۔ بادشاہ خود تعزیت کے لئے آیا لیکن میرا حال نچلا تھا۔ بہرحال جنازہ تیار ہوا سب غار پر پہنچے۔ پہلے میت ڈالی گئی اور اس کے بعد مجھے بھی اس ناہنجار بیوی کے پیچھے غار میں دھکیل دیا گیا۔ غار میں اسقدر بدبو اور اندھیرا تھا کہ میرا دم گھٹنے لگا لیکن کیا کرسکتا تھا۔ پہلے تو بیٹھ کر بہت رویا اور جب جی ہلکا ہوگیا تو ایک طرف تھوڑی سی جگہ صاف کی اور وہیں پڑگیا اور خدائے رحیم سے دعا کرنے لگا کہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے۔ میں نے اپنے کھانے اور پینے کی بھی بہت حفاظت کی۔ صرف موافق کھاتا تھا تاکہ کوئی تدبیر سوچ سکوں کہ یہاں سے نجات ملے۔ تیسرے روز اتفاقاً کوئی اور مرگیا۔ چنانچہ غار کا منہ کھلا اور ایک مردہ اور اسکے بعد ایک عورت اندر ڈال دی گئی۔ اب میں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہوگیا تھا۔ میں نے فوراً عورت کا ہاتھ پکڑلیا۔ اور کھانا پینا بھی لیکر احتیاط سے رکھدیا اور سمجھایا کہ تھوڑا تھوڑا استعمال کرو۔ اس عرصہ میں ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کرینگے۔ دو روز میں نے کچھ ہاتھ پیر مارے لیکن کوئی سبیل نظر نہ آئی۔ شام کو پھر غار کا منہ کھلا اور ایک مردہ اور ایک زندہ عورت اور داخل کئے گئے۔ میں نے اس عورت کو بھی تسلی دی۔ دوسرے روز ہم بیٹھے تھے کہ ایک ایسی آواز آئی جیسے کوئی جانور ہڈی کھا رہا ہو۔ میں نے سوچا کہ جس راہ سے یہ جانور آیا ہے اس راہ سے ہمیں نکلنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ میں نے جانور کو ڈرایا۔ تو وہ بھاگا اور میں اس کے پیچھے بھاگا۔ کچھ دور جاکر روشنی معلوم ہوئی۔ قریب جاکر دیکھا کہ دریا کے کنارے اس غار میں سوراخ ہے اور اس میں سے آدمی گذر سکتا ہے۔ میں باہر نکلا اور سجدۂ شکر بجالایا۔ پھر واپس جاکر اپنا کھانا اور ان عورتوں کو باہر لایا اور ہم ایک طرف چھپ کر بیٹھ گئے۔ کئی روز کے بعد ایک جہاز اُدھر سے گذرا۔ میں

نے کپڑا ہلا کر اہل جہاز کو متوجہ کیا۔ چنانچہ جہاز کنارے کیطرف آیا اور ایک کشتی ہمیں لینے کو بھیجی گئی۔ ہم اسمیں سوار ہو کر جہاز میں پہنچے۔ اہل جہاز ہمارا حال سنکر بہت متعجب ہوئے۔ جہاز وہاں سے روانہ ہوا۔ میں اس غار میں سے بہت سا زیور اٹھا لایا تھا ایک جزیرے میں پہنچ کر اسکو فروخت کیا۔ اسباب تجارت خریدا اور مختلف ملکوں میں کاروبار کرتے ہوئے بخیریت بصرہ آ گئے وہاں سے براہ خشکی بغداد آیا اور خدا کا شکر ادا کیا اور عزم بالجزم کر لیا کہ اب سفر پر نہیں جاؤں گا۔ اس کے بعد سند باد نے ایک تھیلی سو دینار کی ہند باد کو دی اور اگلے روز آنے کو کہا۔

سند باد جہازی کا پانچواں سفر

حسب معمول ہند باد شام کے وقت سند باد کے پاس آیا اور کھانے کے بعد سفر نامہ شروع ہوا سند باد نے کہا کہ چوتھے سفر کے بعد گو میں نے بہت سخت عہد کیا تھا کہ آئندہ بغداد سے باہر قدم نہیں نکالونگا لیکن چند روز کے عیش و راحت نے سفر کا شوق پیدا کر دیا۔ اور میں اسباب فراہم کر کے بصرے کیطرف روانہ ہو گیا بصرے پہنچکر میں نے اپنے لئے الگ جہاز کا انتظام کیا اور اس کی تیاری میں میں نے اسکا خیال رکھا کہ طوفان کا مقابلہ کر سکے اور ہر قسم کی راحت و آسائش ہمیں فراہم تھیں۔

جہاز تیار ہو گیا تو ہم سفر پر روانہ ہو گئے اور مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے ایک جزیرے میں پہنچے۔ وہاں میں نے رُخ کا انڈا دیکھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی دکھلایا۔ میرے ساتھی منع کرنیکے باوجود اس انڈے کو توڑ کر کھا گئے۔ میں نے کہا کہ جو تم نے کیا ہے۔ اسکا نتیجہ خطرناک ہے۔ فوراً لنگر اٹھاؤ اور یہاں سے چل دو۔ چنانچہ جلد جلد سوار ہو کر ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ لیکن زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ رُخ کا جوڑا آ گیا۔ اور اپنے انڈے کو ٹوٹا دیکھ کر غیظ و غضب کے عالم میں جہاز پر حملہ آور ہوا اور بڑے بڑے پتھر اٹھا کر جہاز پر گرانے شروع کر دیئے۔ کپتان نے ہر چند کوشش کی کہ جہاز کو اس مصیبت سے بچاؤں۔ لیکن ممکن نہ ہوا۔ آخر اس جوڑے نے اتنے پتھر جہاز پر ڈالے کہ جہاز تباہ ہو گیا۔ اور بہت سے ہمراہی ہلاک ہو گئے۔ جب جہاز ٹوٹ گیا تو ہم تختوں کے سہارے تیرنے لگے۔ مجھے معلوم نہیں میرے ساتھیوں کا کیا حشر ہوا۔ بہر حال مجھے موجیں لئے پھرتی رہیں۔ تمام دن کی مکمل مصیبت کے بعد ایک رازدار موج نے مجھے ایک سرسبز و شاداب جزیرے میں لا ڈالا۔ میں جوں توں کر کے اٹھا اور صاف جگہ دیکھ کر لیٹنے کا انتظام کیا۔ کھانے کی اس جزیرے میں کوئی کمی نہیں تھی۔ ہر طرف جنگلی انگوروں کی بیلیں پھیلی ہوئی تھیں جب رغبت میں نے انگور کھائے اور آ کر لیٹ گیا۔ رات میں نے بغیر کسی خاص واقعہ کے گذاری۔ صبح کو اٹھ کر چلا کہ دیکھوں یہاں سے نکلنے کی کیا سبیل ہو گی۔ میں چشمے کے کنارے پہنچا۔ یہاں میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا جو اپنا نصف دھڑ پتوں سے چھپائے بیٹھا تھا۔ جب اس کی نظر میری طرف پڑی۔ تو مسکرا کر اشارے سے مجھے اپنے پاس بلا لیا اور اشاروں سے ہی سمجھایا کہ مجھے چشمے کے کنارے پر پہنچا دے۔ اسکے پیروں میں

ہڈی بالکل نہیں تھی اور صرف گوشت اور کھال کے بنے ہوئے تھے۔ میں نے از راہ ترحم اسکو کندھے پر اٹھا لیا اس نے اپنی ٹانگیں میری گردن میں لپیٹ لیں۔ میں اسکو لیکر دوسرے کنارے پر آگیا۔ اور اتارنا چاہا تو اس نے اپنی ٹانگیں خوب کس لیں۔ اب میں پریشان ہوا کہ اس مصیبت سے کیونکر نجات حاصل کروں تھوڑی تھوڑی دیر بعد کسی طرف چلنے کو اشارہ کرتا۔ اور اگر میں ذرا بھی رکتا تو وہ اپنی ٹانگیں اسطرح مارتا جیسے گھوڑے کے چابک مارتے ہیں۔ خدا جانے اس کی ان خشک ٹانگوں میں کتنی قوت تھی۔ کبھی مجھے میوہ دار درختوں کے نیچے لے جاتا۔ اور پھر وہاں کھڑا کر کے آپ اطمینان سے پھل توڑ کر کھاتا۔

جزیرے میں پیر تسمہ اور سندباد

کئی روز اسی طرح گذر گئے۔ کہ میں سونے کے لئے لیٹا تب بھی وہ اپنی ٹانگیں میری گردن سے الگ نہیں کرتا تھا۔ ہر وقت کی اس صعوبت سے میں تھک جاتا۔ چنانچہ میں نے ایک کھوہ میں کچھ انگوروں کا رس نکالکر بھرا اور اسکا منہ بند کر کے دھوپ میں رکھدیا تھا۔ دو چار روز میں اس کی نبید تیار ہو گئی۔ جب زیادہ تکان ہوتی تو اس میں سے دو چار گھونٹ پی لیا کرتا تھا۔ ایک روز اس مردود بوڑھے نے بھی اسکو پینے کی خواہش ظاہر کی۔ دفعتہً مجھے خیال پیدا ہوا کہ اس کو خوب نبید پلا کر بیہوش کردوں۔ تب شاید اس سے نجات ملے۔ چنانچہ میں نے اسکو خوب نبید پلائی۔ یہاں تک کہ بوڑھا بیہوش ہو گیا۔ اسوقت اسکے پیروں کی گرفت ڈھیلی ہوئی۔ میں نے آہستہ سے اسکو اپنے کندھے سے الگ کیا۔ اور ایک پتھر اس کے ناپاک سر پر اس زور سے مارا کہ بھیجا نکل آیا اور وہ خبیث بوڑھا ختم ہو گیا اس مصیبت سے چھٹکارہ پا کر میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور کسی جہاز کے ملنے کی امید پر کنارے کیطرف

روانہ ہوا۔ کئی روز کے انتظار کے بعد کسی جہاز کا ادھر سے گذر ہوا میں نے بہت اشارے کئے جو شاید اہل جہاز نے دیکھ لئے۔ کیونکہ وہ جزیرے کے قریب آکر ٹھہرا اور ایک کشتی مجھے آکر لے گئی۔ اہل جہاز نے سب حال دریافت کیا اور اس عجیب و غریب بڈھے سے نجات پانے پر مبارکباد دی۔ پھر ہم ایک ناریل درختوں کے جزیرے میں پہنچے۔ یہ جزیرہ کافی آباد تھا اور اس میں بندر اسقدر تھے کہ خدا کی پناہ۔ میں جزیرے کی سیر کو اندرونی حصہ تک چلا گیا اور وہاں ایسا محو ہوا کہ مجھے واپسی میں کافی دیر ہوگئی۔ جب ساحل پر آیا تو معلوم ہوا کہ جہاز چلا گیا میں بہت پشیمان ہوا کہ خواہ مخواہ اس سیر و تفریح کے پیچھے نئی مصیبت مول لی۔ ساحل پر کچھ لوگ آباد تھے وہ دن کو جنگل میں کام پر جاتے اور شام کو بندروں کے خوف سے کشتی میں سوتے۔ ان میں سے ایک شخص نے حال سنکر مجھے اپنی کشتی میں جگہ دیدی۔ کہنے لگا کہ صبح کو چند ٹوکرے لے لو اور جب سب لوگ جائیں تو تم بھی ان کے ساتھ چلے جاؤ۔ یہ ناریل اکٹھے کرتے ہیں۔ کچھ ناریل اکٹھے ہو جائیں گے تو کسی جہاز والے کو فروخت کر کے روپیہ حاصل کرنا اور پھر اس جہاز میں جہاں جی چاہے چلے جانا۔ اگلے روز ان لوگوں کیساتھ میں بھی ٹوکرے لیکر چلا گیا۔ جنگل میں پہنچ کر ان لوگوں نے ناریل کے درختوں پر پتھر پھینکنے شروع کئے تھوڑی دیر میں پڑاپڑ ناریل گرنے لگے۔ میں حیران تھا کہ درخت کی چوٹی تک پتھر نہیں جاتا اور ناریل گر رہے ہیں۔ غور کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اوپر بندر چڑھے ہوئے ہیں۔ اور جب ہم پتھر پھینکتے ہیں تو ہماری نقل میں وہ وہاں سے ناریل گراتے ہیں اور لوگ ان کو اٹھا لیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بھی یہی کام شروع کر دیا۔ اور شام تک کافی ناریل جمع ہو گئے۔ اسی طرح میں روزانہ ناریل کے جنگل میں جاتا اور ناریل اکٹھے کرتا۔ جب کافی ذخیرہ ہو گیا تو ایک روز ایک جہاز آیا اور اس نے سب کے ناریل خرید لئے۔ میں اس جہاز میں سوار ہو کر روانہ ہوا اور ہم ایک ایسے جزیرے میں آئے جہاں موتی نکالے جاتے تھے۔ میرے پاس کافی دینار تھے میں نے بھی قسمت آزمائی کی۔ تقدیر یاور تھی۔ بہترین قسم کے موتی نکلے۔ میں ان کو لیکر اس جہاز میں بصرے آیا اور وہاں سے بخیر و خوبی بغداد آ گیا اور اب کی مرتبہ بہت توبہ کی کہ اب کبھی سفر کا نام نہ لوں گا

اسکے بعد بدستور سابق سندباد نے ہندباد کو سو دیناروں کی تھیلی دی اور اگلے روز کیلئے پھر مدعو کیا۔

سندباد جہازی کا چھٹا سفر

جب تک سفر کا کسل رفع نہیں ہوا اور ان ہیبت ناک واقعات کی یاد تازہ رہی جو پانچویں سفر میں مجھے پیش آئے تھے۔ میں نے اپنا عہد نبھایا۔ لیکن جب عیش و عشرت اور زندگی کی یکسانی سے جی اُچاٹ ہوا تو میں نے پھر سفر کی ٹھانی۔ تجار کی ایک جماعت کاروباری سلسلہ میں باہر جا رہی تھی میں بھی اسباب تجارت لیکر ان کے ساتھ ہو لیا۔ کچھ دنوں تک ہم لوگ امن و امان سے بحری اور بری سفر کرتے رہے ایک روز ہماری جماعت جہاز میں سفر کر رہی تھی کہ کپتان گھبرایا ہوا آیا۔ کہنے لگا کہ ہم بھنور میں پھنس گئے

ہیں۔ اور جہاز کے بچ نکلنے کی کوئی امید نہیں۔ لوگ رونے پیٹنے لگے۔ تھوڑی دیر میں ہمارا جہاز گرداب میں پھنس کر ایک زیر آب چٹان سے ٹکرایا۔ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ کچھ آدمی تو فوراً ہی غرق ہو گئے اور کچھ ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کے سہارے تیرنے لگے۔ میں بھی ایک تختہ کے اوپر بہتا ہوا ایک پہاڑ کے کنارے جا ٹھہرا تختہ سے اتر کر میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور کچھ جنگلی پتے اور جڑیں کھائیں۔ وہاں میں نے دیکھا کہ لاتعداد انسانی پنجر پڑے ہوئے ہیں۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ شاید ہم سے پہلے بھی بہت سے جہاز اس گرداب میں پھنس کر تباہ ہو چکے ہیں۔ مرنے والوں کا بہت ساز رو جواہر بھی وہیں پڑا تھا۔ ایک روز دم لینے کے بعد میں نے سوچا کہ یہاں کھانے کے لئے جنگلی پتوں اور جڑوں کے سوا کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر چند روز اسی طرح بے آب و دانہ رہنا پڑا تو یقیناً ہلاک ہو جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے کچھ ڈنڈے اکٹھے کر کے ایک چھوٹی سی کشتی بنائی اور کچھ جواہرات اپنی کمر میں باندھ لئے اسکے بعد کشتی کو سمندر میں ڈال دیا۔ توکل علی اللہ کہکر اسمیں بیٹھ کر چلدیا۔ سفر کی تھکان اور بھوک کی شدت سے طاقت برداشت جواب دے گئی۔ اور میں کشتی میں بیہوش ہو گیا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں کبتک بیہوش رہا لیکن جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میری کشتی ساحل پر بندھی ہوئی تھی اور صاف آسمان پر سورج چمک رہا تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا تو چند آدمی کنارے پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اشارے سے ان کو قریب بلایا اور حال دریافت کیا۔ لیکن وہ میری زبان نہ سمجھے نہ ان کی گفتگو میری سمجھ میں آئی مجبوراً میں نے اشارہ سے کچھ کھانے کو مانگا۔ ان لوگوں نے مجھے کھانے کو دیا۔ پھر میں کشتی سے اتر کر ساحل پر آیا۔ چند روز اسی طرح ان کے ساتھ بسر ہوئے کہ جس چیز کی مجھے ضرورت ہوئی اشاروں سے بتلاتا۔ خوش قسمتی سے ایکدن ایک شخص آیا جو عربی زبان جانتا تھا۔ اسکے ذریعہ میں نے اپنی حالت ان لوگوں کو بتلائی۔ وہ لوگ مجھے اپنے بادشاہ کے پاس لیگئے اور اسی مترجم کے ذریعہ گفتگو ہوئی۔ بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ میں بغداد کا رہنے والا ہوں تو وہ بہت خوش ہوا۔ اور کہنے لگا کہ میں خلیفہ ہارون الرشید کا باجگذار ہوں۔ چند روز اس شہر میں رہا اور جب سفر کی کلفت دور ہو گئی تو میں نے بادشاہ کو خبر کی کہ میں اپنے وطن جا رہا ہوں۔ بادشاہ نے خلیفہ کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے بہت سے تحائف اور ایک خط مجھے دیا اور ایک جہاز جو بصرے جا رہا تھا سوار کرا دیا۔ وہاں سے میں بصرے پہنچا اور پھر خشکی کے راستے بغداد آ گیا اور اس بادشاہ کے تحائف اور خط خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں پیش کئے خلیفہ بہت خوش ہوا اور مجھے کافی انعام واکرام دیا۔ اس سفر کے بعد میں نے قسم کھالی کہ آئندہ سفر کا نام نہ لونگا۔ چھٹے سفر کا حال بیان کر کے سند باد جہازی نے ہند باد کو سو دینار کی تھیلی دے کر کہا کہ کل پھر آنا۔ میں تمہیں اپنے ساتویں اور آخری سفر کی داستان سناؤں گا۔

سند باد جہازی کا ساتواں سفر

دوسرے روز شام کو حسب معمول ہند باد پھر آیا۔ اور کھانے کے بعد سند باد جہازی نے اپنی ساتویں

سفر کی کہانی شروع کی۔

مجھے سفر سے آئے ہوئے زیادہ مدت نہیں گذری تھی کہ میری طبیعت بغداد سے پھر اچاٹ ہوئی اور میں سفر کے لئے پھر تیار ہوگیا۔ جب میری روانگی سفر کی شہرت ہوئی تو خلیفہ نے مجھے اپنے دربار میں طلب کیا۔ اور فرمایا کہ تم پچھلے سفر سے واپسی میں جو خط اور تحائف لائے تھے۔ اب ہم اسکا جواب بھیجنا چاہتے ہیں۔ اس لئے جب تم روانہ ہونے لگو تو ہم سے چند تحائف اور خط کا جواب لیتے جانا۔ سامان سفر مکمل کر کے میں خلیفہ کے در دولت پر حاضر ہوا۔ اور اپنی روانگی کی اطلاع سنائی۔ چنانچہ امیر المومنین نے ایک خط اور بہت سے تحائف مجھے دیئے کہ جب تم اس جزیرے میں پہنچو تو یہ وہاں کے بادشاہ کو دیدینا۔ میں سب سامان لیکر بصرے پہنچا اور وہاں سے سوار ہو کر شہر بشہر کاروبار کرتا ہوا اس جزیرے میں پہنچا۔ جہاں کے بادشاہ کو تحائف پہنچانے تھے۔ اس جزیرے میں اتر کر میں بادشاہ کے پاس گیا اور خلیفہ کا خط اور تحائف پیش کر دیئے۔ بادشاہ نے مجھے بہت کچھ انعام واکرام دیا۔ اسکے بعد میں چین کے سفر پر روانہ ہوگیا اور طویل مدت تک سفر کر کے بخیر وعافیت چین میں پہنچ گیا۔ ابھی ہمارا جہاز لنگر انداز نہیں ہونے پایا تھا کہ کپتان سر پیٹنے لگا۔ ہم نے پوچھا کہ ساحل سامنے موجود ہے پھر تم اس قدر پریشان کیوں ہو کپتان بولا کہ ہم اسوقت بدقسمتی سے ایسی جگہ آ گئے ہیں جہاں سمندر میں جزیرہ ہے اور جہاز ساحل کیطرف بڑھنے کے بجائے خود بخود سمندر کی طرف لوٹ رہا ہے اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ ساحل چین کا نہیں ہے بلکہ ہم راستہ بھول کر اس جگہ آ گئے ہیں جہاں حضرت سلیمان علیہ السّلام کی قبر مبارک اقلیم الملک کے قریب ہے ہمارا جہاز پیچھے ہٹ رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں ایک طوفان سا اٹھتا ہوا معلوم ہوا۔ اور جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک بہت بڑی مچھلی منہ کھولے ہوئے آ رہی ہے۔ قریب آ کر مچھلی نے جہاز سے ٹکر ماری اور جہاز پاش پاش ہوگیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھیوں میں سے کون زندہ بچا اور کون ہلاک ہوگیا۔ میں ڈبکیاں کھاتا ہوا ایک شکستہ تختے پر بیٹھ گیا۔ سمندر کی موجیں مجھے یوں لئے جا رہی تھیں جیسے آندھی میں اڑتا ہوا گھاس کا تنکہ۔ اپنی اس حالت کو دیکھ کر میں اپنی عہد شکنی کو رو رہا تھا۔ کہ میں نے کیوں یہ سفر اختیار کیا۔ آخر ایکدن طوفان کی ہلاکت خیزیوں میں رہ کر وہ تختہ کسی جزیرے کے کنارے جا لگا۔ میں فوراً خشکی پر اتر آیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ جب قدرے طبیعت کو سکون ہوا تو میں اٹھ کر گھومنے لگا۔ سامنے ایک بہت بڑی نہر نظر آئی۔ میں نے اسکے کنارے بیٹھ کر ایک کشتی بنائی۔ اور نہر میں سفر شروع کر دیا۔ تین چار روز تک میں اطمینان سے اس نہر میں سفر کرتا رہا۔ ایک روز میں نے دور سے دیکھا کہ نہر ایک پہاڑی چٹان سے ہو کر گذرتی ہے۔ یہ دیکھ کر میرے ہوش وحواس جاتے رہے۔ ہر چند کوشش کی کہ کشتی کا رُخ پھیر دوں لیکن پانی کا بہاؤ اتنا تیز تھا کہ میری کوئی پیش نہ گئی۔ مجبوراً آنکھیں بند کر کے کشتی میں لیٹ گیا اور دل ہی دل میں خدا سے اپنی سلامتی کی دعائیں مانگتا رہا۔ کشتی اپنی رو میں الٹتی پلٹتی پہاڑ کے نیچے سے سلامتی کے ساتھ گذر گئی۔ میں نے سجدۂ شکر ادا کیا اور پھر کشتی کو

سنبھالنے کے لئے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ سامنے دیکھا کہ ایک عالیشان شہر ہے۔ کنارے کچھ آدمی کھڑے ہیں۔ میں نے اشارے سے ان سے درخواست کی کہ مجھے بچائیں ان لوگوں نے بصد دقت میری کشتی کو روکا اور مجھے کنارے پر لیگئے۔ بھوک کی شدت سے میری جان لبوں پر آرہی تھی۔ ان لوگوں نے مجھے کھانا دیا۔ پھر اپنے ساتھ شہر لے گئے اور تین روز تک میری ایسی خاطرمدارات کی میں اپنا گھر بھول گیا۔ چوتھے روز مجھے ساحل پر لیکر آئے اور کہنے لگے یہ تمہارا مال ہے۔ اگر تم چاہو تو اسکو اچھے منافع پر فروخت کیا جاسکتا ہے۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ میرے ساتھ تو کوئی مال واسباب نہیں وہ ہنس کر کہنے لگے یہ لکڑی جس سے تم نے کشتی بنائی ہے بیحد قیمتی ہے اور گو اسوقت بازار کا بھاؤ گرا ہوا ہے لیکن پھر بھی کم ازکم گیارہ سو دینار میں فروخت ہوسکتی ہے۔ یہ کہکر وہ مجھے اپنے گھر لائے اور گیارہ سو دینار اور رہائش کیلئے ایک مکان دیا۔ اس تمام عرصہ میں میرا میزبان ایک بوڑھا شخص رہا تھا۔

جب میں وہاں رہنے لگا تو ایک روز بوڑھے نے کہا کہ میرا آخری وقت آچکا ہے۔ اگر تم میری لڑکی کو اپنی زوجیت میں قبول کرلو۔ تو بڑی مہربانی ہوگی۔ میں نے اسکا شکریہ ادا کیا اور شادی کرکے ہنسی خوشی رہنے لگا۔ چند روز بعد اس بوڑھے کا انتقال ہوگیا اور اس کی تمام جائیداد کے میں اور میری بیوی وارث قرار پائے۔ ایک ہفتہ کے بعد میں نے محسوس کیا کہ یہ لوگ عجیب مخلوق ہیں۔ کیونکہ ہر مہینہ ان کے پر نکل آتے ہیں اور یہ اڑکر کہیں جاتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص کی خوشامد کرکے میں بھی اسکے پروں سے لپٹ گیا۔ اور وہ اڑکر مجھے ایک پہاڑ پر لیگیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ اسی قسم کے اور بہت سے پردار آدمی ہیں۔ اور فرشتوں کی تسبیح وتہلیل کی جان پرور آوازیں آرہی ہیں۔ بے اختیار میری زبان سے سبحان اللہ نکل گیا۔ یہ سنتے ہی وہ سب مجھ پر پل پڑے اور ادھ موا کرکے چھوڑ گئے۔ میں سخت حیران تھا کہ ایک مصیبت سے چھوٹتا ہوں اور دوسری آموجود ہوتی ہے۔ اسی اثنا میں دو بہت ہی خوبصورت نوجوان میرے قریب آئے اور سلام کرکے مجھے تسلّی دی اور ایک سونے کی چھڑی دیکر کہہ گئے کہ اب نیچے اترو۔ میں پہاڑ سے نیچے اترنے کی کوشش کررہا تھا اور تھوڑی دور چلا تھا کہ سامنے سے ایک شخص بھاگتا ہوا آیا۔ جس کے تعاقب میں ایک اژدہا آرہا تھا۔ میں نے اس آدمی کو اژدھے کے منہ سے چھڑایا وہ میرا بہت ممنون ہوا اور ہم دونوں آگے چلے۔ تو کیا دیکھتا ہوں سامنے سے وہی شخص آرہا ہے جو اپنے پروں پر اٹھاکر پہاڑ تک لایا تھا۔ قریب آکر اس نے میری منت خوشامد کی اور اپنے پروں پر بٹھاکر مجھے گھر چھوڑ گیا۔ میری بیوی نے میری سلامتی پر شکر ادا کیا اور کہنے لگی کہ ان لوگوں سے بالکل میل جول مت رکھو۔ یہ لوگ اخوان الشیاطین ہیں۔ میں نے کہا کہ پھر ایسے ملک میں رہنے سے کیا فائدہ۔ وہ کہنے لگی بسم اللہ اپنے وطن چلو چنانچہ میں نے کل جائیداد فروخت کرکے اسباب تجارت خریدا اور ایک جہاز پر سوار ہوکر بخیریت بصرے آگیا۔ اور وہاں سے خرید وفروخت کرتا ہوا بغداد پہنچا اور ہمیشہ کے لئے سفر سے توبہ کرلی۔ اب مدت سے عیش وآرام کی زندگی بسر کرتا ہوں۔

یہ قصہ سندباد نے سناکر ایک سو دینار کی تھیلی ہند باد کو دی اور کہا کہ اگر تمہیں منظور ہو تو آئندہ میرے

پاس رہو۔ اور کاروبار کرو۔ چنانچہ ہند باد معہ اپنے اہل وعیال کے سند باد کے پاس آگیا اور بھائیوں کیطرح رہنے لگا۔ جب یہ کہانی ختم ہوئی تو دنیا زاد نے اس کی بہت تعریف کی شہرزاد کہنے لگی کہ بہن اگر بادشاہ نے کل مجھے قتل نہ کیا تو انشاء اللہ کل ایک اس سے بھی عجیب اور دلچسپ کہانی سناؤں گی۔ بادشاہ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ جبتک اس کی کہانیاں نہ سن لونگا۔ اس کو قتل نہیں کرنا چاہیئے۔ وہ شہرزاد کی قابلیت اور حسن بیان وخوبصورتی کا روز بروز شیدا ہوتا جارہا تھا۔

ایک غلام کی غلط بیانی اور بیقصور عورت کا قتل

دوسری شب کو شہرزاد نے حسب وعدہ کہانی شروع کی۔ بادشاہ گو زبان سے کچھ نہیں کہتا تھا لیکن کہانیاں بڑی سوجھ سے سن رہا تھا۔

خلیفہ ہارون الرشید ایک روز سر شام جعفر و مسرور کیساتھ لباس تبدیل کیئے ہوئے حالات معلوم کرنے کیلئے پھر رہا تھا۔ ایک بوڑھے ماہی گیر کو دیکھا کہ بیٹھا ہوا قسمت کا گلہ کر رہا ہے خلیفہ نے جعفر سے اشارہ کیا کہ حال دریافت کرو۔ جعفر بوڑھے کے پاس گیا۔ اور ہمدردی سے پوچھا کہ چچا کیا بات ہے۔ تقدیر کا شکوہ کیوں کر رہے ہو۔ بوڑھا بولا کہ میں ایک غریب عیال دار ماہی گیر ہوں۔ آج تمام دن دریا میں جال ڈالتا رہا لیکن ایک مچھلی بھی ہاتھ نہیں آئی اور گھر والوں کے پاس ایک وقت کی بھی غذا نہیں ہے۔ خلیفہ نے کہا۔ کہ اچھا میرے ساتھ دریا پر چلو اور جال ڈالو۔ جو کچھ بھی نکلے گا میں سو دینار میں خرید لونگا۔ بوڑھا بہت خوش ہوا۔ اسی وقت جال کاندھے پر ڈال چلنے کو تیار ہو گیا۔ دریا پر پہنچکر ماہی گیر نے جال پھینکا۔ اتفاقاً جال میں ایک بھاری صندوق آگیا۔ خلیفہ نے حسب وعدہ سو دینار عطا فرما دیئے۔ اور صندوق لیکر محلسرائے میں واپس آیا۔ صندوق کھولا گیا۔ تو اس میں ایک جوان عورت کی ٹکڑے ٹکڑے کی ہوئی لاش برآمد ہوئی خلیفہ ہارون نے جعفر کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اتنا بڑا ظلم میرے قدموں کے نیچے ہو جائے۔ اور کسی کو خبر تک نہ ہو۔ میں تمہیں تین روز کی مہلت دیتا ہوں۔ اگر اس عرصہ میں صحیح حالات اور قاتل نہ ملا تو تم قتل کیئے جاؤ گے۔ جعفر حیران وپریشان گھر واپس آیا۔ وہ جانتا تھا کہ تین روز میں اس واقعہ کا سراغ ملنا ناممکن ہے اسلیئے اپنی زندگی سے ناامید ہو گیا اور گھر میں بیٹھ کر خداوند کریم وکارساز سے دعا کرتا رہا۔ تین روز کے بعد۔ بادشاہ نے جعفر کے قتل کا اعلان کرا دیا اور ساتھ ہی اسباب قتل بھی مشہور کر دیئے گئے کہ دریا سے صندوق میں بند ایک عورت کی لاش برآمد ہوئی ہے اور اسکا قاتل نہیں ملا۔ وزیر اعظم کو تین روز کی مہلت دی گئی تھی۔ کہ وہ قاتل کو تلاش کر لیں ورنہ اُن کو قتل کر دیا جائے گا چونکہ قاتل کا کوئی سراغ برآمد نہیں ہوا۔ اسلیئے آج جعفر وزیر قتل کیئے جائیں گے۔

جب جعفر کو مقتل میں لایا گیا تو ایک بوڑھا شخص آگے بڑھا۔ اور کہنے لگا کہ قاتل میں ہوں۔ جعفر اس سے کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا۔ کہ صفوں کو چیرتا ہوا ایک نوجوان آیا۔ اور بولا کہ حضور آپ بھی

بے قصور ہیں۔ اور یہ بزرگ بھی حقیقتاً قاتل میں ہوں لوگ متعجب ہوئے کہ دو دو شخص امر عالی قتل کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس واقعہ کی اطلاع خلیفہ ہارون الرشید کو کی گئی۔ اس نے سب لوگوں کو دربار میں طلب کیا اور اس بوڑھے اور جوان سے اصل حالات دریافت کئے۔

نوجوان شخص نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ حضور یہ بزرگ میرے چچا بھی ہیں اور خسر بھی۔ ان کی لڑکی اور اپنی بیوی کا قاتل میں ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ میری مقتول بیوی بیمار تھی۔ ایک طبیب نے اسکے لئے سیب تجویز کئے تھے۔ میں نے ہرچند سیب تلاش کئے لیکن بغداد میں اسوقت ایک سیب بھی نہ ملا۔ ایک شخص نے کہا کہ بصرے کے شاہی باغ میں آجکل سیب مل سکتے ہیں۔ اور کہیں نہیں۔ چنانچہ میں بصرے گیا اور بدقت تمام تین دینار میں تین سیب خریدے اور لاکر اپنی بیوی کو دیدیئے۔ شام کو میں اپنی دوکان پر بیٹھا تھا کہ سامنے سے ایک غلام سیب اچھالتا ہوا جارہا تھا۔ میں نے پہچانا کہ یہ وہی سیب ہے جو میں بصرے سے لایا تھا میں نے اسکو بلایا اور دریافت کیا۔ کہ یہاں تو سیب نہیں ملتا تم کہاں سے لائے وہ کہنے لگا کہ میری معشوقہ نے دیا ہے۔ میں کئی روز سے باہر گیا ہوا تھا۔ آج واپس آیا تو معلوم ہوا کہ وہ علیل ہے۔ میں مزاج پرسی کو گیا چنانچہ اس نے یہ سیب مجھے دیدیا۔ جو اسکا بیوقوف خاوند بصرے سے اسکے لئے لایا تھا۔ غلام کی بات سنکر غیرت اور غصّہ سے میری حالت مجنون جیسی ہوگئی۔ اسوقت میں گھر گیا تو دیکھا کہ میری بیوی کے پاس صرف دو سیب رکھے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ تیسرا سیب کیا ہوا۔ وہ بولی مجھے معلوم نہیں شاید کسی بچہ نے اٹھالیا ہوگا مجھے چونکہ اصل واقعہ معلوم تھا اسلئے میں ضبط نہ کرسکا اور میں نے اسکو قتل کرکے صندوق میں بند کیا اور دریا میں ڈال آیا۔ تھوڑی دیر بعد میرا لڑکا روتا ہوا آیا۔ میں نے پوچھا کیا ہوا وہ بولا کہ میں یہاں سے ایک سیب لیکر باہر چلا گیا تھا۔ وہ میرے ہاتھ سے ایک غلام نے چھین لیا۔ میں رونے لگا تو وہ غلام بولا کہ تو یہ سیب کہاں سے لایا۔ میں نے کہا کہ میری ماں بیمار ہے۔ میرا باپ اسکے لئے تین سیب بصرے سے لایا ہے۔ میرا سیب دیدو ورنہ میری ماں مارے گی۔ اس غلام نے مجھے مارا اور سیب لیکر بھاگ گیا۔ بچے سے یہ واقعہ سنکر مجھے اتنی پشیمانی ہوئی کہ عرض نہیں کرسکتا۔ لیکن اب کیا کرسکتا تھا اسکے بعد میں نے اپنے خسر کو کل واقعہ کی اطلاع کی وہ بھی رونے لگے۔ ہم ابھی ماتم داری سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ اطلاع ملی کہ میری بیوی کے قتل کے عوض میں جعفر وزیر اعظم بلا قصور مارے جارہے ہیں۔ چنانچہ میں وہاں پہنچا اور اپنے جرم کا اقرار کیا۔

خلیفہ نے اس جوان اور بوڑھے کو معاف کردیا اور کہا کہ اصل قصور اس غلام کا ہے جس نے اتنا بڑا بہتان تراشا اور اس کے بعد جعفر کو حکم دیا کہ اس غلام کو تلاش کراؤ۔ جعفر نے اس نوجوان کی امداد سے ہرچند کوشش کی لیکن غلام کا کوئی سراغ نہ ملا۔ جعفر بادشاہ کے مزاج سے واقف تھا کہ اگر غلام نہیں ملیگا تو وہ مجھے ہرگز معاف نہیں کریگا۔ اسی پریشانی میں اگلے روز جعفر اپنی چھوٹی لڑکی کو پیار کرکے باہر جانے لگا۔ تو اس نے محسوس کیا کہ لڑکی کی جیب میں کوئی سخت چیز ہے۔ نکالکر دیکھا تو وہ ہی کمبخت

سیب ہے۔ جس کے لئے پہلے ایک قتل ہو چکا تھا۔ اور اب جعفر کی جان مصیبت میں پھنسی ہوئی تھی۔ اس نے اس سے پوچھا کہ یہ سیب تمہیں کہاں سے ملا۔ لڑکی بولی کہ میں نے اپنے غلام ریحان سے تین دینار میں خریدا ہے۔ جعفر نے غلام کو طلب کیا اور سیب دکھا کر پوچھا کہ یہ سیب تم کہاں سے لائے تھے۔ غلام نے کہا کہ حضور کئی روز ہوئے جب میں نے یہ سیب ایک لڑکے سے چھینا تھا۔ جعفر نے غلام کو گرفتار کرا لیا اور شہنشاہ کی خدمت میں لیکر حاضر ہوا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس غلام کو سرِ عام قتل کیا جاوے۔ جعفر نے دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کیا کہ غلام کا بھی قصور ارادی نہیں ہے۔ اس نے جھوٹ تو ضرور بولا مگر اسکو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ جس شخص سے غلط بیانی کر رہا ہے وہ اس لڑکے کا باپ ہے جس سے میں نے سیب چھینا ہے اور میں آپکو نورالدین اور شمس الدین کا قصہ سناتا ہوں جو شاید اس سے بھی زیادہ عجیب ہے

نورالدین اور شمس الدین کی کہانی

پچھلے زمانہ میں مصر پر ایک عادل بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اسکے وزیر کے دو لڑکے تھے نورالدین اور شمس الدین۔ ایک روز شام کو دونوں بھائی بیٹھے ہوئے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ نورالدین بولا۔ کہ کیا ہی اچھا ہو جو ہم دونوں بھائیوں کی شادی ایک ہی گھر میں ہو جائے اور ایک ہی روز ہم دونوں کے یہاں لڑکے پیدا ہوں۔ شمس الدین نے کہا کہ میرے یہاں لڑکا اور تمہارے یہاں لڑکی ہو اور ان دونوں کی شادی کر دی جائے۔ نورالدین نے کہا کہ اچھا بتاؤ تم میری لڑکی کو حق مہر میں کیا دو گے۔ بڑا بھائی شمس الدین کہنے لگا تین ہزار دینار سرخ اور تین باغ۔ نورالدین نے کہا کہ مجھے اتنا چھوٹا حق مہر منظور نہیں۔ میری اور تمہاری حیثیت برابر ہے۔ شمس الدین کو اس بات پر غصہ آ گیا اور کہا کہ تم میری توہین کر رہے ہو۔ صبح ہونے دو میں تمہیں اسکا مزہ چکھاؤں گا۔ غصہ میں شمس الدین دانت پیستا ہوا چلا گیا۔ نورالدین کو بھی اپنے بھائی کے سخت الفاظ کا ملال تھا۔ رات بھر دونوں اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہے۔ شمس الدین صبح کو باپ کیساتھ شکار کھیلنے چلا گیا۔ لیکن نورالدین مناسب زادِ راہ لیکر بصرہ کیطرف روانہ ہو گیا۔ کئی روز کے تھکا دینے والے سفر کے بعد بصرے پہنچا۔ اور ایک مکان کا انتظام کر کے تلاش روزگار میں پھرنے لگا۔ نورالدین ایکدن بازار میں کھڑا تھا کہ بصرے کے وزیر کی سواری گذری۔ وہ بھی تماشہ دیکھنے لگا۔ اتفاقاً وزیر کی نظر نورالدین پر پڑ گئی اور اس نے اپنے تجربہ اور قیافہ سے اندازہ لگایا کہ یہ کسی اونچے گھرانے کا نوجوان ہے۔ اپنے ہمراہیوں میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ نورالدین کو اپنے ساتھ لاکر میرے سامنے پیش کرے۔ چنانچہ ایک شخص نورالدین کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا کہ آپ کو وزیراعظم بلاتے ہیں۔ میرے ساتھ چلئے۔ نورالدین اسکے ساتھ چلا۔ اور وزیر کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت ادب سے سلام کیا۔ وزیر نے بڑی شفقت سے اپنے پاس بٹھایا اور دریافت کیا۔ کہ کہاں کے رہنے والے ہو۔ اور کسطرح یہاں آنا ہوا۔ نورالدین نے ضروری حالات عرض کئے اور کہا کہ میں مصر کے وزیراعظم کا لڑکا ہوں۔ بعض معاملات ناگوارِ خاطر پیش آئے۔ اور میں گھر سے چلا آیا

ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ اب اہل خاندان کو اپنی اطلاع دوں۔ اگر خدا نے فضل کیا اور میں اپنی قوت بازو سے کسی قابل ہو گیا تو دیکھا جائیگا۔ وزیر نے جوہر قابل پر کھ لیا تھا۔ چنانچہ نورالدین کو اپنے پاس رکھ لیا اور ہر روز اسکی قابلیت اور ذہانت کا معترف ہوتا رہا۔ اس عرصہ میں خفیہ وزرائے سے نورالدین کے بیان کی تصدیق بھی کر چکا تھا۔ ایک روز اس نے نورالدین سے کہا کہ میرے کوئی نرینہ اولاد نہیں میں چاہتا ہوں کہ اپنی لڑکی کی شادی تم سے کر دوں اور بطور فرزند داماد اپنا وارث بنا لوں۔ نورالدین نے منظور کر لیا چنانچہ وزیر نے بڑی دھوم دھام سے اپنی لڑکی کی شادی نورالدین سے کر دی اور اپنی جائیداد کا وارث بھی کر دیا اسی اثنا میں نورالدین نے اپنی ذاتی استعداد سے شہر میں کافی رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ اور تمام امرا دربار اسکو پسند کرنے لگے تھے۔ وزیر نے ایک روز اسکو بادشاہ کے سامنے اپنا بھتیجا اور داماد کی حیثیت سے پیش کیا۔ بادشاہ نے دربار میں حاضری کی اجازت دیدی اور زمرۂ امراء دربار میں شامل کر لیا۔ قضا رقدر سے جس روز نورالدین کی شادی ہوئی تھی اسی روز مصر میں شمس الدین کی شادی بھی کسی رئیس شہر کی لڑکی سے ہو گئی تھی۔ اور نو ماہ کے بعد ایک ہی دن بصرے میں نورالدین کے یہاں اور مصر میں شمس الدین کے گھر لڑکی پیدا ہوئی اور اسی طرح وہ خواب جو دونوں بھائیوں نے تصور میں شمس الدین اور نورالدین نے دیکھا۔ اصل حقیقت بن گیا۔ نورالدین نے اپنے لڑکے کا نام بدرالدین حسن رکھا۔ باپ اور نانے نے بچے کے مستقبل کا شروع ہی میں فیصلہ کر لیا تھا چنانچہ اسکی تربیت کا بہترین انتظام کر دیا گیا اور یہ لوگ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ نورالدین دربار شاہی میں جاتا رہا اور اپنی قابلیت اور قوت کارکردگی سے بادشاہ کے دل میں گھر کر چکا تھا جب وزیر اعظم بصرہ اور نورالدین کے خسر کا قضائے الٰہی سے انتقال ہو گیا تو بادشاہ نے نورالدین ہی کو اپنا وزیر اعظم بنا لیا۔

شمس الدین بھائی سے لڑ کر اسوقت تو باپ کیساتھ شکار کو چلا گیا لیکن واپسی پر اسکو ندامت ہوئی کہ ہم خواہ مخواہ آپس میں لڑے اور میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو ایسی ملامت کی جو کسی طرح مناسب نہ تھی۔ چنانچہ وہ بھائی کے پاس آیا تو معلوم ہوا کہ نورالدین کسی طرف خاموشی سے نکل گیا۔ شمس الدین کو بہت صدمہ ہوا اور باپ کو اسکے چلے جانے کی اطلاع کی لیکن وہ واقعہ بیان نہیں کیا جو جھگڑے کی بنا تھا۔ باپ نے ہرچند نورالدین کی تلاش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ مجبوراً صبر کر کے خاموش ہو گیا۔ کچھ دن بعد شمس الدین کی شادی ہو گئی اور اسی دوران میں باپ کا انتقال ہو گیا اور شاہ مصر نے شمس الدین کو اپنا وزیر بنا لیا۔ لیکن شمس الدین کے دل سے پشیمانی کا وہ احساس نہ گیا کہ صرف میری وجہ سے چھوٹا بھائی گھر چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ اور اب خدا جانے کس حال میں ہوگا۔

نورالدین نے اپنے زمانۂ وزارت میں رعایا کے راحت و آرام کیلئے بڑے بڑے کام سرانجام دیئے اور لوگ اس سے اتنی محبت کرنے لگے کہ شاید ہی کسی وزیر کو حاصل ہوئی ہو۔ اس دوران میں اسکا لڑکا بدرالدین حسن بھی تعلیم و تربیت حاصل کر کے جوانی کی سرحد میں داخل ہو چکا تھا۔ چنانچہ نورالدین اسکو اپنے

ساتھ دربار میں لیجاتا اور ذمہ دار کاموں کی عملی تعلیم دیتا۔ بادشاہ بھی اس سے بہت خوش رہتا تھا۔ رعایا کے مفاد کے کاموں کی نگرانی بدرالدین حسن کے ہی سپرد تھی۔ اور وہ عوام میں اتنا مقبول تھا کہ لوگ اسپر پروانہ وار نثار ہوتے تھے۔ اسی زمانہ میں نورالدین بیمار ہو گیا۔ اور بادشاہ نے وزارت عظمیٰ کا کام بھی بدرالدین کے سپرد کر دیا۔ دربار میں کچھ حاسد بھی تھے جو ان باپ بیٹوں کا اقتدار دیکھ دیکھ کر جلتے تھے۔ انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور بادشاہ کو یہ سمجھایا کہ بدرالدین حسن اور نورالدین رعایا میں بہت مقبول ہیں اور ان کا اتنا اثر قائم ہو چکا ہے اگر کسی وقت خلاف کھڑے ہو گئے تو آپکے شہزادے کو سلطنت سنبھالنی مشکل ہو جائے گی۔ اور کیا تعجب ہے۔ یہ حکومت پر قبضہ کرنے کی نیت ہی سے اجتک ایسی کوشش کرتے رہے ہوں کہ عوام اور خواص سے اچھا سلوک کرکے اپنا شریک کر لیں۔ بات ایسی چبھتی ہوئی تھی کہ بادشاہ کے دل میں بیٹھ گئی اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ کوئی الزام لگا کر ان کو الگ کرنا چاہیئے۔ اتفاقاً نورالدین کی علالت زیادہ بڑھ گئی اور چند ہی روز میں اسکا انتقال ہو گیا۔ بدرالدین حسن اپنے باپ کے غم میں دیوانہ ہو گیا اور ہر وقت اسکو یاد کرتا اور روتا۔ اس عرصہ میں بادشاہ نے ایک دوسرے شخص کو وزیراعظم مقرر کر دیا اور ایام ماتم پورے ہونے سے پہلے ہی حکم دیدیا کہ بدرالدین حسن کو گرفتار کر لیا جائے اور اسکا مال و املاک ضبط کر لیا جائے اسکے باپ کے نمک خواروں میں سے ایک وفادار خاموشی سے آیا اور بدرالدین حسن سے کہنے لگا کہ اسی وقت کسی طرف نکل جاؤ۔ ورنہ ممکن ہے کہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں۔ چنانچہ جس حال میں اسوقت تھا۔ اسی طرح گھر سے نکل آیا۔ اور شہر سے باہر ایک قبرستان میں جا کر پناہ لی۔ نورالدین نے مرنے سے پہلے اپنا کل حال سنا دیا تھا اور ایک خط بھی شمس الدین کے نام لکھدیا تھا جسمیں کچھ ایسے اشارے تھے کہ جن کو صرف وہ ہی پہچان سکتا تھا۔ وہ بطور تعویذ اسکے گلے میں پڑا تھا یا بدن کے کپڑے تھے۔ اسکے سوا کوئی چیز بدرالدین حسن کے پاس نہیں تھی۔ اتفاقاً اسوقت ایک یہودی کہیں باہر سے آگیا اور بدرالدین حسن کو اس حال میں دیکھ کر کہنے لگا کہ آپ یہاں اس حال میں کیوں ہیں۔ بدرالدین سمجھ گیا کہ اسکو کچھ حال معلوم نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے والد کو خواب میں دیکھا۔ کہ وہ ناراض ہو رہے تھے کہ میرے پاس نہیں آیا۔ مجھے اتنی پریشانی ہوئی کہ اسی وقت گھر سے نکلا۔ اور یہاں چلا آیا۔ تو یہودی کہنے لگا کہ آپکے مال و اسباب آرہے ہیں ان میں سے فلاں مال میں خریدتا ہوں اگر آپ تیار ہوں تو دس ہزار دینار منافع اور ایک لاکھ اصل قیمت دینے کو تیار ہوں۔ آپ مجھے تحریر لکھدیں۔ بدرالدین حسن کو یہ غنیمت معلوم ہوا چنانچہ اس نے منظور کر لیا اور تحریر لکھدی۔ یہودی نے نفع کی رقم تو اسی وقت ادا کر دی اور ایک لاکھ روپیہ کی ہنڈی مصر کے اپنے آڑھتی کے نام دیدی اسکے بعد یہودی چلا گیا اور بدرالدین حسن وہیں ایک سمت لیٹ گیا اور سو گیا۔ اتفاقاً ادھر سے ایک جن کا گذر ہوا اور بدرالدین حسن کو دیکھکر ٹھہر گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک پری آئی اور جن سے کہنے لگی کہ مصر کے وزیر کی ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی ہے اور بادشاہ نے ناراض ہو کر اس کی شادی ایک کبڑے سائیس سے کرنیکا حکم دیا ہے۔ چنانچہ آج ہی رات کو وہ

شادی ہونیوالی ہے۔ میری رائے میں بہتر یہ ہے کہ اس نوجوان کو وہاں لے چلو اور کبڑے سائیس کے بجائے اس سے شادی کرادو۔ جن نے منظور کرلیا اور بدرالدین حسن کو اٹھاکر مصر لیگئے۔ اسوقت کبڑا سائیس دولہا بنایا جارہا تھا۔ شادی کے ہنگامہ کا شور سنکر بدرالدین جاگا اور حیران رہ گیا کہ میں کہاں آیا ہوں قریب تھا کہ شور مچاتا لیکن جن نے اصل واقعہ بتا کر اسے حکم دیا کہ جو کچھ ہم کہیں وہ کرتے رہو۔ جب بارات چلی تو جن نے بدرالدین کو کبڑے کے دائیں طرف چلنے کا حکم دیا اور ایک اشرفیوں کی تھیلی دیدی کہ خوب لٹاؤ یہ ختم نہیں ہوں گی۔ بارات وزیر کے مکان پر پہنچی اور مراسم نکاح کی ادائیگی کا وقت آیا۔ اسوقت جن نے قاضی صاحب کو الگ بلاکر اپنی صورت دکھائی۔ خوف کے مارے قریب تھا کہ قاضی صاحب بیہوش ہوجائیں لیکن جن نے انھیں تشفی دی اور کہا کہ اس مردود کبڑے کی بجائے تم خاموشی سے وزیر کی لڑکی کا نکاح اس جوان سے پڑھ دو۔ قاضی صاحب کانپتے ہوئے آکر بیٹھے اور نکاح خوانی کیوقت آہستہ سے بدرالدین کیطرف متوجہ ہوکر نکاح پڑھدیا۔ کبڑا دولہا یوں ہی بیٹھا رہا۔ اتنے میں جن نے لوگوں کو دوسری طرف ایسا ڈرایا کہ ایک ہنگامہ برپا ہوگیا اور کسی کو یہ پتہ نہ چلا کہ نکاح کبڑے کے بجائے بدرالدین سے ہوگیا۔ جب قدرے سکون ہوا اور باقی باراتی رخصت ہوگئے تو دولہا کو حجلہ عروسی میں طلب کیا گیا۔ کبڑے نے بدرالدین کی طرف دیکھ کر کہا کہ تم کیوں باہر نہیں جاتے۔ پری نے بدرالدین کو سکھا دیا تھا کہ تم کبڑے کی کسی بات کا جواب نہ دینا اور خود حجلہ عروسی میں چلے جانا کبڑے کا ہم انتظام کردیں گے۔ چنانچہ بدرالدین اندر چلا گیا اور جن بلی کی شکل بن کر کبڑے کے سامنے غرایا۔ پھر گدھے کی شکل بن گیا جسے دیکھ کر کبڑے میاں ڈر گئے

جن کا مختلف شکلوں میں کبڑے دولہا کو ڈرانا

پھر ایک گرانڈیل بھینسا بن کر کبڑے کیطرف چلا۔ کبڑے کے ہوش وحواس جاتے رہے اور بھاگنے کا ارادہ کیا۔ تو جن پھر آدمی بن کر اسکے سامنے آیا۔ کہنے لگا۔ کہ خبردار جو یہاں سے حرکت کی یا کسی سے تم نے

اس واقعہ کا ذکر کیا۔ اس کے بعد کبڑے کو الٹا کر کے دیوار کے سہارے کھڑا کر دیا۔ اور آپ غائب ہو گیا۔

کبڑے میاں تو خوف کیوجہ سے بدستور دیوار کے سہارے الٹے کھڑے رہیں لیکن بدرالدین حسن اندر پہنچا۔ کنیزیں عروس تک اس کو لائیں اور پھر وزیرزادی کو مبارکباد دیکر رخصت ہو گیئں۔ دلہن کو بعد منظر کبڑے کے بجائے ایک بیحد حسین نوجوان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ بدرالدین حسن جن اور پری سے کل قصہ معلوم کر چکا تھا۔ بے تکلف دلہن کے پاس بیٹھ گیا۔ دلہن نے اس سے پوچھا کہ میں نے سنا تھا میری شادی ایک کبڑے سائیس سے کی جا رہی ہے۔ بدرالدین نے اُسے آغوش محبت میں لیکر کہا۔ کہ تمہارا کبڑا سائیس میں ہی ہوں۔ پھر دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے اور بدرالدین نے دلہن کو جن اور پری کا واقعہ سنایا۔ اسکے بعد دونوں نے پہلو بہ پہلو لیٹ کر آرام کیا۔ سونے سے قبل بدرالدین اپنا لباس اتار کر قریب کی ایک کرسی پر رکھدیا تھا اور اشرفیوں کی وہ تھیلی بھی تھی جو اس نے یہودی سے لی تھی۔ صبح کے قریب جن اور پری نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر صبح کو بادشاہ نے حال معلوم کر کے اس غریب کو ہلاک کرا دیا تو بہت بری بات ہو گی۔ اس لئے اس نوجوان کو کسی دوسری جگہ پہنچا دینا چاہیئے۔ اور کبڑے کو تاکید کر دینی چاہیئے۔ کہ وہ اس واقعہ کا ذکر نہ کرے اور فوراً اس ملک کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلا جائے۔ چنانچہ پہلے تو کبڑے کے پاس گئے جو بدستور الٹا کھڑا تھا اور اسکو خوب ڈرا دھمکا کر کہدیا کہ اگر کل شام تک تم اس ملک میں نظر آئے تو تمہاری خیر نہیں۔ اسکے بعد انہوں نے بدرالدین کو اٹھایا۔ اور دمشق کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر لٹا دیا۔ صبح کو جب بدرالدین کی آنکھ کھلی اور اپنے آپ کو اس حال میں پایا تو بہت حیران ہوا۔ نمازی اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے اور حال دریافت کرنے لگے کہ تم کون ہو اور یہاں کیوں پڑے تھے۔

بدرالدین نے اپنا کل واقعہ سنایا تو لوگوں نے سمجھا کہ غریب کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ عجیب باتیں کرتا ہے پرسوں بصرے میں تھا کل مصر میں شادی ہوئی۔ رات وزیرزادی کے ساتھ سویا اور اب دمشق کی جامع مسجد میں آ گیا ہے۔ خود بدرالدین بھی سوچ رہا تھا کہ جو کچھ میں نے دیکھا۔ وہ واقعہ تھا یا خواب۔ جب لوگوں نے زیادہ پریشان کیا تو غریب اٹھ کر ایک طرف چلدیا۔ راستے میں حلوائی کی دوکان تھی اس پر جا کر بیٹھ گیا۔ یہ حلوائی کسی زمانہ میں ڈاکو رہ چکا تھا۔ اب مدت سے توبہ کر لی تھی اور دوکانداری کر کے اپنی گذر گیا کرتا تھا۔ اس نے بھی حال دریافت کیا۔ بدرالدین ڈرتے ڈرتے سنانے لگا۔ اور کہنے لگا۔ کہ اس سے پیشتر کہ آپ مجھے دیوانہ قرار دیں اگر مناسب سمجھیں تو میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسکی بصرے اور مصر سے تحقیق کرائیں اور اس مدت میں میں آپ کی دوکان پر کام کرتا رہوں گا۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہو جائیگا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس میں اصلیت ہے۔ یا نہیں۔ حلوائی بہت دانا تھا۔ اس نے اتنی ہی گفتگو سے اندازہ کر لیا کہ یہ نوجوان صحیح کہہ رہا ہے۔ وہ بولا کہ بیشک جو کچھ باتیں تم نے کہی ہیں صحیح ہیں۔ لیکن میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم انکا کسی سے ذکر نہ کرو۔ کیونکہ لوگ ان کو سمجھ نہیں سکتے اور میں خوشی سے تیار ہوں کہ تم میرے پاس میری اولاد کیطرح رہو۔ میرے کوئی لڑکا یا لڑکی نہیں ہے۔ بدرالدین نے اسکو

غنیمت سمجھا اور وہ حلوائی کے یہاں رہنے لگا۔
ادھر مصر میں جب وزیر زادی بیدار ہوئی اور بدرالدین کو نہ پایا تو بہت حیران ہوئی لیکن یہ خیال کرکے خاموش ہو گئی۔ کہ شاید یہیں کہیں گئے ہونگے۔ کیونکہ بدرالدین کا مکمل لباس کرسی پر بدستور رکھا تھا۔ اتنے میں ایک کنیز حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ آپ کے والد تشریف لاتے ہیں۔ وزیرزادی نے لباس ٹھیک کیا۔ اور ادب سے باپ کے استقبال کو تیار ہو گئی۔ اتنے میں وزیر بارِ غم سے دبا ہوا اندر آیا۔ بیٹی نے سلام کیا اور اپنے باپ کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ وزیر حیران رہ گیا کہ لڑکی تو ہشاش بشاش نظر آتی ہے۔ کیا یہ اتنی گذر گئی ہے کہ کبڑے سائیس سے شادی ہونے پر بھی خوش ہے۔ آخر وزیر نے پوچھ ہی لیا کہ بیٹی کیا تم اس کبڑے سے شادی کرکے مطمئن ہو۔ کیونکہ جہاں تک میں اندازہ کرتا ہوں اسوقت تمہیں کوئی ملال نہیں حالانکہ بادشاہ نے جو ظلم کیا ہے۔ میری روح تک اس سے کچل گئی ہے۔ لڑکی نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔
قبلہ و کعبہ کیسا کبڑا۔ میرے شوہر تو ایک بہترین شریف اور صحت مند نوجوان ہیں۔ اور شاید کسی ضرورت سے باہر گئے ہیں۔ یہ ان کا لباس رکھا ہے۔ وہ آجائیں تو آپ بھی دیکھ لیجئے گا۔ شمس الدین یہ سنکر بہت حیران ہوا۔ اور اپنے داماد کو دیکھنے کیلئے باہر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ کبڑا دیوار سے الٹا لگا ہوا کھڑا ہے وزیر نے اس کو سیدھا کیا اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔ وہ کبڑا رونے لگا۔ اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔ کہ مجھے معاف فرمایئے اگر بادشاہ کا باپ بھی کہے تو میں آپ کی صاحبزادی سے شادی کرنا تو درکنار نام بھی نہ لونگا۔ پھر اس جن کی سختی اور دھمکیاں یاد کرکے زار و قطار رونا شروع کردیا اور بار بار وزیر کے پیروں پر پڑتا تھا کہ اب زندگی بھر اس شہر کیطرف منہ نہیں کرونگا۔ بس اب آپ میری خطا معاف کردیجئے۔ ورنہ وہ جن مجھے مار ڈالے گا۔ اور میں ابھی شہر چھوڑ دیتا لیکن وہ ظالم حکم دے گیا ہے کہ سورج نکلنے تک تو اس جگہ سے ہلا تو ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا۔ وزیر کبڑے کی بکواس سنکر اور بھی متعجب ہوا اور ایک غلام کو بلا کر حکم دیا کہ اس مردود کو یہاں سے نکال دو۔ چنانچہ کبڑے کو نکال دیا گیا۔ وزیر پھر بیٹی کے پاس آیا۔ اور پوچھا کہ تمہارے شوہر آئے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ نہیں میرے بیدار ہونے سے پہلے ہی وہ کہیں چلے گئے پھر مجھے کچھ نہیں معلوم یہ ان کا لباس رکھا ہے۔ وزیر نے لباس کو الٹ پلٹ کر دیکھا تو اس میں سے اتفاقاً وہ تعویذ سا نکل پڑا جو بدرالدین کے والد نے بطور خط اپنے بھائی شمس الدین کو لکھا تھا۔
شمس الدین نے اس کو کھول کر پڑھا اور کچھ دیر سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر ہنسکر اپنی بیٹی سے کہنے لگا۔ کہ واقعی تم سچ کہتی تھیں۔ لیکن میں خوش ہوں کہ تمہارا شوہر میرے گمشدہ بھائی کا لڑکا اور میرا عزیز ترین بھتیجا ہے۔ وزیر زادی یہ سنکر اور بھی خوش ہوئی اور اس نے باپ سے جن پری کا وہ قصہ بھی بیان کردیا جو بدرالدین نے اس کو سنایا تھا۔ وزیر کہنے لگا کہ بیٹی وہی جن تمہارے شوہر کو کسی اور جگہ لے گیا ہے۔ خدا پر بھروسہ رکھو۔ جس نے تمہیں اس مردود کبڑے سے نجات دی۔ وہ میرے پیارے بھتیجے کو بھی ملادیگا۔ وزیر نے اس واقعہ کو بالکل پوشیدہ رکھا۔ بدرالدین کا لباس اٹھا کر احتیاط سے

رکھوادیا۔ اور خاموشی سے اسکی تلاش شروع کرادی چند روز بعد بادشاہ کا غصہ بھی جاتا رہا اور اس نے شمس الدین کو بلا کر اسکا قصور معاف کر دیا۔ اور بدستور عہدۂ وزارت پر متمکن کر دیا۔ اسوقت شمس الدین نے لڑکی کی شادی کا مکمل قصہ بادشاہ کو بتایا۔ بادشاہ یہ واقعہ سنکر بہت خوش ہوا۔ اور چاروں طرف قاصد روانہ کئے کہ جہاں کہیں بدرالدین کا بہ نشان ملے ڈھونڈ کر لاؤ۔ لیکن نوماہ گذر گئے۔ اور بدرالدین کا کہیں پتہ نہ چلا۔ وزیرزادی کے یہاں ایک خوبصورت لڑکا پیدا ہوا اس کا نام عجب رکھا گیا۔ نانا نے اس کی تعلیم و تربیت کا بہت اچھا انتظام کیا۔ لیکن زیادہ پیار و محبت کی وجہ سے بہت شریر ہو گیا تھا۔ اور اپنے ہم سبق لڑکوں کو اکثر پریشان کیا کرتا تھا ایک روز لڑکوں نے مشورہ کیا کہ اسکو شرمندہ کرنا چاہیئے۔ تاکہ یہ شرارت کرنا بند کر دے۔ چنانچہ جب سب لڑکے اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے کہ آؤ ایک نیا کھیل کھیلیں اس میں پہلے ہر لڑکا اپنے باپ کا نام بتائے گا اور کسی کو معلوم نہ ہو تو اس کو نہیں کھلائیں گے۔ چنانچہ لڑکوں نے اپنے اپنے باپوں کا نام بتایا جب عجب کا نمبر آیا تو اس نے اپنے باپ کا نام شمس الدین بتایا۔ لڑکے ہنس پڑے اور کہا وہ تمہارا نانا ہے۔ باپ کا نام بتاؤ۔ عجب بہت شرمندہ ہوا اور روتا ہوا استاد کے پاس آیا۔ استاد نے قصہ سنکر کہا کہ واقعی تمہارے باپ کا نام تو کوئی نہیں جانتا۔ عجب نے گھر جا کر ماں سے سب واقعہ بیان کیا وہ بھی اپنے شوہر کو یاد کر کے بہت روئی کہ میں بہت جلد تمہارے ابا کو بلاؤنگی۔ شام کو شمس الدین آیا۔ تو بیٹی نے واقعہ سنایا۔ شمس الدین بہت پریشان ہوا۔ اور خیال کیا۔ کہ اب آبرو میں فرق آرہا ہے چنانچہ بادشاہ کیخدمت میں حاضر ہوا اور داماد کی تلاش میں جانے کیلئے دس ماہ کی رخصت مانگی۔ بادشاہ نے بخوشی اجازت دیدی اور قرب و جوار کے بادشاہوں کو خطوط لکھوادیئے کہ میرا وزیر ایک کام کے سلسلہ میں آرہا ہے۔ جو کچھ ممکن ہو اسکی امداد کی جائے۔ یہ گویا مجھ پر ذاتی احسان ہوگا شمس الدین نے سامان سفر تیار کیا اور اپنی بیٹی اور نواسے کو لیکر بدرالدین کی تلاش میں نکلا اور سفر کی پہلی منزل دمشق تھی۔ وہاں پہنچکر شمس الدین نے بھتیجے کی تلاش میں آدمی چھوڑ دیئے۔ ایک روز عجب اپنے اتالیق کے ساتھ دمشق کے بازار میں سیر کو نکلا۔ اور اتفاقاً اس ہی دوکان کے سامنے نکلا جس میں بدرالدین حلوائی کام کرتا تھا۔ پہلا حلوائی مرچکا تھا اور اب بدرالدین ہی اس کے کاروبار کا مالک تھا۔ بدرالدین نے عجب کو دوکان کے سامنے سے گذرتے دیکھا تو بے اختیار اس کی طرف کھنچ گیا۔ دوکان سے اٹھ کر ان کے قریب گیا۔ اور سلام کر کے کہنے لگا کہ میری دوکان پر قدم رنجہ فرمایئے۔ اور کچھ نوش کیجئے۔ عجب کے اتالیق نے انکار کیا۔ اور کہا کہ یہ بڑے آدمی کا لڑکا ہے۔ میں اس کو بازار میں کھانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ حلوائی بدرالدین نے بہت اصرار کیا تو عجب کہنے لگا کہ میں ضرور اس کی دعوت منظور کروں گا۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اور اتالیق مجبور ہو گیا اور دونوں بدرالدین حسن کیساتھ اس کی دوکان پر آگئے۔

بدرالدین حلوائی اور عجب شاہ وزیر
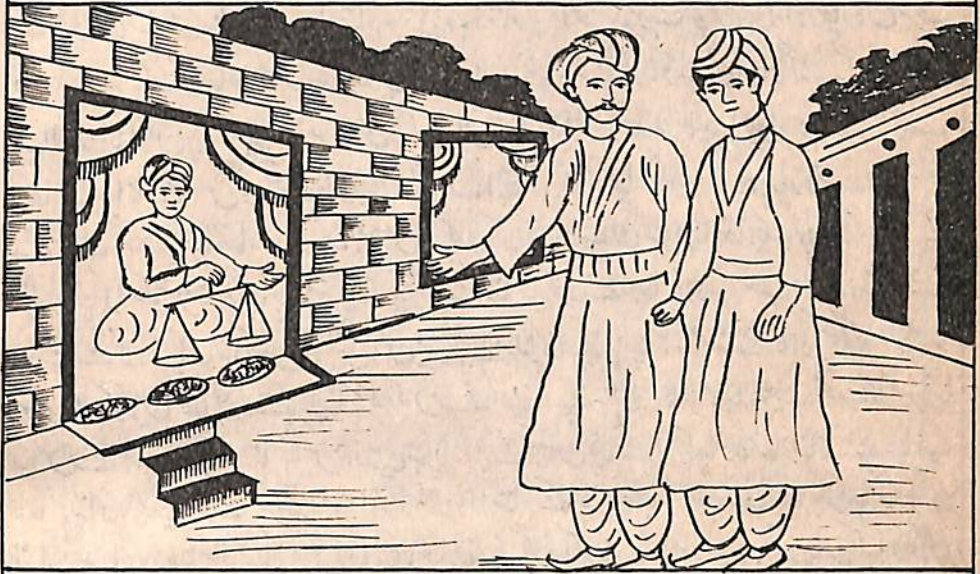
بدرالدین نے بہت اعزاز سے ان کو بٹھایا۔ اور بہترین قلفی بناکر پیش کی عجب اور اسکے استاد نے کھاکر بہت تعریف کی۔ بدرالدین نے کہا کہ اس قسم کی قلفی میری والدہ اور میرے والد کے سوا کوئی نہیں بناتا اسکے بعد استاد اور عجب چلنے لگے تو بدرالدین نے باصرار درخواست کی کہ کل دوبارہ ضرور تشریف لایئے گا۔ استاد شاگرد وہاں سے اٹھ کر اپنی جائے قیام پر واپس آ گئے۔ تین دن ان لوگوں کا قیام رہا لیکن پھر دوبارہ شہر جانے کا اتفاق نہ ہوا۔ اور جو آدمی بدرالدین کی تلاش میں بھیجے گئے تھے۔ وہ بھی ناکام واپس آ گئے تو شمس الدین نے بصرہ کا رُخ کیا۔ وہاں پہنچکر شاہ مصر کا خط پیش کیا۔ شاہ بصرہ نے بہت اعزاز و اکرام سے بٹھایا اور خط پڑھ کر کہنے لگا۔ کہ افسوس ہے۔ میرا وزیر نورالدین پچیس سال ہوئے انتقال کر چکا ہے لیکن مرحوم کی بیوی بیشک یہاں رہتی ہے۔ شمس الدین دربار سے اٹھ کر اپنی بھاوج کے پاس گیا اور کل واقعہ بیان کر کے عجب پیش کیا۔ بدرالدین کی والدہ پوتے کو دیکھ کر بیحد خوش ہوئی۔ بار بار سینے سے لگاتی اور زار زار روتی اور کہتی کہ خدا کا شکر ہے۔ میرا بدرالدین زندہ ہے۔ اور آج اللہ نے میرا پوتا بھی میرے پاس بھیجدیا۔ اسکے بعد شمس الدین پھر دمشق واپس آیا اور اپنی بھاوج یعنی بدرالدین کی والدہ کو بھی اپنے ساتھ لیتا آیا۔ شمس الدین نے سب سے کہدیا کہ جو کچھ خرید و فروخت کرنی ہو کر لو کل یہاں سے کوچ ہو گا۔ سب لوگ بازار چلے۔ عجب بھی اپنے استاد کیساتھ سیر کرتا ہوا بدرالدین کی دوکان کے سامنے سے گذرا۔ بدرالدین تعظیم کیلئے کھڑا ہو گیا۔ دونوں کو باصرار دوکان پر لایا۔ اور بہت خاطر مدارات کی۔ اور پھر بہترین قلفی بناکر پیش کی۔ شام کو سب واپس آ گئے۔ بدرالدین کی والدہ ہر وقت پوتے پر جان نثار کرتی تھی۔ آج اس نے بڑے اہتمام سے ان کیلئے قلفی بنائی

اور رات کو کھانے پر عجب کو دی۔ عجب کی طبیعت سیر تھی۔ لیکن دادی کے اصرار پر کھانے لگا۔ اور تھوڑی کھا کر چھوڑ دی اور کہنے لگا۔ کہ دادی اماں۔ آج میں نے بازار میں ایک حلوائی کی دوکان پر قلفی کھائی تھی وہ اس سے بھی زیادہ لذیذ تھی۔ دادی یہ سنکر چونکی پہلے تو اتالیق کو بلا کر سخت سُست کہا۔ کہ تم میرے بیٹے کو بازار میں کھلاتے ہو۔ اتالیق نے عذر کیا۔ کہ وہ حلوائی اتنا مصر ہوا کہ انکار کرتے نہ بن پڑی۔ اسلئے مجبوراً یہ غلطی ہو گئی اسکے بعد بدرالدین کی والدہ نے ایک غلام کے ہاتھ اس دوکان سے قلفیاں منگا کر کھائیں تو حیران رہ گئیں اسوقت شمس الدین کو بلا کر انہوں نے سب واقعہ بتایا اور کہا کہ تم اس حلوائی کو بلاؤ قلفیاں میرے بیٹے بدرالدین کے سوا کوئی نہیں بنا سکتا۔ چنانچہ شمس الدین حاکم دمشق سے امداد لیکر بدرالدین کو گرفتار کرا کے اپنے قیام گاہ پر بلایا۔ پردے سے عجب کی ماں اور دادی نے دیکھ کر پہچان لیا۔ اور شمس الدین کو اطلاع کر دی کہ یہ ہی بدرالدین ہے۔ شمس الدین نے اسکو خیمہ میں طلب کیا۔ اور نہایت غصہ کی حالت میں پوچھا کہ یہ تمہاری دوکان کی قلفیاں ہیں بدرالدین نے کہا جی ہاں۔ لیکن آخر میرا کیا قصور ہے جو گرفتار کر لیا گیا ہو۔ شمس الدین نے کہا کہ یہ نہایت خراب قلفیاں ہیں۔ اور ان کو کھا کر میرے کئی عزیز بیمار ہو گئے ہیں۔ اسلئے تمہیں اسکی سزا ضرور دی جائے گی۔ بدرالدین کی ماں بیتاب تھی کہ بیٹے کو سینے سے لگاؤں۔ بیوی بھی چاہتی تھی کہ شوہر سے ملوں۔ لیکن شمس الدین نے دونوں کو سمجھایا کہ اگر دفعتاً اس کو اتنی مسرت حاصل ہوگی تو شادی مرگ کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ وہ دونوں خاموش ہو گئیں۔ اسکے بعد بدرالدین کو ایک صندوق میں بند کر کے ساتھ لیا۔ اور سب ہنسی خوشی مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں صندوق کھول کر کھانا پانی دیا جاتا رہا اور سب غلاموں کو تاکید کی تھی۔ اس سے کوئی بُرا سلوک نہ کریں۔ سفر کرتے ہوئے سب لوگ مصر پہنچے۔ تو ایک شام کو شمس الدین نے بدرالدین کو بلایا اور کہنے لگا کہ اب تمہیں سزا ملنی چاہیئے اور میں تمہارا قصور کسی طرح معاف نہیں کرونگا۔ اسکے بعد غلاموں کو حکم دیا کہ سولی تیار کراؤ تاکہ اس کو آج ہی شب کو سولی چڑھا دیا جائے۔ یہ سنکر بدرالدین کا خون خشک ہو گیا۔ غلام اس کو لیگئے اور پھر صندوق میں بند کر دیا۔ اسکے بعد یہ قافلہ شمس الدین کے مکان پر آ گیا۔ آتے ہی شمس الدین نے بیٹی کو حکم دیا کہ اسی طرح حجلہ عروسی تیار کر دو اور بدرالدین کے کپڑے وہیں کرسی پر رکھدو اور جب بدرالدین آئے تو اس پر قطعاً یہ ظاہر نہ ہو کہ دس سال تک غیر حاضر رہا ہے بلکہ اس کو یہ ہی کہو کہ گویا ابھی وہ رات ختم نہیں ہوئی ہے جس میں عقد ہوا تھا۔ چنانچہ وزیرزادی نے کل انتظامات مکمل کئے اور خود دلہن بنکر بیٹھ گئی۔ اسکے بعد بدرالدین کو صندوق سے نکالکر حجلۂ عروسی میں پہنچا دیا لیکن سولی کے نام سے اس کے ہوش وحواس خراب ہو رہے تھے۔ کمرے میں آکر حیران حیران دیکھنے لگا۔ وزیرزادی اٹھی اور بڑے پیار و محبت بھرے لہجہ میں اس سے کہنے لگی کہ آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔ میں بڑی دیر سے آپ کا انتظار دیکھ رہی ہوں۔ آپ کہاں چلے گئے تھے۔ بدرالدین نے دیکھا کہ وہ ہی عروسی کا کمرہ ہے۔ وہ دلہن ہے وہ ہی ساز و سامان ہے۔ حتیٰ کہ دس سال پہلے والے میرے کپڑے بھی اسی طرح کرسی پر رکھے ہیں۔

گویا میں نے ابھی اتارے ہیں۔
بدرالدین پریشان ہوکر اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگا کہ میں جاگ رہا ہوں یا سو رہا ہوں۔ وزیر زادی

بدرالدین کا حجلہ عروسی میں حیرت سے ہر چیز کو دیکھنا

نے ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کھینچتے ہوئے کہا۔ کہ آپ جاگ رہے ہیں لیکن مجھے تعجب ہے کہ آپ ایسی باتیں کیوں کررہے ہیں۔ بدرالدین نے اپنا دمشق کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر پڑا ہونا۔ لوگوں کا دیوانہ کہکر پریشان کرنا۔ حلوائی بننا۔ قلفیاں خراب ہونے کے جرم میں گرفتار ہونا۔ ایک ہفتہ تک صندوق میں بند رہنا۔ پھر پھانسی کا حکم ملنا کل واقعات اس کو سنائے۔ وزیرزادی ہنسکر کہنے لگی۔ کہ شاید آپ نے خواب میں دیکھا ہے۔ اور اسی لئے ایسی پریشانی کی باتیں کررہے ہیں۔ اتنے میں شمس الدین آگیا۔ بدرالدین نے گھبرا کر کہا آپنے ہی تو میری سولی کا حکم دیا تھا۔ شمس الدین یہ سنکر ہنس پڑا اور بدرالدین کو سینے سے لگا کر خوب پیار کیا۔ اور کہنے لگا کہ عزیز میں تمہارا وہی چچا ہوں۔ جس کا قصہ تمہیں تمہارے والد نے سنایا تھا۔ بڑی محنت اور مشقت کے بعد تلاش کرکے تمہیں دمشق سے لایا ہوں۔ اگر وہیں سب حال ظاہر کردیتا تو ممکن تھا کہ تم اتنی خوشی دفعتہً برداشت نہ کرسکتے۔ تمہاری والدہ میرے ساتھ آگئی ہیں۔ اور عنقریب تم سے ملیں گی۔ وہ لڑکا جس کو دمشق میں تم نے قلفیاں کھلائی تھیں۔ تمہارا ہی لڑکا ہے۔ پھر شمس الدین نے عجب اور بدرالدین کی والدہ کو بلایا اور سب بچھڑے ہوئے ملے۔

صبح کو شمس الدین نے سب واقعات بادشاہ کو سنائے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ کل واقعات لکھکر شاہی کتب خانہ میں رکھے جائیں۔

جعفر وزیر نے یہ کہانی سنا کر خلیفہ سے درخواست کی کہ غلام کا قصور معاف کردیا جائے چنانچہ خلیفہ نے اس کو چھوڑ دیا تھا۔ ایک کنیز عطا کی اور سب کو رخصت کردیا۔

شہرزاد نے جب کہانی ختم کی تو دنیازاد دیر تک تعریف کرتی رہی۔ شہرزاد بولی۔ کہ بہن اگر کل میں قتل نہ ہوئی تو ایک اس سے بھی زیادہ دلچسپ قصہ سناؤں گی۔ بادشاہ صبح کو دربار میں چلا گیا لیکن شہرزاد کے قتل کا کوئی حکم نہیں دیا۔

الف لیلہ جلد اوّل تمام ہوئی

الف لیلہ جلد دوم

ایک درزی اور کوزہ پشت کی کہانی

حسب معمول دنیا زاد کی فرمائش پر شہرزاد نے کہانی شروع کی۔ زمانۂ گذشتہ میں شہر کاشغر میں ایک درزی رہا کرتا تھا۔ ایک روز اپنی دوکان پر کام کر رہا تھا کہ ایک کبڑا گویا آیا اور اس کی دوکان کے سامنے بیٹھ کر گانے بجانے لگا۔ درزی کو اس کا گانا پسند آیا۔ وہ کبڑے سے کہنے لگا۔ کہ آج کی رات میرے یہاں رہو رات کو اطمینان سے تمہارا گانا سنوں گا۔ اور جو کچھ میسر ہوگا دیدونگا۔ چنانچہ رات کو حسب وعدہ درزی دوکان بند کر کے گھر جانے لگا تو کوزہ پشت گویا بھی ساتھ ساتھ ہو لیا۔ گھر پہنچ کر درزی نے بیوی سے کہا کہ جلدی کھانے سے فارغ ہو جاؤ۔ میں آج ایک گانے والے کو لایا ہوں۔ جو بڑا خوش آواز ہے۔ بیوی نے کھانا اتار کر سامنے رکھا۔ اس میں مچھلی بھی تھی۔ درزی نے کبڑے کو بھی بٹھا لیا۔ اور دونوں کھانا کھانے لگے۔ کھانے کے دوران میں اتفاقاً مچھلی کا ایک کانٹا کبڑے کے حلق میں پھنس گیا ہر چند کوشش کی گئی لیکن کانٹا نہ نکلا۔ اور کبڑا بیدم ہو کر گر گیا۔ درزی کو فکر ہوا کہ کہیں میں اس کبڑے کے قتل کے جرم میں گرفتار نہ کر لیا جاؤں۔ بہت دیر کے غور کے بعد درزی کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی اور کبڑے کو اپنی پیٹھ پر لاد کر ایک حکیم کے مکان پر پہنچا۔ دروازہ پر دستک دی۔ اندر سے باندی نے آکر پوچھا کہ کیا ہے۔ درزی نے پانچ دینار اسکے ہاتھ پر رکھے اور کہا کہ حکیم صاحب کو بلا دو ایک مریض کو دکھلانا ہے۔ باندی اندر گئی۔ درزی نے کبڑے کی لاش دروازہ سے لگا کر کھڑی کر دی اور خود خاموشی سے اپنے گھر واپس آگیا۔ حکیم صاحب مریض کو دیکھنے باہر آئے جب کواڑ کھولا تو بڈھا نیچے گر گیا حکیم صاحب نے قریب آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کبڑا مر چکا ہے۔ حکیم صاحب گھبرائے کہ کہیں یہ میرے سر نہ لگ جائے۔ گھر میں آکر بیوی سے مشورہ کیا ان کے پڑوس میں بادشاہ کا مودی رہتا تھا۔ میاں بیوی نے ملکر کبڑے کی لاش مودی کے گھر اتار دی۔ مودی اسوقت تک گھر واپس نہیں آیا تھا۔ آدھی رات گذری جب وہ واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک شخص دیوار سے لگا کھڑا ہے۔ مودی نے خیال کیا کہ شاید غلہ چور ہے۔ لکڑی اٹھا کر مارنے لگا۔ کبڑے کی لاش زمین پر گر پڑی۔ مودی نے پاس آکر جب دیکھا کہ لکڑی کھا کر کبڑا مر گیا۔ اب میری خیر نہیں۔ چنانچہ اس نے لاش کو اٹھایا اور بازار میں لاکر ایک دوکان کے سہارے کھڑا کر دیا۔ اتفاقاً ایک فرنگی سوداگر کسی دعوت میں شریک ہو کر واپس آرہا تھا دور سے کبڑے کی لاش دیکھ کر یہ سمجھا کہ کوئی چور دوکان کا تالا توڑ رہا ہے۔ چنانچہ

شور کرتا ہوا دوڑا اور کبڑے کی لاش پر دو تین لکڑیاں ماریں۔ لاش نیچے آپڑی۔ اتنے میں شور سنکر کچھ اہل محلہ اور سپاہی جمع ہو گئے۔ لیکن کبڑے کو مردہ دیکھ کر ان لوگوں نے فرنگی سوار کو گرفتار کر لیا اور کبڑے کی لاش کیساتھ قاضی صاحب شہر کے سامنے پیش کیا۔ قاضی صاحب نے فرنگی کو قاتل قرار دے کر پھانسی کی سزا کا حکم دیدیا تمام شہر میں منادی کرادی گئی کہ کل ایک کبڑے کے قتل کے الزام میں فرنگی سوداگر کو پھانسی دیجائے گی۔ لوگ جوق در جوق سزا دیکھنے کیلئے مسلسل جمع ہو گئے۔ ابھی فرنگی سوداگر کو پھانسی نہیں دیگئی تھی کہ بادشاہ کا مودی آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ اس بڈھے کا قاتل یہ نہیں میں ہوں۔ قاضی صاحب نے اسکی گرفتاری کا حکم دیا۔ تو حکیم صاحب نے قاضی صاحب سے عرض کیا کہ مودی بالکل بے قصور ہے۔ بڈھا میرے ہاتھ سے مرا ہے۔ قاضی صاحب نے حکیم صاحب کو گرفتار کر لیا تو درزی بولا۔ حضور یہ سب بے قصور ہیں یہ کبڑا دراصل میرے یہاں مرا تھا۔ قاضی صاحب پریشان ہو گئے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ چنانچہ انھوں نے کبڑے کی لاش فرنگی سوداگر مودی حکیم صاحب قبلہ اور درزی سب کو خلیفہ کے دربار میں پیش کیا اور کل مقدمہ کی کارروائی پیش کی۔ بادشاہ نے کل واقعات سنکر کہا کہ تم سب لوگ اپنی اپنی داستان زندگی بیان کرو۔ اگر اس کبڑے کے واقعہ سے عجیب کوئی واقعہ تم نے سنایا۔ تو میں رہا کردوں گا۔ ورنہ تم سب کو اس کبڑے کے قصاص میں قتل کرادوں گا

کبڑے کی لاش اور کل ملزمان خلیفہ کے دربار میں
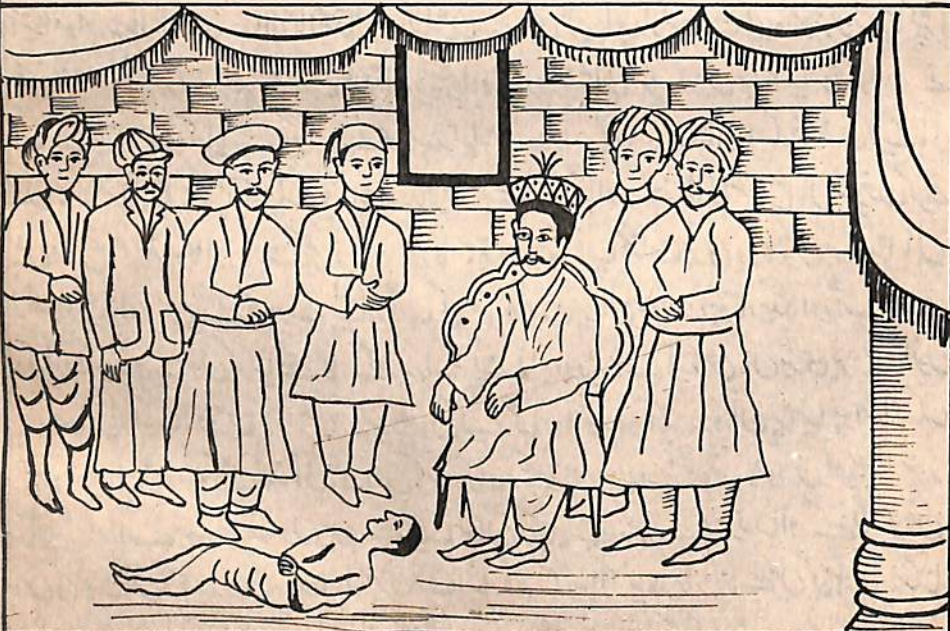
سب سے پہلے فرنگی سوداگر نے اپنا قصہ بیان کرنا شروع کیا۔

یاامیرالمومنین! میں مصر کا رہنے والا سوداگر ہوں۔ میرا باپ دلالی کا کام کیا کرتا تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد میں نے بھی یہی پیشہ جاری رکھا۔ ایک روز ایک نوجوان گھوڑے پر سوار آیا اور تل کا نمونہ دکھاکر نرخ دریافت کیا میں نے سو درہم فی من بھاؤ بتایا۔ وہ کہنے لگا اگر کوئی خریدار ہو تو فلاں سرائے میں آکر معاملہ طے کرلو۔ اسکے جانے کے بعد میں نے دو ایک سوداگروں سے ایک سو دس درہم فی من کے حساب سے معاملہ طے کرلیا اور ان کو لیکر سرائے میں پہنچا۔ کل مال خرید لیا گیا جس کی قیمت قریباً بیس ہزار درہم اس جوان کو دیدی گئی اس نے ڈیڑھ ہزار درہم مجھے دیا اور باقی رقم بھی دے کر میرے پاس امانت رکھوادی۔ اسکے بعد ایک مہینے تک وہ مجھے نہیں ملا۔ ایک روز بازار میں ملاقات ہوگئی تو میں نے اس سے تقاضا کیا کہ اپنی امانت لیجاؤ۔ لیکن اس نے ٹال دیا اسکے بعد پھر ایک سال تک مجھے اس کی صورت نظر نہیں آئی۔

اس کے بعد اچانک میں نے اسے دیکھا تو نہایت فاخرہ لباس پہنے ہوئے گھوڑے پر سوار کہیں جارہا تھا۔ بڑے اصرار کے ساتھ میں اسے اپنے گھر لایا اور جو کچھ میسر تھا کھانے کیلئے پیش کیا۔ میرے تعجب کی کوئی حد نہیں رہی جب میں نے دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھارہا ہے۔ وجہ دریافت کی اس نے آستین سے اپنا دایاں ہاتھ نکال کر دکھایا جو کٹا ہوا تھا۔ اور پھر اپنا قصہ بیان کیا۔

دست بریدہ نوجوان کا قصہ

میرا باپ بغداد کا مشہور سوداگر تھا۔ مجھے بچپن سے مصر دیکھنے کا بہت شوق تھا لیکن کبھی اسطرف آنیکا موقعہ نہ ملا۔ آخر میرے والد کا انتقال ہوگیا۔ میں نے اپنی کل جائیداد فروخت کی اور بہترین قسم کا کپڑا خرید کر مصر روانہ ہوگیا۔ بعد قطع منزل میں قاہرہ پہنچا اور مسرور پاشا کی سرائے میں قیام کیا صبح کو میں نے اپنا مال بازار میں دکھایا جسے لوگوں نے بیحد پسند کیا۔ میں روزانہ کچھ مال لیجاتا اور اسکو فروخت کرکے باقی دن سیر و تفریح میں گذارتا۔ ایک روز ایک دلال میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اسطرح مال فروخت کرنے میں منافع بھی کم ہوگا اور وقت بھی زیادہ لگے گا۔ بہتر یہ ہے کہ آپ مختلف بڑی دوکانوں پر اپنا مال رکھوادیجئے اور ان سے تحریر لے لیجئے۔ آپ کی مقررہ قیمت پر مال فروخت ہوتا رہیگا اور آپ ہفتہ میں دوبار جاکر روپیہ وصول کرلیا کیجئے گا۔ مجھے یہ رائے پسند آئی اور میں نے اپنا کل مال بڑی بڑی دوکانوں پر رکھوادیا۔ ایک روز میں بازار میں روپیہ وصول کرنے گیا ہوا تھا۔ اور ایک دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک حسین نوجوان عورت کپڑا لینے آئی اور اس کی صورت دیکھتے ہی میں اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا۔ بزاز نے میرے لائے ہوئے تھانوں میں سے ایک تھان دکھایا جسے اس نے پسند کرلیا اور کہنے لگی کہ میں اس کی قیمت کل بھیجدوں گی۔ دوکاندار میری طرف اشارہ کرکے بولا کہ یہ مال ان کا ہے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

عورت نے غصہ میں آکر وہ تھان پھینک دیا اور یہ کہتی ہوئی چلدی کہ تم بڑے بدلحاظ ہو کہ اپنے ایک پرانے گاہک کا بھی خیال نہیں رکھتے۔ میں اس کی اس ادا پر لوٹ گیا اور آواز دے کر اسکو واپس

بلایا اور تھان پیش کر کے کہا کہ آپ کو اختیار ہے چاہے قیمت بھیجیں یا نہ بھیجیں۔ وہ عورت تھان لیکر چلی گئی۔ میں نے بزاز کیطرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم اس کی قیمت ومنافع کی رسید مجھ سے لے لو۔ اسکے بعد میں نے اس عورت کا حال دریافت کیا۔ تو وہ کہنے لگا۔ کہ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ یہ قاہرہ کی ایک امیر عورت ہے اور کبھی میرے یہاں کپڑا لینے آجاتی ہے۔ یہ سنکر میں وہاں سے اٹھ کر سرائے میں چلا آیا لیکن رات بھر گرمیٔ عشق سے دل بیتاب رہا اور میں اچھی طرح نہ سو سکا۔ اگلے روز میں پھر اس کی دوکان پر پہنچا۔ تھوڑی دیر میں وہ عورت اپنی کنیزوں کے ساتھ آئی اور کل والے تھان کی قیمت ادا کی۔ میں نے کہا کہ داموں کی کوئی جلدی نہیں ہے پھر کسی وقت بھیجد یجئے گا۔ اس پر وہ کہنے لگی کہ آدمی کو اپنا وعدہ ہمیشہ وقت پر پورا کرنا چاہیئے۔ اسکے بعد اِدھر اُدھر کی باتیں شروع ہوگئیں اور دوران گفتگو میں میں نے اپنی محبت کا بھی اظہار کر دیا۔ یہ سنتے ہی وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ میں بھی بیتابیٔ دل سے مجبور ہو کر اسکے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ کچھ دور آگے جانے کے بعد اس کی ایک کنیز میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ مالکہ یہ فرماتی ہیں کہ شام کو آپ میرے مکان پر تشریف لائیے اس طرح بازار میں تعاقب کرنا آداب شرافت سے بعید ہے۔ میں نے مکان کا پتہ دریافت کیا۔ کنیز نے مجھے پتہ بتایا اور آگے بڑھ کر اپنی مالکہ کے ساتھ چلی گئی۔ میں سرائے میں واپس آیا اور شام کا انتظار کرنے لگا۔ آتش شوق وعدہ وصل سے اور بھی بھڑک اٹھی۔ غرض جوں توں شام ہوئی اور میں لباس تبدیل کر کے اپنی محبوبہ کے پاس پہنچا۔ وہاں میری پذیرائی بڑے اعزاز واکرام سے ہوئی مکان فرش وفراش سے پوری طرح آراستہ تھا۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد دسترخوان چنا گیا اور ہم دونوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ پھر شراب کا دور شروع ہوا اور نصف شب تک محفل عیش ونشاط گرم رہی۔ شب میں نے وہیں بسر کی اور صبح کو پچاس اشرفیاں دے کر اپنی جائے قیام پر واپس آگیا۔ اب میں روزانہ شب وہیں بسر کرتا اور صبح کو پچاس اشرفیاں دے کر سرائے میں چلا آتا۔ یہاں تک کہ میرا کل سرمایہ ختم ہو گیا۔ اسوقت کی میں اپنی حالت بیان نہیں کر سکتا۔ ایک طرف جیب خالی اور دوسری طرف دل بے چین۔ خالی ہاتھ جاتے ہوئے شرم محسوس ہوتی تھی۔ لیکن بالآخر دل کے تقاضے سے مجبور ہو کر میں اسکے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک جگہ کچھ لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔ میں بھی دریافت حال کیلئے اس میں گھس گیا۔ اسی ہجوم میں ایک آدمی کی جیب مجھے وزنی معلوم ہوئی جس سے میں نے سمجھا کہ اس میں اشرفیاں ہیں۔ موقعہ دیکھ کر میں نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا لیکن اس سے پیشتر کہ میں کچھ نکال سکتا اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور چور چور کہکر شور مچا دیا پھر مجھے گرفتار کر کے قاضی کے سامنے پیش کیا گیا۔ میں نے اقرار جرم کر لیا۔ چنانچہ میرا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا میری بیکسی پر اس شخص کو رحم آگیا جس کی جیب سے میں اشرفیاں نکالنا چاہتا تھا اس نے وہ اشرفیاں مجھے دیدیں اور کہنے لگا کہ تم چور نہیں معلوم ہوتے۔ کسی مجبوری سے ہی تم نے یہ حرکت کی ہوگی میں نے اسکا شکریہ ادا کیا اور اشرفیاں لیکر سرائے میں واپس آگیا۔ اگلے روز میں اپنی محبوبہ کے مکان پر گیا میری اداسی دیکھ کر وہ حال دریافت کرنے لگی۔ میں نے اسوقت تو بہانہ کر کے ٹال دیا لیکن بالآخر شب کو اس نے میرا کٹا ہوا ہاتھ دیکھ کر اصل معاملے کو سمجھ لیا۔ صبح کو جب میں چلنے لگا تو میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے

لگی کہ اب کہاں جاؤ گے۔ میں نے کہا سرائے میں! وہ بولی کہ میں سب کچھ سمجھ گئی ہوں اور تم نے ایسا محبت کا ثبوت دیا ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی اب میری باری ہے۔ میں تم سے زندگی بھر جدا نہیں ہونا چاہتی چنانچہ اسی وقت قاضی صاحب کو بلایا اور ہم دونوں کا نکاح ہو گیا۔ اسکے بعد وہ اٹھ کر اندر گئی اور وہ ساری اشرفیاں جو میں اسکو دینار ہا تھا لا کر میرے سامنے ڈالدیں اور اپنا کل مال متاع بھی میرے سپرد کر دیا ہم دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے لیکن اس کی عمر نے وفا نہ کی اور چند ہی ماہ بیمار رہ کر انتقال کر گئی۔ اس کی موت سے میرا ایسا دل برداشتہ ہوا کہ قاہرہ میں رہنا دو بھر ہو گیا۔ چنانچہ اب میں دل بہلانے کو ملک در ملک گھومتا پھرتا ہوں۔ یہ کہانی سنا کر اس دست بریدہ نوجوان نے اپنا وہ روپیہ جو میرے پاس امانت تھا۔ مجھ ہی کو بخش دیا۔ میں اس کی عالی حوصلگی اور مروت سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنا مال و اسباب بھی فروخت کر کے اس کے ساتھ سیاحت کیلئے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ مختلف شہروں میں گھومتے گھومتے ہم یہاں آ گئے۔ وہ نوجوان مجھ سے جدا ہو کر فارس کیطرف چلا گیا اور میں حضور کی سلطنت میں اپنے دن گذار رہا ہوں۔ یہ قصہ سن کر بادشاہ نے کہا کہ تمہارا واقعہ اس کے واقعہ سے زیادہ عجیب نہیں ہے اس لئے مجھے تمہارے قتل کا حکم دینا پڑیگا۔ یہ سنکر مودی آگے بڑھا اور عرض کرنے لگا کہ عالم پناہ میں بھی ایک سرگذشت سنانا چاہتا ہوں۔ جو مجھے امید ہے کہ اس کبڑے کے قصہ سے زیادہ دلچسپ ہوگی۔

مودی کی داستان

مودی نے کہا۔ کہ حضور اسی کاشغر شہر میں چند روز ہوئے ایک جگہ دعوت طعام تھی اور میں بھی اسمیں شامل تھا۔ جب کھانا چنا گیا تو اس میں اور بہترین کھانوں کیساتھ لہسن پلاؤ بھی تھا۔ ہم لوگ بڑے لطف سے کھانا کھا رہے تھے۔ جب لہسن پلاؤ کی باری آئی تو ایک نوجوان نے کھانے سے انکار کیا۔ بلکہ دسترخوان ہی سے دور ہٹ کر بیٹھ گیا۔ جب اہل خانہ نے اصرار کیا تو اس نے اس شرط پر پلاؤ کھانے کی آمادگی ظاہر کی کہ کھانے کے بعد ایک سو بیس بار سعد و اشنان سے ہاتھ دھلوائے جائیں۔ ہم سب لوگ متعجب تھے وہ نوجوان اپنے ہاتھ دکھلا کر کہنے لگا کہ حضرات اس پلاؤ کی بدولت میں اپنے انگوٹھے کھو بیٹھا ہوں اور واقعی اس کے انگوٹھے کٹے ہوئے تھے۔ سب لوگوں کو اشتیاق بڑھا کہ قصہ ضرور سننا چاہیئے۔ چنانچہ حاضرین نے اصرار کر کے اس کو قصہ سنانے کے لئے کہا۔

نوجوان کی داستان

میں بغداد کے ایک سوداگر کا لڑکا ہوں۔ میرے والد کچھ زیادہ دولتمند نہیں تھے۔ جب انکا انتقال ہوا تو کافی قرض ذمہ تھا۔ میں نے دوکان کھولی اور کاروبار شروع کر دیا۔ کچھ جائیداد فروخت کر کے قرض ادا کیا۔ کچھ روپیہ دوکان میں لگایا گیا۔ بہرحال اچھا نہیں تو معمولی کام میرا چل نکلا۔ ایک روز صبح سویرے

ایک نہایت حسین عورت چند کنیزوں کے ساتھ میری دوکان پر آئی اور زربفت کے تھان طلب کئے میرے پاس تو اتنا قیمتی کپڑا کہاں تھا۔ برابر کے دوکاندار سے لاکر میں نے اسکو دکھایا۔ اس نے چند تھان پسند کئے اور ساتھ لیکر چلی گئی میں اسکو دیکھ کر قطعاً مبہوت ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے رخصت ہوتے ہوئے اس سے نہ تو قیمت کو کہا اور نہ ہی اسکا پتہ نشان معلوم کیا۔ رعب حسن سے میں زبان تک نہ ہلا سکا جب وہ عورت جا چکی تو میں نے اپنی حالت پر غور کیا کہ تقریباً پانچ ہزار درہم کا کپڑا دوسروں سے لیکر دے تو دیا ہے لیکن ادائیگی کی سبیل کیا ہوگی۔ میں تمام دن اور رات درہم کے فکر اور اس کی یاد میں پریشان رہا۔ اگلے روز میں نے دوکان کھولی اور ابھی پوری طرح صفائی بھی نہیں کی تھی کہ وہ ہی عورت اپنی ایک کنیز کے ساتھ آئی اور دراہم کی تھیلیاں میرے سامنے ڈالکر کہنے لگی کہ کل میں قیمت دینا بھول گئی تھی۔ یہ دراہم گن لو۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور دراہم گننے لگا۔ لیکن آج میرے جذبات محبت بہت زیادہ بیدار ہو گئے تھے جی چاہتا تھا کہ سر اس کے قدموں پر رکھ کر عرض حال کر دوں۔ درہم گنتے ہوئے میں برابر کنکھیوں سے اس کے رُخ تاباں کی بلائیں لے رہا تھا اور بار بار میرے ہاتھ بہک جاتے تھے۔ غالباً وہ میری اندرونی کیفیت کو سمجھ گئی تھی۔ کیونکہ وہ خاموش بیٹھی ہوئی میری حرکات پر مسکرا رہی تھی بہر حال قیمت سپرد کر کے وہ واپس چلی گئی اور میرے صبر و قرار بھی اپنے ہی ساتھ لیگئی۔ پھر ایک ماہ تک میں نے اس کو نہیں دیکھا۔ لیکن اس دوران میں میں ایک منٹ کے لئے بھی اس کو نہیں بھولا۔ راتوں کو خواب میں بھی وہ ہی حسین چہرہ نظر آتا۔ تمام دن اس کے راہ کو تکتے تکتے جس سے وہ دو دو بار آئی تھی میری آنکھیں تھک جاتی تھیں ایک مہینہ کی جان گھسل انتظار کے بعد ایک روز اس کی کنیز آئی اور کہنے لگی کہ ہماری بیگم نے تمہیں سلام کہا ہے اور خیریت پوچھی ہے۔ میں نے اس کنیز کی معرفت اپنا حال دل اس خاتون تک پہنچا دیا اور کہدیا کہ اگر آپ نے توجہ نہ کی تو میں زندہ نہ رہ سکوں گا۔ چند روز کے بعد وہ ہی کنیز پھر آئی اور کہنے لگی کہ ہماری بیگم خود بھی تمہیں چاہتی ہیں اور دو بار جو کپڑا لینے آئیں تھیں وہ بھی ایک بہانہ تھا ملکہ زبیدہ کی چہیتی کنیز ہیں۔ انہوں نے ملکہ سے درخواست کی تھی کہ وہ تم سے شادی کرنیکی اجازت دیدیں۔ ملکہ نے کہا ہے کہ وہ پہلے تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں۔ چنانچہ آج تم دجلہ کے قریب مسجد زبیدہ میں جاکر ٹھہرو۔ رات کو کسی وقت تمہاری خاتون خود آکر تمہیں لے جائیگی۔ یہ مژدہ سنکر میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ دوکان سے اٹھ کر میں نے غسل کیا اور حسب توفیق عمدہ لباس پہنا اور بعد مغرب مسجد زبیدہ کے پاس جاکر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں وہ قتال عالم ایک کشتی میں آئی اور میرے پاس آکر بیٹھ گئی۔ وفور جذبات سے میری زبان بند تھی میں نے اپنا سر اس کے قدموں پر رکھدیا اور اپنے آنسوؤں سے اسکے پیروں کو تر کر دیا اس نے محبت سے میرا سر اٹھایا اور سینہ سے لگا کر دیر تک تسلی و تشفی دیتی رہی۔ پھر مجھے ایک صندوق میں بند کر کے کشتی میں رکھا گیا اور وہ کشتی ملکہ زبیدہ کے محل کے قریب ٹھہری چند غلاموں نے وہ صندوق اٹھا کر ملکہ کے سامنے لیجا کر رکھدیا۔ غلاموں کے چلے جانیکے بعد ملکہ زبیدہ نے مجھے باہر نکلوایا اور میرے حالات و حسب نسب دریافت

کیئے۔ پھر خوش ہو کر فرمایا کہ میں تمہاری شادی اپنی پیاری کنیز سے کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم اس کو خوش رکھو گے۔ میں نے جھک کر ملکہ کے زیر قدم کو بوسہ دیا اور دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میں ان کی خوشنودی کیلئے اپنی جان تک نثار کر دونگا۔ ملکہ نے حکم دیا کہ اس کو الگ مردانے حصہ میں رہنے کی جگہ دیدی جائے کیونکہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر شادی مناسب نہیں اور ملکہ نے وعدہ فرمایا کہ خلیفہ سے میں خود اجازت حاصل کر لونگی مجھے ایک بہت خوشنما جگہ رہنے کیلئے دیدی گئی دن میں دو چار بار میری محبوب کنیز میرے پاس آتی۔ دو چار پیار و محبت کی باتیں کرتی۔ میرے زخم پر اپنی تشفی کا مرہم رکھتی۔ اسی طرح دن بسر ہوئے۔ آخر ایک روز ملکہ نے میری شادی کی اجازت حاصل کر لی اور قاضی صاحب کو بلا کر میرا نکاح کرا دیا گیا۔ شب کو کھانے سے فارغ ہو کر اپنی جان و مال کی مالک دلہن کے کمرے میں گیا تو اس نے ایک دم شور کر دیا کہ دور ہو جا میرے قریب نہ آنا میں سخت پریشان تھا کہ کیا معاملہ ہے اتنے میں اور کنیزیں جمع ہو گئیں۔ لیکن میری دلہن برابر اصرار کرتی رہی اسکو دور ہٹاؤ جب میں نے اصرار سے وجہ دریافت کی تو وہ کہنے لگی کہ تمہیں کس بیوقوف نے تربیت دی تھی کہ لہسن پلاؤ کھایا اور سعد واشنان سے ہاتھ صاف نہیں کیئے۔ بُو سے میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے۔ تم اس قابل نہیں کہ کسی اعلیٰ صحبت میں بار پا سکو۔ تمہیں اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ چنانچہ اس نے میرے ہاتھ پیروں کے انگوٹھے کٹوا دیئے اور عہد لیا کہ آئندہ یا تو لہسن پلاؤ نہیں کھاؤنگا اور اگر کھایا تو سعد واشنان سے خوب ہاتھ دھو لیا کروں گا۔ دو چار روز میں میرے زخم اچھے ہو گئے اور وہ میرے ساتھ پیار و محبت سے رہنے لگی اور اکثر مجھے پیار کر کے اپنی زیادتی کی معافی مانگا کرتی تھی کہا کرتی تھی کہ بادشاہوں کے محل میں رہنے سے میرا مزاج خراب ہو گیا ہے اور اسی وجہ سے اسوقت غصہ میں مجھ سے یہ حرکت ہو گئی۔ بہرحال آئندہ زندگی میں وہ بہت وفادار بیوی ثابت ہوئی لیکن دو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہی۔ اسکے انتقال کے بعد میں نے یکے بعد دیگرے چار عقد کیئے۔ لیکن چاروں بیویاں مر گئیں۔ میں نے دل برداشتہ ہو کر ترک وطن کر دیا اور جگہ جگہ سیر و تفریح کرتا ہوا پھر رہا ہوں۔ مودی کی کہانی سن کر بادشاہ نے کہا کہ تمہاری کہانی بھی اس کبڑے کے واقعہ سے زیادہ عجیب نہیں۔ پھر حکیم کیطرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم کچھ کہنا چاہتے ہو حکیم نے کہا کہ جہاں پناہ! میرا قصہ بھی سن لیں۔ شاید وہ اس کبڑے کے قصہ سے زیادہ عجیب ہو۔

حکیم صاحب کی داستان

میں جن دنوں دمشق میں مطب کیا کرتا تھا ایک روز شاہ دمشق نے مجھے طلب فرمایا اور ایک نوجوان کے معالجہ کا حکم دیا۔ میں نے مریض سے کہا کہ نبض دکھاؤ۔ اس نے بایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا مجھے بہت حیرت ہوئی کہ شاہی سلسلہ کا آدمی ہو کر یہ شخص اتنا نہیں جانتا کہ نبض دائیں ہاتھ کی دکھائی جاتی ہے اسوقت میں بادشاہ کی موجودگی سے خاموش رہا اور نبض دیکھ کر دوا تجویز کر دی۔ ایک مہینہ علاج ہوتا رہا اور خدا کے فضل سے وہ تندرست ہو گیا۔ میں نے اسکو غسل صحت کی اجازت دیدی دوران علاج

کئی بار میں نے مریض کو دیکھا اور آخر کار یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ ہمیشہ بایاں ہاتھ دکھاتا ہے۔ دراصل اس کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا تھا۔

تندرست ہونے کے بعد میں نے اس سے دریافت کیا کہ اس ہاتھ کے کٹنے کی وجہ کیا ہے۔ تو کہنے لگا کہ ایک عجیب اتفاق تھا جس نے مجھے عیب دار بنا دیا۔ میں تمہیں اپنا قصہ سناتا ہوں۔

میں موصل کے ایک مالدار تاجر کا لڑکا ہوں۔ میرے والد کے دس بھائی تھے لیکن اولاد کسی کے نہیں تھی۔ میں بھی اپنے والد کا اکلوتا لڑکا تھا۔ میرے چچا اور تائے مجھ سے بیحد محبت کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سب بھائیوں کا یہ ہی اکیلا وارث ہے اسلئے میری نگہداشت پر بھی بہت توجہ دی جاتی تھی۔ ایک روز چچا نے مصر کا ذکر اس انداز میں کیا کہ مجھے بھی اس کے دیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ اسی دوران میں چچا سامان تجارت لیکر مصر جانے لگے تو میں نے بھی اصرار کیا کہ میں مصر دیکھنا چاہتا ہوں۔ بڑی مشکل سے اجازت ملی لیکن والد نے چچا سے الگ لیجا کر تاکید کر دی کہ اسکو مصر نہ لے جانا بلکہ دمشق میں چھوڑ دینا۔ مجھے کچھ معلوم نہ تھا۔ میں خوشی خوشی چچا کے ساتھ چلدیا۔ دمشق پہنچکر ہم چند روز ٹھہرے تاکہ کچھ اسباب فروخت کریں اور کچھ نیا خریدیں۔ ایک روز میں شہر کی سیر کرنے گیا ہوا تھا۔ چچا نے موقع مناسب سمجھ کر مجھے وہیں چھوڑ دیا اور خود مصر روانہ ہو گئے۔ واپس آکر میں نے ہر چند ان کو تلاش کیا ان کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ مجبوراً اسی مکان میں رہنے لگا جو ہم نے کرایہ پر لے رکھا تھا ایک شب میں آزردہ بیٹھا تھا کہ ایک نوجوان عورت اندر آئی اور کہنے لگی کہ جب سے تم یہاں آئے ہو۔ میں تمہیں چاہنے لگی ہوں۔ پھر وہ میری گود میں بیٹھ گئی۔ میں نے وہ رات بڑے لطف سے بسر کی۔ صبح کو جب وہ جانے لگی تو میں نے دس دینار پیش کئے وہ مسکرائی اور اپنی جیب سے بیس دینار نکال کر میرے آگے ڈالدیئے اور چلی گئی۔ میں حیرت سے اسکو دیکھتا رہ گیا۔ تیسرے روز شام کو وہ پھر آئی اور شب بھر وہ میرے پاس رہی صبح کو چلتے ہوئے بیس دینار میرے آگے ڈالدیئے۔ میں نے کہا کہ تم مجھے دینار کیوں دیتی ہو۔ وہ ہنسکر بولی کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں اسلئے تمہیں انکار نہیں ہونا چاہیئے۔ غرض اسی طرح وہ روز آنہ آتی رہی یہاں تک کہ میں بھی اس سے کافی مانوس ہو گیا۔

ایک روز وہ مجھ سے کہنے لگی۔ اگر تمہیں مجھ سے زیادہ خوبصورت مل جائے تو کیا کرو گے۔ میں نے کہا میں اسکی طرف توجہ نہیں دونگا۔ وہ بولی کہ اچھا میں تمہارا امتحان لوں گی۔ تیسرے روز وہ اپنے ساتھ ایک اور نوجوان عورت کو ساتھ لائی۔ جو حقیقتاً اپنے حسن کا جواب نہیں رکھتی تھی۔ پھر مجھ سے یہ کہنے لگی کہ بتاؤ یہ عورت مجھ سے زیادہ حسین ہے یا نہیں میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا کہ ہاں! وہ کہنے لگی کہ اچھا آج تم اسکے ساتھ رات گذارو۔ چنانچہ ہم دونوں کو اس نے ایک تنہا کمرے میں لٹا دیا۔ صبح کو جب میں بیدار ہوا تو دیکھا وہ نئی حسینہ مقتول پڑی ہے اور میری سابقہ عاشقہ کا کہیں پتہ نہیں۔ میں بہت پریشان ہوا اور اپنے بچاؤ کی خاطر گھر ہی میں قبر کھود کر اس مظلومہ کو دفن کر دیا اور زمین برابر کر کے مکان کو تالا لگا دیا۔ پھر مالک مکان کو ایک سال کا پیشگی کرایہ دے کر مصر چلا گیا۔ وہاں چچا سے ملاقات ہو گئی۔ میں ان کے ساتھ چند ماہ مصر میں رہا۔

اور پھر سیر و سیاحت کے لئے دوسرے ملکوں میں چلا گیا۔ غرض اسی طرح تین سال تک اِدھر اُدھر پھرتا رہا لیکن لاش والے مکان کا کرایہ ہمیشہ وقت پر بھیجتا رہا لیکن ایک بار میں دمشق آ رہا تھا کہ راستے میں چوری ہو گئی اور میں بالکل خالی ہاتھ رہ گیا۔ میں نے اپنا مکان کھولا اور کچھ سامان فروخت کر کے روپیہ حاصل کروں وہاں ایک ہار پڑا ہوا ملا۔ میں نے سمجھا کہ یہ مقتولہ کا ہی ہے۔ میں اس کو لیکر بازار میں گیا اور جوہری کو دکھایا۔ اس نے چوری کا شبہ کر کے کوتوال شہر کے حوالہ کر دیا۔ کوتوال مجھے قاضی کے پاس لے گیا۔ میں نے قاضی سے کہا کہ یہ میرا ہار ہے لیکن قاضی کو بھی یقین نہ آیا۔ چنانچہ مجھ پر بہت مار پڑی۔ میں اصل واقعہ تو بیان نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اندیشہ تھا کہ کہیں قصاص میں قتل نہ کر دیا جاؤں۔ مجبوراً میں نے چوری کا اقرار کر لیا اور میرا دایاں ہاتھ قلم کر دیا گیا۔ میں اپنے سابقہ مکان میں آیا تو مالک نے نہ رہنے دیا کیونکہ میں مشتبہ ہو چکا تھا۔ میں نے ایک دوسرا مکان کرایہ پر لے لیا اور وہاں رہنے لگا۔

دوسرے دن پھر کوتوال آیا۔ اور کہنے لگا کہ یہ بتاؤ تم نے یہ ہار کب اور کہاں سے چرایا تھا۔ میں نے کہا کہ بھائی اب تو مجھے اس کی سزا بھی مل چکی ہے۔ پھر دوبارہ تم کیوں پوچھتے ہو کوتوال نے کہا کہ جس لڑکی کا یہ ہار ہے وہ ہی مفقود الخبر ہے اور جس مکان کو تم نے خالی کیا ہے اس میں کچھ علامات پائی جاتی ہیں کہ شاید وہ لڑکی وہیں قتل کی گئی تھی۔ میں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ چنانچہ مجھے والیٔ دمشق کے حضور میں پیش کیا گیا۔ میں نے سوچا کہ اب بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے اصل واقعہ بتا دینا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے شروع سے آخر تک کل قصہ والیٔ دمشق کے حضور میں عرض کر دیا۔ وہ سن کر کچھ دیر خاموش رہے اور پھر مجھے تنہائی میں لیجا کر کہنے لگے کہ مجھے افسوس ہے کہ تمہارا ہاتھ بلا خطا کاٹ دیا گیا۔ خیر اب میں اس کی کچھ تلافی کرنا چاہتا ہوں دراصل وہ دونوں عورتیں جو تمہارے پاس گئی تھیں میری سوتیلی لڑکیاں تھیں۔ ایک قتل ہو گئی اور دوسری بھی اس دنیا میں نہیں ہے۔ کم اصل سے کبھی وفا کی امید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی بدکاری کا انجام بھی بھگت لیا۔ اب میرے ایک لڑکی ہے اور میں اس سے تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں تاکہ تم پر سے بدنامی کا دھبہ دور ہو جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے آپ سے میرا علاج کرایا اور عنقریب شادی ہو جائے گی حکیم نے کہا کہ اے شہنشاہ اس نوجوان کے تندرست ہونے کے بعد والیٔ دمشق نے مجھے انعام دیا اس کے بعد میں وہاں سے آ کر آپکے زیر سایہ رہنے لگا۔ بادشاہ نے حکیم کا قصہ سن کر کہا کہ یہ بھی کبڑے کے قصہ سے زیادہ عجیب نہیں ہے پھر درزی کیطرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اگر تم نے بھی کوئی عجیب واقعہ نہیں سنایا تو میں سب کو قتل کر دونگا۔ درزی آداب بجا لا کر آگے بڑھا اور اپنی داستان شروع کی۔

درزی کا قصہ

درزی نے عرض کیا کہ اس کبڑے کے حادثے سے ایک روز قبل میں ایک دعوت میں شریک تھا۔ شہر کے بہت سے اچھی حیثیت کے لوگ بھی آئے ہوئے تھے تھوڑی دیر میں ایک نوجوان آیا جو ایک ٹانگ

دبا کر چلتا تھا۔میزبان نے تعظیم کیساتھ اسے بھی لا کر ایک طرف بٹھا دیا۔اتفاقاً اسوقت سامنے سے ایک بوڑھا حجام آگیا۔جسے دیکھتے ہی وہ نوجوان کھڑا ہو گیا اور صاحب خانہ سے معذرت کر کے جانے لگا۔ہم سب حیران تھے کہ ابھی تو یہ شخص شریک دعوت ہونے آیا تھا اور کھانا کھانے سے پہلے ہی واپس جانا چاہتا ہے۔صاحب خانہ اور لوگوں نے اصرار کیا۔تو وہ کہنے لگا۔کہ جناب جہاں یہ حجام ہو گا وہاں میں نہیں ٹھہر سکتا۔آپ لوگ میری ٹانگ میں جو یہ لنگ دیکھ رہے ہیں۔اسی منحوس کی وجہ سے آیا ہے۔اب تو ہم لوگوں کا اشتیاق اور بھی بڑھ گیا۔چنانچہ کافی جدوجہد کے بعد اس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ کھانے کے بعد وہ اپنا قصہ سنائے۔اتنے میں کھانا آگیا اور سب لوگ کھانے سے فارغ ہو کر لنگڑے جوان کے گرد بیٹھ گئے۔

لنگڑے جوان کی داستان

صاحبان! میں بغداد کا رہنے والا ہوں۔میرے والد تجارت کیا کرتے تھے۔ہمارا کاروبار اچھا تھا۔والد کے انتقال کے بعد میں نے دوکان سنبھالی اور بدستور سابق اپنا کام چلاتا رہا۔میرے اور کوئی بہن بھائی نہیں تھا۔آمدنی معقول تھی۔اسلئے اچھا کھاتا پہنتا اور عیش و آرام سے گذران کر رہا تھا۔ابتدائی عمر میں والد نے میرے ذہن میں یہ بٹھا دیا تھا کہ عورت بیوفا اور ریاکار ہوتی ہے۔اسلئے عورتوں سے ایک قسم کی نفرت سی کیا کرتا تھا اور دل میں یہ سوچ رکھا تھا کہ شادی نہیں کرونگا۔ایک روز میں اپنی دوکان پر جا رہا تھا راستہ میں سوداگروں کی مال گاڑیاں کھڑی تھیں۔کچھ لوگ جمع ہو رہے تھے۔میں نے سوچا کہ ذرا بھیڑ کم ہو جائے تو آگے بڑھوں۔قریب ہی ایک تخت پڑا تھا۔اس پر بیٹھ گیا۔

اتنے میں سامنے کے مکان کا دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت لڑکی نکلی۔میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی صورت نہیں دیکھی تھی۔میں اپنی اس نفرت کو بھی بھول گیا جو مجھے عورتوں سے تھی میرا دل بیقرار ہو گیا
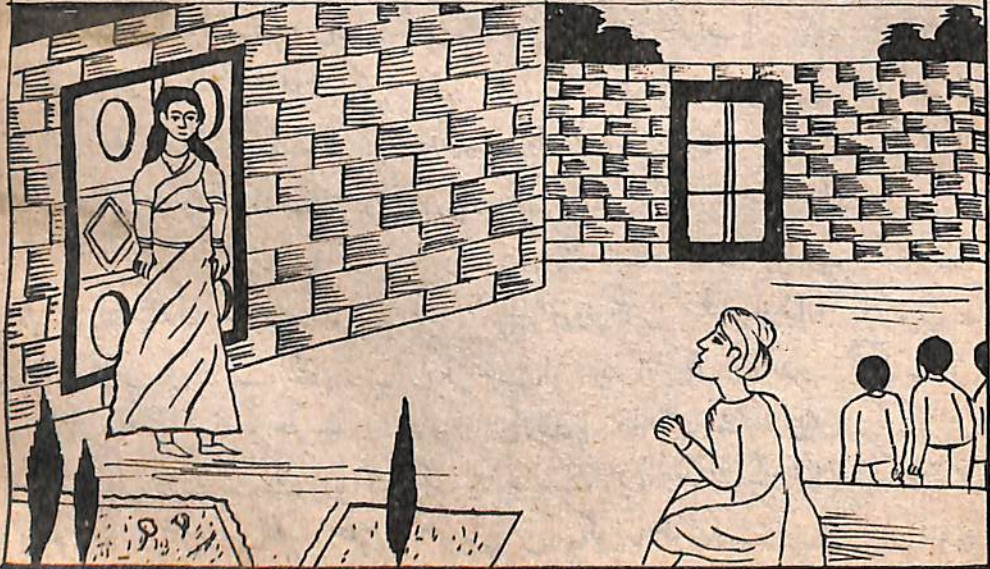
وہ لڑکی مکان کے متصلہ بائیں باغ میں گئی اور پھولوں کو پانی دینے لگی۔ میں اس عرصہ میں برابر اسے دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گھر میں واپس چلی گئی۔
میں ایسا محو ہو گیا تھا کہ مجھے یہ خبر نہ ہوئی کہ کب مجمع کم ہوا اور راستہ صاف ہو چکا ہے سوچ رہا تھا کہ کسی سے دریافت کروں کہ اس مکان میں کون رہتا ہے۔ اتنے میں قاضی شہر آئے اور سیدھے اسی مکان میں چلے گئے۔ جس سے میں نے اندازہ کیا کہ غالباً وہ قاضی صاحب کی لڑکی ہو گی۔ وہاں سے اٹھ کر میں گھر آ گیا طبیعت اتنی بے کیف تھی کہ اس روز میں نے دوکان بھی نہیں کھولی اسی حالت میں کئی روز گذر گئے لیکن مجھے سکون نہ ہوا۔ ہر وقت اسی لڑکی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی تھی۔ آخر میں نے ایک دوست کے مشورے سے ایک بڑھیا کو بلایا جو شہر میں دلالہ کا کام کرتی تھی اور اس سے اپنی سرگذشت بیان کی۔ بڑھیا کہنے لگی کہ بیشک قاضی صاحب کی لڑکی ہزاروں میں انتخاب ہے۔ لیکن اس تک رسائی آسان نہیں میں کوشش کرتی ہوں۔ اگر لڑکی تمہاری طرف متوجہ ہو سکی تو ممکن ہے۔ کامیابی کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ اسکے بعد بڑھیا چلی گئی۔ تین روز تک میں بے چینی سے اسکا انتظار کرتا رہا۔ آخر خدا خدا کر کے وہ آئی کہنے لگی کہ میں نے قاضی صاحب کی لڑکی سے تمہارا ذکر کیا تھا۔ شروع شروع میں تو وہ بہت ناراض ہوئی لیکن میں نے اسکے تیور دیکھ کر پہچان لیا تھا کہ تمہارے لیئے اس کے دل میں ضرور گنجائش ہے۔ جہاں تک میں سمجھتی ہوں اسے بھی تم سے محبت ہے۔ بڑھیا مجھے تسلی دیکر چلی گئی اور پھر کئی دن کے انتظار شدید کے بعد آئی اور کہنے لگی۔ کہ مبارک ہو۔ میں نے آخر اس سے قبول کرا ہی لیا کہ وہ بھی تم کو چاہتی ہے۔ جمعہ کے روز جب قاضی صاحب مسجد میں تشریف لیجائیں گے اسوقت تم اس کے مکان کے باغیچہ میں پہنچ جانا۔ وہیں ملاقات ہو جائے گی۔ یہ خوشخبری سنکر میں بہت خوش ہوا۔ اور بڑھیا کو معقول انعام دیا۔ جمعہ کے دن صبح سویرے اٹھ کر میں نے غلام کو حکم دیا کہ ایک حجام کو بلا لاؤ۔ میری بد قسمتی سے غلام اس مردود حجام کو ساتھ لے آیا جو آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔ اس نے آتے ہی مجھے سلام کیا اور کہنے لگا کہ آپ بال بنوانا چاہتے ہیں۔ یا فصد کھلوانا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جمعہ کے روز بال کٹوانا ستر بیماریاں دور کرتا ہے اور فصد کھلوانا بیماریوں کو بلوانا ہے۔ میں نے کہا کہ تم اپنا وعظ تو رہنے دو اور میری اصلاح بنا دو۔ یہ مردود آلات نجوم لیکر وسط صحن میں سورج کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور کچھ دیر تک حساب وغیرہ کرتا رہا۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ آج صفر المظفر کی دس تاریخ ہے اور جمعہ کا دن مریخ سات درجے طے کر چکا ہے اور آٹھویں درجہ میں چھ دقیقے گذرے ہیں۔ یہ ساعت خط بنانے کیلیئے موزوں نہیں علم نجوم اور ستاروں کی تحویل یہ بتاتی ہے کہ آپ کسی شخص سے ملنے جا رہے ہیں۔ مگر مصیبت اور تکلیف پیش آنے کا خطرہ ہے میں یہ نہیں بتا سکتا کہ کیا افتاد پڑے گی مگر آپ! یہ اتنی ہی بکواس کرنے پایا تھا کہ میں نے جھلا کر اس سے کہا کہ میں نے تمہیں بال بنوانے کے لیئے بلایا ہے زائچہ دیکھنے کے لئے نہیں۔ یہ بدبخت کہنے لگا کہ آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپکو کیا کام درپیش ہے۔ تفصیل معلوم ہو۔ ممکن ہے میں آپ کو ایسا مشورہ دے سکوں جو صحیح اور مفید ہو

میں نے کہا کہ اپنی بکواس بند کردو اور جس کام کیلئے میں نے بلایا ہے۔ اسکو انجام دو مگر یہ کمبخت باز نہ آیا اور بولا صاحب آپ اسے بکواس کہتے ہیں حالانکہ میں بہت کم گو ہوں۔ میرے بھائی بیشک فضول گو اور لغو آدمی ہیں۔ میری خاموش طبعی ہی کی وجہ سے لوگوں نے مجھے صامت کہنا شروع کردیا ہے۔ آپ میرے بھائیوں کے نام بھی سن لیجئے۔ ایک کا بکبک۔ دوسرا ابکبارہ۔ تیسرا الکوز۔ چوتھا...

بیتاب ہوکر میں نے حکم دیا کہ اسکو باہر نکال دو۔ نامراد میرا وقت ضائع کررہا ہے۔ یہ سنکروہ ہاتھ باندھ کر میرے سامنے کھڑا ہوگیا۔ اور کہنے لگا کہ جناب میں آپکی خدمت کئے بغیر کبھی نہیں جاؤنگا۔ آپ ناراض ہوگئے ہیں۔ اسلئے میں آپ کی حجامت بھی بناؤنگا اور اجرت بھی نہیں لونگا۔ آپ نہیں جانتے۔ آپکے والد مرحوم کے مجھ پر کتنے احسانات ہیں۔ ایک بار انہوں نے مجھے بلایا اسوقت ان کے پاس بہت سے معززین بیٹھے تھے اور فرمایا کہ میری فصد کھول دو۔

تصویر حجام

میں نے اسی وقت ستاروں کی گردش اور سورج کا محل وقوع دیکھ کر کہا کہ حضرت یہ وقت فصد کیلئے کسی طرح موزوں نہیں۔ چنانچہ انہوں نے میری رائے پر عمل کیا اور دوسرے وقت پر فصد کھلوائی کل حاضرین نے اسوقت میری قدر شناسی اور عزت افزائی کی۔ اور مجھے تھیلی دینار کی عطا کی جس پر میں نے غصہ میں جھنجھلا کر کہا کہ اگر والد مرحوم نے تم جیسے فضول شخص کو اسقدر روپیہ دیا تو بہت بڑی غلطی کی۔ اس پر یہ کمبخت ہنسنے لگا۔ اور بولا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت آپکی طبیعت ٹھیک ہے اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ غصہ کرنا گناہ ہے اور معاف کردینا ثواب۔ میں آپکے فرمانے کا برا نہیں مانتا کیونکہ آپکے والد مجھے دوست کہتے تھے۔ میں آپ کو اپنا محسن زادہ سمجھتا ہوں۔ یاد رکھئے اسوقت دنیا میں مجھ سے زیادہ

ہمدرد اور مخلص آپ کو کوئی دوسرا نہیں ملیگا۔ میں نے کہا بابا میرے حال پر رحم کرو۔ اور خدا کیلئے میری حجامت بنادے۔ ورنہ جا اپنا راستہ لے۔ یہ سیجیا کہنے لگا کہ تم ابھی بچے ہو مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب میں تمکو اپنے کاندھوں پر بٹھا کر استاد کے یہاں لیجایا کرتا تھا اور آج تم اپنے بوڑھے خدمت گذار پر غصہ کر رہے ہو۔ میں نے کہا کہ بھائی میں غصہ وغیرہ نہیں کرتا۔ تو میرا خط بنادے۔ مجھے ایک بہت ضروری کام ہے۔ اور وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر اس خبیث حجام نے استرا نکالا اور آہستہ آہستہ بتھری پر تیز کرنے لگا۔ مگر اس کی زبان برابر چلتی رہی۔ تقریباً ایک گھنٹہ میں اس نے استرا ٹھیک کیا اور حجامت بنانی شروع کی۔ ابھی تھوڑے ہی بال کاٹے تھے کہ میں نے تقاضا کیا کہ جلدی کرو مجھے دیر ہوتی ہے اس نے فوراً استرہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہنے لگا کہ صاحب آپ نے بزرگوں کا یہ قول نہیں سنا۔ تعجیل کار شیاطین بود!
کسی کام میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس سے اکثر کام خراب ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات ان کو پشیمانی اٹھانی پڑتی ہے۔ اسکے بعد دیر تک اپنی کاریگری اور نجوم دانی کے قصے سناتا رہا۔ تنگ آکر میں نے اس بدبخت سے کہا۔ پہلے مجھے فارغ کر دے۔ پھر قصے سنا لینا۔ یہ کہنے لگا کہ آپ ابھی نوعمر ہیں میں آپکو مشورہ دیتا ہوں کہ ہر کام سوچ سمجھ کر و اور انجام کا پہلے سے اندازہ کر لو۔ ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے۔ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ اسوقت آپ کو کیا ضروری کام ہے؟ اسکے بعد فوراً اضطراب وغیرہ لیکر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ ابھی نماز جمعہ میں کافی دیر ہے۔ میں ذرا ساعت دیکھ لوں۔ میں نے کہا کہ بندہ خدا مجھ پر رحم کر اور اپنی فضول بکبک بند کر۔ اُسنے کہا کہ آپ کے والد اللہ انکو جنت نصیب کرے ہر کام میں مجھسے مشورہ لیا کرتے تھے۔ آپ بھی ایک مرتبہ میرا مشورہ لیکر دیکھئے مجھے یقین ہے کہ آپکے لئے بہت کارآمد ہوگا میں نے کہا کہ مجھے قبل جمعہ ایک دعوت طعام میں شریک ہونا ہے۔ دعوت کا نام سنکر یہ سیجیا اچھل پڑا اور استرہ بتھری پر رگڑتے ہوئے مجھ سے کہنے لگا کہ مجھے ایک بات آپ سے کہنی یاد نہیں رہی۔ میں نے بھی کل کے لئے چند احباب کو کھانے پر مدعو کیا ہے۔ مگر ابتک اسکے لئے کوئی انتظام نہیں کر سکا اور پریشان ہوں۔ کہ ان لوگوں کو کیا کھلاؤں گا۔ میں نے کہا کہ تم فکر نہ کرو۔ اگر تم میری حجامت جلدی سے بنادو تو میں تمہاری دعوت کا کل سامان اپنے یہاں سے بھیجدونگا۔ یہ کمبخت استرہ ہاتھ سے رکھ کر مجھے دعائیں دینے لگا اور پوچھنے لگا۔ کہ کیا از راہ نوازش آپ مجھے بتائیں گے کہ دعوت کیلئے آپ کے یہاں سے کیا کیا چیزیں ملیں گی۔
میں نے کئی چیزوں اور کھانوں کے نام لئے۔ یہ کہنے لگا۔ ذرا مہربانی کر کے یہ سب چیزیں مجھے دکھلا دیجئے تاکہ میں مطمئن ہو کر آپ کی حجامت بنادوں۔ میں نے اپنے ملازمین سے کل سامان نکلوایا۔ وہ دیر تک ان چیزوں کو دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا تھوڑی سی شراب اور ہوتی تو دعوت مکمل ہو جاتی۔ قہر درویش برجان درویش میں نے شراب بھی منگوادی۔ پھر یہ میری تعریفیں کرتا رہا۔ اسکے بعد بولا کچھ خوشبویات بھی عنایت فرمائیے۔ میں نے وہ بھی نکلوا دیں لیکن یہ ظالم پھر بھی بیٹھا استرہ ہی گھستا رہا۔ میں نے جب بہت تقاضا کیا تو اٹھ کر دوبارہ سامان وغیرہ دیکھنے لگا۔ اور ساتھ ساتھ ایک ایک چیز کی تعریف کرتا جاتا تھا۔ اور

خدا خدا کر کے یہ معائنہ ختم ہوا۔ اور اپنی کم گوئی اور میری حجامت کے متعلق اشعار سناتا رہا۔ پھر مجھے اپنے یہاں کھانے پر مدعو کیا میں نے معلومات کی تو آپ اصرار کرنے لگے اور اپنے دوستوں کی تعریفیں شروع کر دیں اور تعریف بھی یہ کہ یہ ان میں سے ہر ایک کا الگ الگ تذکرہ کرے کہ میں نے پھر حجامت بنانے کا تقاضا کیا اور یہ کمبخت استرہ لیکر میرے پاس آ بیٹھا اور حجامت جو باقی رہ گئی تھی ختم کی اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ بدبخت کہنے لگا کہ آپ غسل کر لیں۔ اتنے میں میں سامان گھر پہنچا دوں پھر آپکے ساتھ جاؤں گا تاکہ کوئی مشکل پیش نہ آوے۔ گو آپکا یہ خادم موجود ہو اور آپ کی مدد کر سکے۔ غرض سامان لیکر یہ دفع ہوا تو میں نے غسل کیا عمدہ لباس پہنا اور اپنی محبوبہ سے ملنے کیلئے چلدیا۔ یہ بدمعاش حجام مزدور کے ہاتھ سامان لیکر میرے انتظار میں کھڑا تھا۔ جب میں نکلا یہ بھی میرے پیچھے پیچھے ہو لیا اور قاضی صاحب کے مکان تک جا پہنچا۔ افسوس مجھے پہلے اسکا علم نہیں ہوا کہ یہ مردود میرا تعاقب کر رہا ہے۔ ورنہ آج میں لنگڑا نہ ہوتا۔ بہرحال جب میں بائیں باغ میں گیا تو دروازہ کھل گیا اور میں اندر چلا گیا اور یہ حجام اس تخت پر بیٹھ گیا جس پر ایک روز بیٹھ کر میں نے قاضی صاحب کی لڑکی کو دیکھا تھا اور عشق میں مبتلا ہوا تھا۔ شاید مجھے دیر ہو گئی تھی۔ کیونکہ زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ قاضی صاحب نماز جمعہ سے فارغ ہو کر واپس آ گئے اتفاقاً وہ کسی بات پر اپنی کنیز سے ناراض ہوئے اور انکو پیٹا تو ان کے غلام آ کر معذرت کرنے لگے۔ غصہ میں قاضی صاحب نے ان کو سخت سست کہنا شروع کر دیا جس سے اچھا خاصا ہنگامہ ہو گیا۔ اس خبیث نے باہر شور کی آواز سنی تو یہ خیال کیا کہ میں پکڑا گیا اور قاضی صاحب مجھے سزا دے رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے باہر شور کر دیا۔ اور اہل محلہ کو جمع کر لیا کہ اندر قاضی صاحب میرے آقا کو پیٹ رہے ہیں پھر بھاگا بھاگا میرے

قاضی صاحب کے مکان پر لوگوں کا اژدھام

مکان پر پہنچا۔ اور غلاموں سے کہنے لگا کہ تمہارے آقا مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ جلدی امداد کے لئے چلو غلام لاٹھیوں سے مسلح ہو کر قاضی صاحب کے مکان پر آ گئے اور دروازہ توڑنے لگے۔ بیچارے قاضی صاحب حیران تھے کہ آخر یہ کیا مصیبت نازل ہوئی۔ گھر کے باہر ایک طوفان بے تمیزی برپا تھا۔ وہ باہر آئے اور کہنے لگے۔ صاحب کیا معاملہ ہے۔ لوگوں نے کہا۔ آپ اس کے آقا کو کیوں پیٹ رہے ہیں۔ قاضی صاحب نے کہا کہ کون آقا اور کس کا آقا؟ آخر ان کے آقا کا میرے گھر میں کیا کام ہے۔ لوگوں نے اس حجام کیطرف اشارہ کیا یہ آگے بڑھا۔ اور کہنے لگا کہ تم قاضی شہر ہو کر جھوٹ کیوں بولتے ہو۔ میرا آقا تمہاری لڑکی پر عاشق تھا اور آج اس سے ملنے آیا ہے تمہیں کسی طرح اسکا علم ہو گیا اور اب تم اس کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ خیریت اس میں ہے کہ ہمارے آقا کو چھوڑ دو۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔ اس کی گفتگو سنکر قاضی صاحب پانی پانی ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ تم اپنے آقا کو خود ہی تلاش کر کے نکالو۔ میں نے تو کسی شخص کو گھر میں نہیں دیکھا یہ بدنصیب گھر میں گھس آیا اور مجھے فکر ہوئی کہ اگر اس نے تلاش کر لیا تو بہت رسوائی ہو گی میں ایک صندوق میں چھپ گیا۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے یہ وہاں بھی آ پہنچا لیکن خدا کا فضل ہوا کہ یہ اسوقت تنہا تھا۔ میں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے کہ تو باہر چلا جا میں کل آؤنگا۔ لیکن یہ نہ مانتا تھا۔ میں نے کہا۔ اچھا تو جا کر میرے کسی غلام کو بلا لا۔ یہ باہر نکلا اور میں دوسرے دروازہ سے بھاگا۔ بدقسمتی سے اس مردود ازلی نے پھر دیکھ لیا اور شور کرتا ہوا میرے پیچھے دوڑا۔ اس کی آواز سُن کر دوسری طرف کے بازار والے میرے تعاقب میں دوڑے۔ میں نے ایک مٹھی بھر کر اشرفیاں پھینکدیں۔ وہ لوگ تو ان کے اٹھانے میں مصروف ہو گئے اور میں اپنی جان بچا کر ایک تنگ کوچے میں چھپ گیا۔ لیکن یہ شیطان پھر بھی میرے سر پر مسلط رہا۔ قریب آ کر کہنے لگا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں آپ کو بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ ورنہ آج قاضی تمہیں زندہ نہ چھوڑتا میں پہلے ہی کہتا تھا آج آپ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اب بتائیے کہ اگر میں خدمت گذاری کو موجود نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ میں پھر وہاں سے بھاگا اور ایک دوست کے مکان میں پناہ لی۔ اس نے اس بیجا کو ڈرا دھمکا کر واپس کیا۔ اس دوڑ دھوپ میں میرا دایاں پیر بیکار ہو گیا اسکے بعد میں نے قسم کھائی کہ جہاں یہ حجام ہو گا۔ وہاں میں نہیں رہوں گا۔ چنانچہ میں نے اپنا کل سامان فروخت کیا اور خاموشی سے بغداد چھوڑ دیا خدا جانے میری محبوبہ کا کیا حشر ہوا۔ بہرحال میرے عشق کا جنون تو اس حجام کی بدولت سرد پڑ گیا۔

لوگوں نے حجام سے پوچھا کہ اس بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ وہ کہنے لگا کہ صاحب واقعہ تو جو کچھ بیان کر رہے ہیں۔ صحیح ہے۔ لیکن آجتک میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ آخر اس میں میری غلطی کیا تھی۔ آپ ہی انصاف فرمائیے کہ اگر میں بروقت امداد موجود نہ ہوتا تو ان کا کیا انجام ہوتا۔ انہیں تو میرا ممنون ہونا چاہیئے کہ صرف ایک ٹانگ ہی پر آئی ہوئی ٹل گئی۔ ورنہ ان کی جان جانے میں کیا کمی رہ گئی تھی۔ یہ صاحب مجھے بکی یا دروغ گو سمجھتے ہیں۔ آپ میری سرگذشت سنئے۔ اور پھر سوچئے میں مفید آدمی ہوں یا بیکار اور بیکار تو میں ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ان کی داستان سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں نے کتنا عجیب وغریب کام کیا ہے۔ خواہ یہ اس کی قدر کریں یا نہ کریں

خیر اب آپ میری داستان سنئے

حجام کی مزخرفات

صاحبان! جیسا کہ آپ کو اس نوجوان کی سرگذشت سے معلوم ہوچکا ہے۔ کہ میں بغداد کا رہنے والا ہوں۔ یہ صاحب مجھے فضول گو احمق اور بیوقوف سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت میں ایسا نہیں ہوں جس زمانہ میں میں بغداد رہتا تھا اسوقت خلیفہ مستنصر باللہ حیات تھے۔ وہ عادل خداترس اور اہل علم کے قدردان تھے۔ ایک بار مجھے بھی ان کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل ہوا اور مرحوم نے خوش ہوکر مجھے صامت کے معزز نصب سے مشرف فرمایا تھا میں کس طرح ان کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس کا واقعہ آپ لوگوں کو سناتا ہوں۔ ایک بار خلیفہ مرحوم نے دس آدمیوں کی گرفتاری کے احکام صادر فرمائے۔ وہ لوگ دجلے کی سیر کو گئے ہوئے تھے۔ اتفاقاً میں بھی اسوقت دجلے کے کنارے کھڑا تھا۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ ان کی گرفتاری کا حکم ہوچکا ہے۔ ان لوگوں نے کشتی کرایہ پر لی اور اس میں سوار ہوگئے۔ میں نے یہ سوچ کر کہ یہ شریف آدمی سیر و تفریح کا لطف اٹھائیں گے اور عمدہ عمدہ کھانے لائے ہونگے۔ ان کے ساتھ چلنے کی درخواست کی چنانچہ انھوں نے مجھے بھی بٹھالیا۔ ہم ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے یہانتک کہ کشتی دوسرے کنارے پر آلگی۔ ابھی ہم کشتی سے اترنے بھی نہ پائے تھے کہ کوتوال شہر کچھ سپاہیوں کو لیکر آپہنچا اور ان سب کو گرفتار کرلیا۔ ساتھ ہی میں بھی بلا قصور پکڑا گیا لیکن اپنی عادت کے موافق خاموش رہا۔ جب ہم خلیفہ کے دربار میں پیش کئے گئے تو وہ اسوقت سخت غصّہ کی حالت میں تھے۔ انہوں نے حکم دیا کہ ان دس آدمیوں کو قتل کردیا جائے چنانچہ جلّاد نے ان کو قتل کردیا اور کوتوال نے مجھے خلیفہ کے سامنے پیش کیا کہ یہ گیارھواں آدمی بھی انہی کے ساتھ گرفتار ہوا تھا۔ اسکے متعلق کیا حکم ہے۔ خلیفہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کون ہو اور ان لوگوں کیساتھ کس طرح گرفتار ہوئے۔ میں نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ میں ایک حجام بھی ہوں اور قصاص بھی ایک نجومی بھی ہوں۔ اور طبیب بھی ایک جفار بھی ہوں اور رمّال بھی۔ غرض حکمت و دانائی کی کوئی قسم ایسی نہیں ہے کہ مجھے نہ آتی ہو جس وقت یہ مقتولین کشتی میں سوار ہوکر دجلہ کی سیر کو چلے تو میں یہ سوچ کر کہ ممکن ہے انھیں میری خدمات کی ضرورت ہو۔ میں بھی ان کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گیا۔ مجھے قطعاً یہ علم نہیں تھا کہ مجرم میں ہوں۔ جب کشتی دوسرے کنارے پر آئی تو میں بھی ان کے ساتھ گرفتار کرلیا گیا۔ لیکن میں خاموش رہا۔ کیونکہ خاموشی میری زندگی کا زرین ترین اصول ہے۔ اسی لئے میں آپکے سامنے زندہ و سلامت ہوں۔ اگر فضول گوئی اور بے ضرورت باتیں کرتا۔ ممکن ہے میں بھی ان کے ساتھ قتل کردیا جاتا۔ میرے بھائی بیشک بہت بکواسی اور لغو ہیں اور اسی زیادہ گوئی کی بدولت طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ میں آپ کو اُنکا حال سناتا ہوں تاکہ میرے اصول کی صداقت آپ پر بھی واضح ہوجائے۔ اس عرصہ میں خلیفہ برابر مسکراتے رہے اس سے پیشتر کہ وہ کچھ فرماتے۔ میں نے اپنے بھائیوں کا قصہ سنانا شروع کردیا۔

پہلے بھائی بکبک کی داستان

میرا ایک بھائی جو اپنی ایک ٹانگ اپنی حماقت سے کھو بیٹھا ہے۔ یہیں بغداد میں درزی کا کام کرتا ہے مالک دوکان کا گھر سامنے ہی تھا۔ اوپر کی منزل میں خود رہتا تھا اور نیچے کے حصہ میں خراس لگا رکھا تھا ایک دن مالک دوکان کی بیوی اپنے دریچہ میں کھڑی تھی۔ اتفاقاً میرے بھائی کی نظر پڑ گئی۔ وہ اس پر عاشق ہو گیا۔ عورت نے جب میرے بھائی کو اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھا تو کھڑکی بند کر دی۔ میرا بھائی عشق میں ایسا دیوانہ ہوا کہ تمام دن دریچہ ہی کی طرف دیکھتا رہا کئی روز گذر گئے لیکن اس کی حالت میں فرق نہ آیا۔ ایک روز مالک دوکان کچھ کپڑے سینے کو دے گیا۔ میرے بھائی نے بڑی محنت سے ان کو سیا۔ شام کو وہ ہی عورت پھر دریچہ میں آئی اور میرے بھائی کیطرف کچھ اشارے کرتی رہی۔ پھر ان کی کنیز آئی اور کہنے لگی کہ تم کپڑوں کی سلائی نہ لینا۔ کیونکہ میری مالکہ بھی تم کو چاہنے لگی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ تمہارے اور مالک کے درمیان دوستی ہو جائے اور تم آسانی سے مکان میں آجا سکو۔ میرا بیوقوف بھائی سمجھا کہ واقعی ٹھیک ہے۔ چنانچہ اس نے مالک سے اجرت نہ لی اور کہدیا کہ پھر کسی وقت دیکھا جائیگا۔ مالک مکان نے گھر میں آکر کہا تو اس کی بیوی نے کل واقعہ بتادیا اور کہنے لگی کہ اسکو بدمعاشی کی سزا ضرور ملنی چاہیئے۔ دونوں نے مشورہ کر کے پہلے تو خوب مفت کپڑے سلوائے اور پھر ایک روز اس احمق کا فرضی نکاح کر دیا اور کہدیا کہ شام کو خراس والے مکان میں آجانا۔ وہیں تمہاری محبوبہ ہوگی۔ چنانچہ رات کو میرا بھائی وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ کافی رات ہو گئی۔ مالک مکان آیا اور کہنے لگا کہ صبح کو تمہارا ولیمہ ہوگا۔ اور میرا گھوڑا بیمار ہے کیا تم تھوڑی محنت کرنے کو تیار ہو تاکہ ہم آٹا پیس

بکبک کی مرمّت
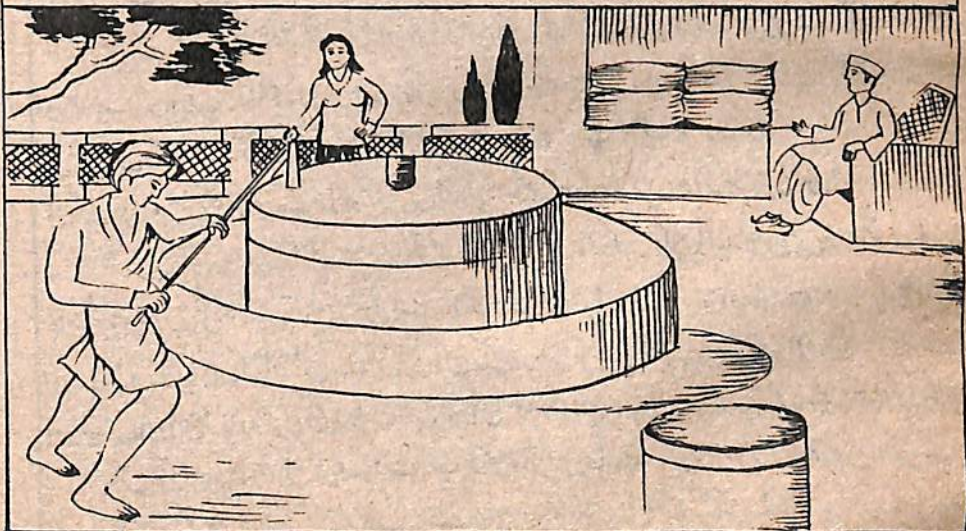
پس میرا بیوقوف بھائی تیار ہوگیا۔ مالک مکان نے اس کو خراس میں جوت دیا اور رات بھر اس سے آٹا پسوایا۔ اگر کسی وقت سستی آجاتی تو مذاق ہی مذاق میں چابک بھی مار دیتا۔ جس سے اس کے بدن پر نشانات بن گئے۔ صبح ہوگئی تو مالک نے اس کو گھر سے نکال دیا۔ غریب رات بھر خراس میں جتا رہا۔ تمام بدن چور چور ہو رہا تھا۔ جا کر دوکان پر گر پڑا۔ شام کو پھر کنیز آئی اور کہنے لگی کہ میری مالکہ کو رات مالک نے نہیں آنے دیا تھا۔ اور سنا ہے کہ تمہارے ساتھ بھی زیادتی کی گئی ہے۔ صبح سے مالکہ نے رنج وغم میں کھانا بھی نہیں کھایا۔ تم ذرا دریچہ کی طرف دیکھو۔ وہ بیوقوف گدھا پھر چکمے میں آگیا اور دریچہ کی طرف دیکھنے لگا۔ سامنے وہ ہی عورت کھڑی تھی اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہی تھی۔ میرا بھائی دل میں خوش ہوگیا۔ پھر وہ کنیز کہنے لگی کہ آج مالک مکان باہر گیا ہے۔ رات کو خاموشی سے تم آجانا۔ میں دروازہ کھلا رکھوں گی۔

امیرالمومنین! آپ خیال فرمایئے۔ کہ میرا بھائی کتنا نادان تھا کہ ان سب باتوں پر یقین کر کے رات کو پھر اس کے مکان پر چلا گیا۔ کنیز نے دروازہ کھول کر اس کو اندر بلا لیا۔ ابھی میرا بھائی بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ مالک مکان آگیا۔ پہلے تو اس نے شور کر کے لوگوں کو اکٹھا کر لیا پھر اس کی خوب مرمت کی اور پکڑ کر حاکم وقت کے سامنے پیش کر دیا۔ حالات سنکر حاکم نے حکم دیا کہ اس کو سو درّے مارے جائیں اور پھر گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں تشہیر کیا جائے۔ چنانچہ تعمیل حکم کی گئی اور میرے بھائی کو شہر بدر کر دیا گیا۔ جب مجھے کل حالات معلوم ہوئے۔ تو بڑی مشکل سے اس کو تلاش کر کے اپنے گھر لایا۔ اب وہ میرے پاس رہتا ہے اور اس پٹائی اور گدھے کی سواری میں اپنی ایک ٹانگ سے بھی معذور ہوگیا ہے یہ کہانی کہہ کر میں نے خلیفہ کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ اب غور فرمائیں کہ فضول آدمی میں ہوں یا میرا بھائی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے مرد معقول خیال فرماتے ہوں گے۔ اب میں اپنے دوسرے بھائی کا قصہ سناتا ہوں۔ اس سے آپ کو اور بھی زیادہ یقین آجائیگا کہ جو لوگ مجھے فضول گو کہتے ہیں۔ وہ حقیقتاً غلطی پر ہیں۔

دوسرے بھائی کا قصّہ

امیرالمومنین! میرا دوسرا بھائی ایک ہاتھ سے معذور ہے اور اس نے اپنی بیوقوفی سے اپنا ہاتھ خراب کیا ہے۔ ایک روز بازار میں چلا جا رہا تھا۔ لیکن اس طرح کہ کوئی دیکھے تو معلوم ہو گا اس میں عقل و شعور بالکل نہیں ہے۔ راستہ میں اس کو ایک بوڑھی عورت ملی اور دیر تک اس کی صورت دیکھتی رہی۔ پھر اسکے قریب آکر کہنے لگی۔ کہ بیٹا اگر تم میرا کہنا مانو تو بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ اماں بتاؤ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ وہ بڑھیا بولی۔ کہ کبھی تم نے کسی سے محبت کی ہے۔ میرے بھائی نے کہا نہیں۔ لیکن چچی کیا تم کسی سے میرا عشق کرا سکتی ہو۔ بڑھیا نے کہا کیوں نہیں۔ میرا احمق بھائی ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا چچی مجھے ایسی ترکیب ضرور بتاؤ۔ کہ کوئی مجھ سے عشق کرنے لگے۔ بڑھیا زیر لب مسکرائی۔ کہ بس تم ٹھیک ہو۔ اور میرے بھائی سے بولی کہ میرے ساتھ آؤ۔ میں ایک نہایت حسین عورت سے تمہاری ملاقات کرادوں گی جو تمہیں

دینار و دراہم بھی دے گی۔ میرا بھائی کہنے لگا۔ اچھی بظاہر تو مجھ میں ایسی کوئی خوبی نہیں ہے کہ کوئی حسین عورت مجھے قبول کرلے گی۔ بڑھیا نے کہا کہ میں تمہیں جس حسین عورت کے پاس لے جارہی ہوں وہ عیش پسند ہے۔ اسکو روزانہ نیا مرد چاہئے۔ اس سے کچھ بحث نہیں کہ وہ یوسف ثانی ہو میرا بیوقوف بھائی لالچ میں آکر بڑھیا کے ساتھ چلنے کو آمادہ ہوگیا۔ بڑھیا مختلف راستوں سے گزرتی ہوئی ایک بہت عالیشان مکان میں داخل ہوئی اور میرے بھائی کو اشارہ کیا کہ تم باہر انتظار کرو۔ تھوڑی دیر بعد وہ بڑھیا آئی اور اس کو اندر لے گئی۔ وہاں بہت سی نوجوان لڑکیاں اکٹھی تھیں اور ناچ رنگ ہورہا تھا۔ ایک طرف عمدہ قسم کی مسند بچھی ہوئی تھی اس پر ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ بڑھیا نے میرے بھائی کو لیجا کر پیش کیا۔ تو وہ بہت مسکرائیں اور اشارہ کیا کہ آگے بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ وہ بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک حسین لڑکی شراب لیکر آئی اور ایک ایک جام سب کو دیا۔ لڑکیوں نے اپنے جام خالی کر کے واپس کر دیئے۔ میرا بھائی ابھی جام پی ہی رہا تھا کہ وہ لڑکیاں ناچتی ہوئی اس کے قریب آئیں اور طمانچے مارنے شروع کئے جس پر وہ گھبرا اٹھا تو بڑھیا نے قریب آکر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور آہستہ سے کہا کہ یہ سب لشنے میں مذاق کر رہی ہیں۔ تم صبر کے ساتھ بیٹھے رہو۔ عنقریب مطلب دلی حاصل ہوگا۔ میرا بھائی خاموش ہوگیا۔ وہ لڑکیاں تھوڑی تھوڑی دیر میں ناچتی کودتی آتیں اور اسکی مرمت کر دیتیں۔ اور خوب کھکھلا کر ہنس دیتیں۔ یہ شغل دیر تک جاری رہا اور اس بیوقوف کا پٹتے پٹتے منہ لال ہوگیا۔ جب معاملہ حد برداشت سے باہر ہوگیا تو میرا بھائی قضائے حاجت کے بہانے چلا تاکہ یہاں سے نکلے۔ دروازہ کے قریب پھر وہی بڑھیا ملی اور کہنے لگی کہ تم کہاں جارہے ہو۔ یہ کھیل تو ختم ہوچکا۔ اب شادکامی کی منزل قریب ہے اور میرے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر واپس لے آئی اور ایک طرف بٹھا دیا۔ اتنے میں ایک جوان اور خوش رو عورت اس کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ اگر تم مجھ کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہنسی خوشی رہو۔ میں صرف ایسے مردوں کو پسند کرتی ہوں جو خوش دل اور مذاق پسند ہوں۔ ترش رو رنجیدہ آدمی مجھے بہت بُرے معلوم ہوتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بھی اٹھو کھیل کود میں دلچسپی لو۔ ناچو گاؤ۔ خود ہنسو اور دوسروں کو ہنساؤ یہ محفل عیش ہے مجلس تعزیت نہیں۔ میرا بھائی اس کی صورت اور اداؤں پر سو جان سے فریفتہ ہوگیا۔ اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ میں ہر حکم کی تعمیل کو تیار ہوں۔ اس نے ایک لڑکی کو اشارے سے بلایا اور کہا کہ اس کو لیجا کر انسان بناؤ۔ وہ لڑکی میرے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر ایک کمرے میں لے گئی۔ وہاں وہ خبیث بڑھیا بھی موجود تھی۔ دونوں نے ملکر پہلے تو اس کو خوب شراب پلائی پھر کہا کہ تم نے دیکھ لیا کہ مالکہ تم کو کتنا چاہتی ہیں۔ اگر تم اسکو حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنی داڑھی مونچھ کٹوا کر زنانہ لباس پہن لو۔ تاکہ کوئی پہچان نہ سکے اور ہر وقت ان کے ساتھ رہ سکو۔ یہاں شاہانہ زندگی بسر ہوگی۔ کھانے کو لذیذ کھانے پینے کو نفیس شرابیں۔ شب باشی کو محبوب خوبرو ملے گی۔ میرا بھائی اسوقت نشہ کے سرور اور معشوقہ کے تصور میں ہوش و حواس سے بیگانہ تھا فوراً تیار ہوگیا۔ بڑھیا اور اس لڑکی نے ملکر داڑھی مونچھ صاف کیں۔ زنانہ لباس پہنایا۔ پھر اس کو باہر لے آئیں۔ پہلے سب خوب ہنسیں کہ

پیٹ میں بل پڑ گئے۔ پھر اسی حسین عورت نے گانے ناچنے کی فرمائش کی۔ میرا بیوقوف بھائی ناچنے لگا۔ اس پر دیر تک قہقہے پڑتے رہے۔ پھر وہ عورت اٹھی اور کہنے لگی۔ کہ کپڑے اتار کر میرے پیچھے دوڑو۔ جہاں تم مجھے پکڑلو گے میں تمہاری ہوں جو جی چاہے کرنا۔ میرا بھائی جوش جذبات میں بیخود ہو رہا تھا۔ فوراً کپڑے اتار کر اسکے پیچھے دوڑنے لگا۔ وہ عورت ایک سے دوسرے کمرے اور دالان میں دوڑی دوڑی پھرنے لگی اور دوسری سب تالیاں بجا بجا کر ہنستی کودتی پھرتی تھیں۔ آخر ایک کمرے میں آکر وہ عورت غائب ہوگئی۔ میرا بھائی بھاگ کر دوسرے کمرے میں گیا۔ وہاں اندھیرا تھا۔ صرف ایک طرف روشنی تھی۔ اُدھر جا کر دروازہ کھولا تو اتنے میں کسی نے دھکا دیا اور دروازہ بند کرلیا۔ اس وقت وہ ایک گلی میں بالکل ننگا کھڑا تھا۔ گھبرا کر بھاگا چند قدم پر وہ گلی ختم ہوگئی اور وہ موچیوں کے بازار میں آگیا۔ وہاں لوگوں نے اس کو دیکھا کہ داڑھی مونچھ منڈی ہوئی جسم پر لباس ندارد ہر طرف شور مچ گیا۔ لڑکے دیوانہ دیوانہ کہہ کر چاروں طرف اکٹھے ہوگئے۔ وہ بھاگنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ لوگوں نے پکڑ لیا اور قاضی شہر کے سامنے پیش کیا۔ قاضی نے سو درے مارنے اور منہ کالا کرکے شہر سے نکال دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ گدھے پر سوار کرکے نکال دیا گیا۔

بکبارہ کا شہر بدر کیا جانا

جب مجھے واقعات معلوم ہوئے تو پوشیدہ طور پر میں اس کو اپنے گھر لایا اور اب میں ہی اس کا کفیل ہوں۔ اے امیر المومنین اب آپ خیال فرما سکتے ہیں۔ میں کتنا دانا اور نیک انسان ہوں۔ اور میں نے کتنی مروت برتی ہے۔ میرا احسان اس پر ختم نہیں ہوتا۔ اب آپ تیسرے بھائی کی کہانی سنئے۔ کہ میں نے اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے۔

حجام کے تیسرے بھائی کی کہانی

میرا تیسرا بھائی اندھا ہے۔ اور بھیک مانگتا ہے۔ ایک روز وہ ایک مکان پر گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا مالک مکان نے اوپر سے پوچھا کون ہے۔ لیکن اس نے جواب نہیں دیا۔ اور اپنے دل میں سوچا کہ اگر میں نے کچھ مانگا تو ممکن ہے اوپر ہی سے انکار کردے نیچے آئیگا تو میری معذرت یا مجامت دیکھ کر شاید کچھ خیرات دیدیگا۔ تھوڑی دیر میں پھر دروازہ کھٹکھٹایا۔ مالک مکان نے آواز دی کہ منہ سے بولو کیا کام ہے لیکن میرا بھائی پھر بھی خاموش رہا۔ آخر مالک مکان نیچے آیا۔ اور کہنے لگا کیا بات ہے۔ میرے بھائی نے کہا بابا کچھ خیرات دو۔ مالک کو بہت غصّہ آیا لیکن وہ خاموش رہا۔ اور وہ میرے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اوپر لے گیا۔ یہ اپنے دل میں خوش تھا کہ شاید وہاں کھانا وغیرہ بھی کھلائیگا اور کچھ نقدی بھی دیگا۔ اوپر پہنچ کر اس نے پوچھا کہ بتاؤ کیا کام ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ کچھ خدا کے نام پر دو۔ مالک مکان نے کہا کہ میں تمہیں دعا دیتا ہوں کہ خدا تمہاری آنکھیں اچھی کردے۔ میرا بھائی بہت جھلایا اور کہنے لگا کہ اگر آپ کو کچھ نہیں دینا تھا تو مجھے یہاں تک کیوں لائے اس نے جواب دیا جب تمہیں سوال ہی کرنا تھا تو مجھے اوپر سے نیچے کیوں بلایا۔ جب میں نے پوچھا تھا۔ اسی وقت مانگ لیتے۔ میرا بھائی خاموش ہو گیا۔ صرف اتنا پوچھا کہ مجھے راستہ بتا دو۔ اس نے کہا کہ زینہ تمہارے سامنے ہے چلے جاؤ۔ مجبوراً چلا اور ٹٹول کر زینہ سے اترنے لگا۔ چند ہی سیڑھیاں اترا تھا کہ پیر پھسلا اور گھسرتا ہوا نیچے آپڑا۔ تمام کمر چھل گئی۔ بڑی مشکل سے اٹھا اور اپنی قسمت کو برا بھلا کہتا ہوا چلا۔ مالک مکان بھی اس خیال سے ساتھ ہو گیا کہ کہیں یہ حاکم شہر سے شکایت کرنے نہ چلا جائے۔ راستے میں میرے بھائی کو دوسرے اندھے ساتھی ملے۔ اور سب حال سنکر کہنے لگے کہ چلو جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ ہمارے پاس روپیہ ہے تمہاری مرہم پٹی ہو جائے گی۔ مالک مکان واپسی کا ارادہ کر رہا تھا۔ لیکن روپیہ کا ذکر سنکر رک گیا۔ اور خیال کیا کہ دیکھنا چاہیئے ان اندھوں نے کتنی دولت اکٹھی کی ہے۔ اندھے وہاں سے سیدھے اپنے مکان پر آئے اور گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ مالک مکان ان کے ساتھ اندر آچکا تھا۔ اندھے اطمینان کرنے کے لئے اپنی لکڑی چاروں طرف گھمانے لگے۔ جس کے بدن سے لاٹھی چھوتی۔ لاٹھی والا پوچھتا کون دوسرا جواب دیتا میں۔ مالک مکان نے بھی وہاں پڑی ہوئی لکڑی اٹھالی اور کسی کی لاٹھی اس کے جسم پر رکتی تو وہ کسی دوسرے اندھے پر اپنی لکڑی رکھدیتا اور اندھا میں کہدیتا۔ اپنے نزدیک جب اندھے اطمینان کر چکے تو انھوں نے زمین کھود کر اپنا سرمایہ نکالا۔ پورے دس ہزار دینار نکالکر باقی بدستور زمین میں دفن کردیئے اور سب کھانے بیٹھ گئے۔ وہ شخص بھی جوان کے ساتھ آیا تھا کھانے میں شریک ہو گیا۔ چند ہی لقمے کھائے تھے کہ ایک اندھا بولا کہ آج تو کوئی غیر آدمی بھی کھانے میں شریک معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ آج ایسی آواز آرہی ہے جو پہلے نہیں آتی تھی۔ چنانچہ اندھوں نے چاروں طرف ہاتھ مارے اور مالک

مکان کو پکڑ لیا پھر شور مچا دیا کہ چور ہمیں لوٹنے آیا ہے۔ آواز سنکر محلہ والے جمع ہو گئے۔ مالک مکان اسوقت اندھا بن گیا اور کہنے لگا کہ ہم سب نے ملکر دس ہزار دینار جمع کئے تھے۔ جب تقسیم کا وقت آیا تو یہ لوگ حیل و حجت کرنے لگے اور اب مجھے چور بنا کر کل رقم ہضم کرنا چاہتے ہیں۔ لوگ ان کو پکڑ کر قاضی شہر کے پاس لے گئے۔ قاضی صاحب نے کل حال دریافت کیا۔ چور کہنے لگا کہ حضور ہم سب مصنوعی اندھے ہیں۔ لوگوں کو دھوکہ دے کر بھیک مانگتے ہیں آپ سب کو سزا دیجئے اصلیت کھل جائے گی۔ رہا روپیہ کا مسئلہ تو ہم نے برسوں بھیک مانگ کر دس ہزار دینار جمع کئے تھے اور ایک جگہ محفوظ دفن کر دیا تھا کہ جب ضرورت ہوگی آپس میں بانٹ لیں گے۔ آج کھانے کے وقت میں اپنے حصہ کے روپیہ مانگ رہا تھا تو ان لوگوں نے مجھے پکڑ کر شور کر دیا کہ یہ چور ہے۔ یہ سنکر قاضی صاحب کو بہت غصہ آیا اور کہنے لگے۔ کہ بے ایمانو۔ خدا کی دی ہوئی آنکھوں جیسی نعمت کا کفران کرتے ہو۔ اندھے کہنے لگے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ ہم سب حقیقی اندھے ہیں۔ چور نے کہا کہ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔ چنانچہ قاضی صاحب نے حکم دیا کہ ان اندھوں کو دُرّے لگائے جائیں۔ جلادوں نے مارنا شروع کیا۔ اور اتنی پٹائی کی کہ اندھے بیہوش ہو گئے۔ چور نے کہا کہ حضور یہ لوگ اب شرم اور بات کی پیچ کے مارے کبھی اقرار نہیں کرینگے۔ آپ ان کا روپیہ ضبط کر لیجئے دو ہی تین دن میں سیدھے ہو جائیں گے۔ چنانچہ قاضی صاحب نے چور کے ساتھ سپاہی بھیجے اور کل دینار مکان سے نکلوا کر ایک چوتھائی اس مالک مکان یا چور کو بطور اسکے حصے کے دیدیئے۔ باقی روپیہ سب بیت المال میں جمع کر دیا گیا اور ان اندھوں کو تمام شہر میں تشہیر کر کے نکال دیا گیا۔

جب مجھے معلوم ہوا تو میں تلاش کر کے اپنے اندھے بھائی کو لایا۔ تسلّی تشفّی دی۔ اور اب وہ میرے پاس رہتا ہے۔ یہ کہانی سنا کر میں نے خلیفہ سے عرض کیا کہ حضور انصاف فرمائیں کہ میں نے کتنے نیک کام کئے ہیں۔ اور میرے بھائیوں نے اپنی بکی خصلت اور بیوقوفی سے کیا کیا خرابیاں پیدا کر لی ہیں۔ خلیفہ نے ہنسکر کہا کہ بیشک تم ٹھیک کہتے ہو۔ پھر حکم دیا کہ اسکو انعام دیکر رخصت کر دو۔ میں نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ میں ہرگز اسوقت تک دربار سے نہیں جاؤنگا۔ جب تک اپنے بھائیوں کی حرکتیں بھی عرض کی خدمت میں عرض نہ کر لوں اور یہ ثابت نہ کروں کہ میں ایک خاموش ملنسار کم گو شخص ہوں۔ اور اس لئے میرا یہ یقین ہے کہ کم گوئی ہزاروں مصیبتوں سے بچاتی ہے۔ اب آپ میرے چوتھے بھائی کا قصہ سنئے۔ اور اس سے پہلے کہ خلیفہ کوئی حرف اعتراض کہے میں نے کہنا شروع کیا۔

حجام کے چوتھے بھائی کا قصّہ

حضور کے خانہ زاد غلام کا چوتھا بھائی یک چشم تھا۔ اور بغداد میں قصاب کا کام کرتا تھا۔ چونکہ وہ عمدہ قسم کا جانور ذبح کرتا تھا۔ اس لئے اس کی آمدنی معقول تھی ایک روز ایک بوڑھا شخص گوشت لینے آیا اور بالکل نئے درہم دیئے۔ میرے بھائی کو نئے درہموں کا بہت شوق تھا۔ اس لئے اس نے انہیں الگ

رکھدیا۔ وہ بوڑھا پانچ ماہ تک روزانہ گوشت لینے آتا رہا اور ہمیشہ نئے درہم دیتا رہا میرا بھائی بھی ان درہموں کو الگ ہی رکھتا رہا۔ ایک روز اس نے درہم شمار کرنے کیلئے صندوقچی کھولی تو اس میں کاغذ کے ٹکڑوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ یہ دیکھ کر اس نے سر پیٹ لیا اور شور کرنے لگا۔ ارد گرد کے لوگ جمع ہوئے اور وجہ پوچھی۔ تو اس نے سارا قصہ بیان کیا۔ لوگ بہت حیران ہوئے۔ مگر کیا کرسکتے تھے کہنے لگے کہ بھائی صبر کر میرا بھائی پیچ و تاب کھاتا ہوا دوکان پر آبیٹھا۔ اتفاقاً اسی وقت وہ بوڑھا آگیا میرے بھائی نے اٹھ کر اس کی داڑھی پکڑلی اور شور کردیا۔ بوڑھے نے کہا کہ تم شور نہ کرو۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ میرے بھائی نے ایک نہ سنی۔ آخر چاروں طرف لوگ جمع ہوگئے اور بوڑھے سے پوچھنے لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اس نے کہا کہ یہ جھوٹا ہے بلکہ یہ بے ایمان قصاب مردہ گدھوں اور کتوں کا گوشت بیچتا ہے۔ اور تم لوگوں کو یقین نہ ہو تو اس کی دوکان میں اندر جاکر دیکھو۔ لوگوں نے سمجھا کہ بوڑھا مذاق کرتا ہے لیکن کچھ لوگوں نے اندر جاکر دیکھا تو واقعی ایک گدھا اور ایک کتا لٹک رہا تھا۔ لوگوں نے بوڑھے کو چھوڑ دیا۔ اور میرے بھائی کو پکڑ کر مارنا شروع کیا۔ ہر طرف جوتے لاٹھی طمانچہ پڑ رہا تھا۔ لوگ بے تحاشہ گالیاں دے رہے تھے۔ اس دوران میں بوڑھے نے آگے بڑھ کر ایک مکا میرے بھائی کے مارا جس سے اس کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ لوگ کشاں کشاں اسکو حاکم شہر کے پاس لیگئے۔ اور کل ماجرا سنایا۔ تصدیق کے بعد میرے بھائی کی کل جائیداد ضبط کرلی گئی۔ اور حکم دیا گیا کہ اسکو سو دُرّے لگائے جائیں اور ہاتھ منہ کالا کرکے اونٹ پر بیٹھا کر شہر سے نکال دیا جائے۔

حکم کی تعمیل کی گئی اور میرا بے قصور بھائی شہر بدر کردیا گیا۔ اس عرصہ میں خدا جانے کہاں کہاں مارا پھرا یہاں تک کہ وہ ایک دن شہر میں پہنچا۔ اور اس خیال سے بازار گیا کہ کچھ محنت مزدوری کرکے پیٹ پالنے کا انتظام کرے اس روز بادشاہ کی سواری نکل رہی تھی۔ میرا بھائی بھی ایک طرف تماشہ دیکھنے کو کھڑا ہوگیا۔ جسوقت بادشاہ کی نظر میرے بھائی پر پڑی اس نے اسی وقت گھوڑی کی باگ موڑ دی اور محل کو واپس چلا گیا۔ اور جاتے ہوئے حکم دے گیا کہ اس یک چشم کو شہر سے نکال دو۔ سپاہی نے آکر میرے بھائی کو گرفتار کرلیا اور لیکر چلے۔ راستہ میں میرے بھائی نے اس سے پوچھا کہ میرا قصور کیا ہے۔ سپاہی نے جوابدیا کہ بادشاہ کانے کو دیکھ کر بہت ناراض ہوتا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ کوئی کانا اس شہر میں رہے۔ میرے بھائی کو یہ شبہ ہوا کہ کہیں میں قتل نہ کردیا جاؤں اور سپاہی سے ہاتھ چھڑا کر ایک طرف بھاگا اور قریب ہی ایک کوچے سے ہوتا ہوا کسی دوسری طرف جانکلا۔ اتفاقاً وہ جگہ ایک شخص کی مملوکہ تھی۔ میرے بھائی کو دیکھ کر چند آدمی دوڑے اور کہنے لگے کہ یہی وہ چور ہے جو ہمارے آقا کے یہاں سے سب کچھ نکال کرلے گیا۔ میرے بھائی نے ہرچند کہا کہ میں چور نہیں ہوں۔ لیکن کسی نے نہ سنا۔ تلاشی پر اس کے پاس سے وہ چھری بھی نکلی جو قصاب ہونے کی وجہ سے وہ اپنے پاس رکھا کرتا تھا شبہ اور پختہ ہوگیا۔ چنانچہ اسکو قاضی کے سامنے پیش کیا گیا۔ قاضی صاحب نے آوارہ گرد قرار دے کر شہر بدر کرادیا۔

الکوز کا اونٹ پر بیٹھکر نکلنا
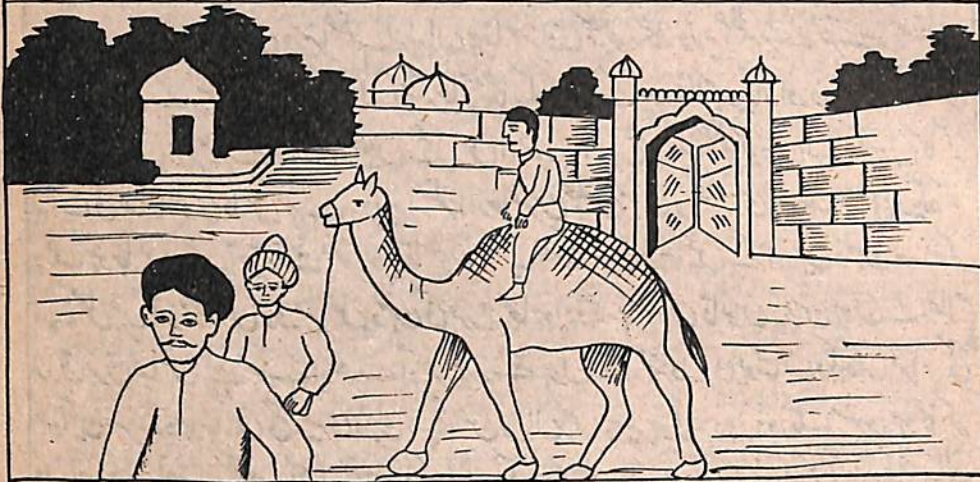
بغداد سے بھائی کے نکلنے کے بعد مجھے حالات کا علم ہوا اور اسکو تلاش کرتا ہوا اسی روز اسی شہر میں پہنچا۔ جس جگہ میرے بھائی کو اونٹ پر سوار کر کے شہر بدر کر رہے تھے۔ میرا بھائی اپنے شدید زخموں سے بیجان تھا۔ مجھے بہت رحم آیا۔ میں نے خاموشی سے اس کو اپنے ساتھ لیا اور رات دن سفر کرتا ہوا آخر کار بغداد پہنچ گیا۔ اور اس کی ہر طرح دلجوئی کی۔ اور اپنے پاس اسکو رکھ لیا۔ امیر المومنین میری یہ باتیں اور بھائیوں سے میرا یہ سلوک میری عقلمندی اور دانائی کو ظاہر کرتی ہیں۔ اب میں اپنے پانچویں بھائی کا قصہ بیان کرتا ہوں۔

حجام کے پانچویں بھائی کا قصہ

میرا پانچواں بھائی بہت ہی بیوقوف اور بیکار شخص ہے۔ یہ اپنی بیوقوفی کے باعث اس درجہ کو پہنچ گیا کہ اب فقیروں کی طرح گذرتا ہے اور لوگوں سے سوال کرتا ہے۔ باپ کے انتقال کے بعد اس کو بھی ورثہ میں سو درہم ملے تھے۔ چونکہ اس نے اتنا روپیہ نقدی کی صورت میں کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس لئے وہ سوچتا رہا کہ اس روپیہ سے کیا کام کرے۔ آخر اس نے تجارت کرنے کا فیصلہ کر کے شیشہ کا مال خرید کر بازار میں بیٹھ گیا۔ ابھی کچھ سویرا تھا۔ لوگوں کی آمد و رفت بھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے میرا بھائی سوچنے لگا کہ یہ مال کم از کم سو درہم کو ضرور فروخت ہو جائے گا۔ اسوقت میں پھر تھوک مال لاؤں گا اور یقین ہے کہ اس سے چار صد درہم مجھے حاصل ہو جائیں گے۔ اسی طرح عالم خیال میں اس نے حساب دس ہزار درہم تک پہنچا دیا۔ اور خیال کیا کہ جب دس ہزار درہم اکٹھے ہو جائیں گے تو شیشہ کے بجائے جواہرات کی دوکان کر لوں گا اور مجھے امید ہے کہ اسطرح لاتعداد دولت فراہم

ہوجائیگی۔ پھر میں ایک عالیشان محل تعمیر کراؤں گا ہزاروں باندیاں اور غلام خریدیوں گا گھوڑے گھوڑیاں لونگا اور ایک بہت بڑے رئیس کی شایان شان زندگی بسر کرونگا۔ اسوقت میری دولت وامارت کا شہرہ سارے بغداد میں ہوجائیگا۔ پھر میں وزیراعظم کے یہاں پیغام شادی بھیجونگا۔ وزیراعظم بڑے فخر سے رشتہ منظور کرلیں گے۔ میں بہت بڑی بارات لیکر جاؤنگا۔ کھانے کے بعد غلام دینار اور درہم سے بھری ہوئی تھیلیاں لاکر میرے سامنے رکھیں گے۔ میں لاکھ دینار سرخ وزیراعظم کو پیش کرکے کہوں گا کہ یہ آپ کی صاحبزادی کا حق مہر ہے۔ وزیراعظم اور حاضرین مجلس میری دولتمندی اور بلند حوصلگی دیکھ کر دنگ ہوجائیں گے۔ آخر وقت مقررہ پر قاضی صاحب عقد مسنون پڑھائیں گے اور میں دلہن کو لے کر اپنے محل میں آؤنگا اس روز میرا محل دلہن کی طرح سجا ہوا ہوگا۔ ہزاروں فانوس روشن ہوں گے۔ غلام زرق برق لباس پہنے ہوئے اِدھر سے اُدھر پھر رہے ہوں گے۔ کنیزوں کی پوشاک دیکھ کر امرار کی خواتین شرمندہ ہوجائیں گی۔ میری دلہن اپنے حسن وجمال میں بینظیر ہوگی۔ دور دور تک مشہور ہوگا کہ ایسا صاحب نصیب شخص آجتک نہیں دیکھا جس کی بیوی حوروں اور پریوں کے حسن کو شرماتی ہے میں جسوقت حجلۂ عروسی میں داخل ہوں گا تو اپنی بیوی کی طرف توجہ نہیں دونگا۔ آخر انتظار سے تنگ آکر وہ خود دست بستہ میرے سامنے کھڑی ہوجائے گی۔ میں صرف ایک نگاہ ڈالوں گا اور پھر منہ پھیر لوں گا۔ کنیزیں میری بے رخی دیکھ کر سمجھیں گی کہ شاید عروس کی تزئین میں کمی رہ گئی ہے اور اسی لئے میں سرکہ جبین ہوں۔ وہ دلہن کو لیجائیں گی۔ مشاطہ پھر سنوارے گی نیا لباس بدلا جائے گا۔ اس عرصہ میں میں بھی دوسرے کپڑے پہن لونگا۔ دلہن آکر بیٹھے گی لیکن میں پھر بھی بے توجہی برتوں گا۔ میری منتیں کریگی لیکن میں نظر تک نہ اٹھاؤں گا اور منہ پھیر کر سوجاؤنگا۔ صبح کو وزیرزادی اپنے والدین سے سب حال بیان کریگی میرے خسرو خوشدامنہ آکر میری خوشامد کریں گے اور عرض کریں گے کہ آپ کی کنیز سے کیا گستاخی ہوگئی جو آپ ناراض ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ تازندگی حکم عدولی نہیں کریگی۔ آپ اس طرح اس کو اپنی نظروں سے نہ گرائیے۔ پھر وہ سب ہاتھ باندھ کر میرے سامنے کھڑے ہوجائیں گے اور دلہن کو حکم دیں گے کہ جام بھر کر پیش کرو۔ وہ جام شراب لائے گی۔ میں رُخ پھیر لوں گا۔ وہ میرے قدموں میں بیٹھ کر جام میرے منہ سے لگائے گی۔ اور میں غصہ میں آکر اس کے منہ پر چپت مار کر ایک لات رسید کردوں گا۔ کہ وہ دور جا کر پڑے گی۔

امیرالمومنین! جس وقت میرا بھائی بکواس کررہا تھا۔ تو ایک راہ گیر کھڑا ہوکر سننے لگا تھا۔ جس وقت غصہ میں میرے بھائی نے لات اور چپت مارا۔ تو چپت اپنے رخسار پر اور لات شیشہ کے برتنوں پر پڑی۔ اور سارے برتن گر کر ریزہ ریزہ ہوگئے۔ راہ گیر ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ اگر میں حاکم وقت ہوتا تو ایسی حسین دلہن کی ناقدری کی سزا میں تیری ننگی پیٹھ پر سودرّے لگواتا اور شہر بدر کردیتا۔

میرا بھائی اپنے نقصان کو دیکھ کر رونے لگا۔ راہ چلتے بہت سے آدمی اکٹھے ہوگئے اور پوچھنے

لگے۔ کہ کیا ہوا جو راہگیر کھڑا تھا۔ اس نے سارا واقعہ سنا دیا۔ لوگ میرے بھائی کا مذاق اڑانے لگے چاروں طرف سے آوازے کسے جانے لگے اور اس کی یہ حالت تھی کہ یکے نقصان مایہ دیگر شماتت ہمسایہ۔ حاضرین میں ایک امیر عورت بھی تھی۔ اسکو میرے بھائی کی حالت پر رحم آیا اور پانچ صد درہم دے کر کہا۔ کہ جاؤ گھر میں بیٹھو۔ میرا بھائی پانچ صد درہم پاکر خوش خوش چلا آیا اور گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے اٹھ کر کواڑ کھولے تو دیکھا ایک بڑھیا تسبیح لئے کھڑی ہے وہ میرے بھائی سے کہنے لگی۔ کہ مجھے نماز کو دیر ہو رہی ہے۔ اگر اجازت دو تو میں چار فرض پڑھ لوں بھائی نے کہا بڑے شوق سے۔ بڑھیا اندر آئی اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگی۔ نماز سے فارغ ہو کر بڑھیا چلنے لگی تو میرے بھائی نے اس کو دو دینار پیش کئے۔ اس نے انکار کیا اور کہنے لگی کہ میری مالکہ بہت کچھ دیتی ہے۔ مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔ بیٹا بات کہنے کی نہیں میری مالکہ عیش پسند ہے اور میں اسکی رازدار ہوں اسلیئے روپیہ پیسے کی مجھے کمی نہیں ہے۔ میرے بیوقوف بھائی نے کہا کہ کیا آپ کی مالکہ تک میری رسائی نہیں ہو سکتی۔ بڑھیا نے کہا کیوں نہیں۔ اگر تمہارے پاس کچھ دینار ہیں تو میں تمہیں اسی وقت اس سے ملا سکتی ہوں۔ رات وہیں گذارو اور صبح کو اپنے گھر چلے آؤ۔ میرا بھائی فوراً تیار ہو گیا اور امیر عورت کی دی ہوئی پانچ سو دینار کی تھیلی کمر میں باندھ کر بڑھیا کے ساتھ چلا۔ کئی چکر دار راستوں سے گذر کر وہ دونوں ایک بڑے مکان کے دروازے پر پہنچے۔ بڑھیا نے تین بار دروازہ کھٹکھٹایا۔ تھوڑی دیر میں کواڑ کھل گئے بڑھیا میرے بھائی کو لیکر ایک آراستہ کمرے میں آئی اور اسکو وہاں بٹھا کر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک خوبصورت جوان عورت اندر آئی اور میرے بھائی کے پاس بیٹھ گئی۔ کچھ دیر پیار و محبت کی باتیں ہوتی رہیں پھر وہ کہنے لگی آؤ دوسرے کمرے میں چلیں یہ تنہائی کی صحبتوں کیلئے موزوں جگہ نہیں۔ میرا بھائی اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ وہاں پہنچکر اس نے کہا کہ تم بیٹھو۔ میں کچھ شراب لے آؤں وہ باہر گئی ہی تھی کہ دوسرے دروازے سے ایک حبشی شمشیر برہنہ لئے ہوئے داخل ہوا اور میرے بھائی پر حملہ کر دیا۔ کئی گہرے زخم کھا کر وہ گر گیا۔ حبشی نے کل دینار چھین لئے اور چلا گیا۔ اسکے بعد ایک کنیز آئی اور میرے بھائی کے زخموں پر نمک چھڑک کر ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں ڈال گئی۔ ان لوگوں کے اندازہ میں تو وہ مر چکا تھا۔ لیکن خدا کی قدرت کہ اس میں کچھ جان باقی تھی اور وہ نمک جو تکلیف دینے کو ڈالا تھا۔ مرہم ثابت ہوا۔ دو روز بعد میرے بھائی کی حالت اس قابل ہو گئی کہ وہ موقع دیکھ کر وہاں سے نکل بھاگا اور سیدھا میرے پاس آیا۔ میں نے بڑی محنت سے اسکے زخموں کا علاج کیا اور خدا کے فضل سے وہ اچھا ہو گیا۔ جب کچھ توانائی ہو گئی تو وہ بڑھیا سے انتقام لینے کو تیار ہوا۔ پہلے اس نے لباس تبدیل کیا اور بڑھیا عورت کی صورت بنکر اپنے کپڑوں میں ایک تلوار چھپائی اور کچھ مٹی کے ٹکڑے تھیلی میں بھر کر ساتھ لیئے اور اسی مکان پر پہنچا جہاں وہ سو رہا تھا۔ اتفاقاً راستے میں وہی ملعون بڑھیا مل گئی جو اس سے پیشتر میرے بھائی کو اپنے ہاں لے گئی تھی۔ لیکن وہ اس لباس میں اس کو نہ پہچان

سکی۔ میرے بھائی نے کہا۔ کہ کیوں بہن تمہارے یہاں ترازو مل جائیگی۔ مجھے کچھ دینار تولنے ہیں۔ وہ بڑھیا بولی۔ آیئے میں ترازو دوں گی۔ میرا بھائی اس کے ساتھ چل دیا۔ وہاں جا کر اس نے بیٹا بیٹا کہکر آواز دی اندر کے کمرے سے وہی حبشی نکلا جس نے میرے بھائی کو زخمی کیا تھا۔ بڑھیا کہنے لگی۔ بیٹا ان کی اشرفیاں تول دو تو حبشی نے کہا۔ اماں میرے ساتھ آؤ۔ میرا بھائی اس کے پیچھے چلا۔ جوں ہی کمرے میں قدم رکھا۔ میرے بھائی نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اسکی گردن کٹ کر الگ گر گئی۔ پھر لاش کو تہہ خانے میں ڈال کر میرا بھائی بڑھیا کی تلاش میں چلا۔ جو اسوقت دوسرے کمرے میں تھی۔ اسکو بھی قتل کیا۔ پھر اس حسینہ کو ڈھونڈا جو پہلی مرتبہ اسکو ملی تھی۔ وہ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی کہ میں بے قصور ہوں یہ لوگ مجھے اغوا کر کے لائے تھے اور ہر وقت ان کے قبضے میں رہتی تھی اسلئے مجبور تھی۔ جو حکم دیتے تھے تعمیل کرنی پڑتی تھی۔ میرے بھائی نے اسکو چھوڑ دیا اور کہا میرے ساتھ چلو۔ وہ کہنے لگی یہاں بہت سامان اسباب ہے۔ ایک گدھا لے آؤ۔ اس میں لاد کر لیتے چلیں گے۔ یہاں کیوں چھوڑا جائے۔ میرا بیوقوف بھائی سمجھا کہ یہ ٹھیک کہتی ہے چنانچہ وہ گدھا لینے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ گدھا لیکر پہنچا۔ تو مکان کھلا پڑا تھا اور وہاں کوئی نہیں تھا میرے بھائی نے سوچا کہ جو کچھ اسباب آرائش موجود ہے اسکو اٹھاؤ۔ چنانچہ وہ سامان باہر کرنے لگا۔ محلہ کے لوگوں نے دیکھا کہ غیر شخص مکان سے سامان لئے جا رہا ہے۔ ان لوگوں نے میرے بھائی کو پکڑ کر قاضی شہر کے سامنے پیش کیا۔ بھائی نے اپنے لٹنے کا حال بیان کیا۔ اور کسی کو یقین نہ آیا۔ بلکہ اہل محلہ کہنے لگے کہ وہاں تو ایک بڑھیا اور اس کی بیٹی رہا کرتی تھی۔ اور آج ہی کسی ضرورت سے دمشق گئی ہیں۔ میرے بھائی نے خوف کی وجہ سے حبشی اور بڑھیا کے قتل کا واقعہ بیان نہیں کیا۔ آخر قاضی نے درے لگوا کر بغداد سے نکلوا دیا۔ راستہ میں ڈاکوؤں نے رہا سہا مال بھی چھین لیا اور میرا بھائی بے یار و مددگار پھرنے لگا۔ جب مجھے اس کے نکال دیئے جانے کا واقعہ معلوم ہوا تو بمشکل اسکو ڈھونڈ کر اپنے گھر لایا۔ اور اب میں ہی اس کی خبر گیری رکھتا ہوں۔ آپ اندازہ کیجئے کہ میں نے صرف اپنی شرافت نفس سے مجبور ہو کر کتنی ذمہ داریاں اٹھا رکھی ہیں۔ اور آجتک کبھی زبان پر نہیں لایا اور حضور کو بھی اختصار کے طور پر یہ احوال سنا رہا ہوں۔ تاکہ آپ میرے متعلق منصفانہ فیصلہ فرما سکیں۔ آپ میرے چھٹے بھائی کا قصہ سنیئے۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے صرف چھ ہی بھائی ہیں اگر اور بھائی ہوتے تو میں انکا قصہ بھی حضور کو سناتا اور اسطرح ثابت کر دیتا کہ میں نے کم گوئی کا اصول اپنے لئے مقرر کیا ہے۔ وہ کتنا صحیح ہے۔ خلیفہ مستنصر باللہ شاید آگے قصہ بیان کرنے کو منع فرمانے والے تھے کہ میں نے پھر دست بستہ عرض کیا کہ حضور ایک بھائی کا قصہ باقی ہے وہ آپکے علم میں ضرور آنا چاہیئے۔ ورنہ شکایت ہوگی کہ سب بھائیوں کا حال تو امیر المومنین کے گوش گذار کر دیا اور ایک کا ذکر نہیں کیا اور میں اپنی شہرت کے مد نظر اپنے اوپر اس قسم کا الزام نہیں لے سکتا۔

حجام کے چھٹے بھائی کا قصہ

میرا چھٹا بھائی کبک شاہ بالکل نکما اور بیکار شخص ہے۔ والد مرحوم و مغفور رحمۃ اللہ علیہ کے ترکے

میں اسکو بھی سو درہم ملے تھے لیکن اس بیہودہ نے سب سرمایہ اڑا دیا اور محتاج ہو کر طفیلی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ جب کسی کے یہاں دعوت ہوتی یا کوئی دوسری تقریب کسی نہ کسی بہانہ سے آپ بھی پہونچ جاتا۔ اور اگر کوئی ایسا موقع نہ ملتا تو اسکو سوال کرنے میں بھی عار نہیں تھا۔ اکثر امراء و شرفاء کے یہاں جا کر بھیک بھی مانگ لیتا تھا۔ ایک روز کھانے کی تلاش میں کئی جگہ گیا۔ لیکن کہیں کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر وہ وزیر اعظم جعفر برمکی کے محل پر پہنچا اور خدام کی منت خوشامد کر کے جعفر کے حضور میں جا کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ برمکی نے پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا کام ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ بھوکا ہوں۔ کچھ کھانا دلوا دیجئے۔ برمکی نے غلام کو آواز دی۔ اور کہا کہ ہاتھ دھونے کو پانی لاؤ۔ پھر خود اٹھ کر بغیر پانی کے فرضی طور پر ہاتھ دھونے شروع کر دیئے۔ ہاتھ دھو کر پھر آواز دی کہ کھانا لاؤ۔ اور بغیر کھانے کے فرش پر بیٹھ کر اسطرح کی حرکتیں کرنے لگا۔ جیسے کھانا کھا رہا ہو۔ اور بار بار میرے بھائی سے کہتا رہا۔ کہ تکلف نہ کرو۔ خوب سیر ہو کر کھاؤ۔ کھانے کے بعد آواز دی کہ پھل لاؤ اور بغیر چھلکے پھل کھانے شروع کر دیئے۔ اور میرے بھائی سے اشارہ کیا۔ یہ سیب تو بہت شیریں ہے۔ یہ انار کھاؤ بڑے نایاب ہیں۔ یہ انگور جکھو بڑے رسیلے ہیں میرے بھائی نے جھنجھلا کر کہا کہ آپ مذاق کر رہے ہیں یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اور آپ نے تمام دنیا بھر کی چیزوں کے لے دیئے۔ برمکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور اسطرح کے اشارے کرتا رہا گویا چھلکے اور گٹھلیاں ایک طرف رکھ رہا ہے۔ اسکے بعد میرے بھائی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ آپ نے دیکھا مرغ کتنا نفیس تھا۔ یہ میری نئی لونڈی نے پکایا تھا۔ جو میں نے دس ہزار درہم کو خریدی ہے اور پھل میرے اپنے باغ کے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے سب چیزیں شوق و رغبت سے کھائیں۔ پھر غلام کو آواز دیکر کہا کہ شراب لاؤ۔ چنانچہ فرضی شراب کا دور جام چلا وہ اس طرح چسکی لیتا رہا۔ گویا حقیقتاً شراب ہی پی رہا ہے۔ میرے بھائی سے بھی تقاضا کیا کہ تکلف کی ضرورت نہیں آپ ہی کا گھر ہے۔ خوب پیو۔ میرے بھائی کو برمکی کے مذاق سے بہت غصہ آیا اور اس نے بڑھ کر اسکے منہ پر ایک دھول ماری۔ برمکی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا یہ کیا حرکت۔ میرے بھائی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔ کہ حضور شراب بہت تند تھی۔ یہ سنکر برمکی ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ مدت سے مجھے ایسے آدمی کی تلاش تھی بارے آج تم مل گئے ہیں تمہیں اپنا معتمد مصاحب بنا کر رکھوں گا۔ پھر اس نے غلام کو آواز دی اور کھانا منگا کر میرے بھائی کو کھلایا۔ اور اپنے محل ہی میں رہنے کو جگہ عطا فرما دی۔ میرا بھائی برمکی کی مصاحبت میں رہنے لگا۔ اب اس کی زندگی دن عید اور رات شب برات کی طرح بسر ہونے لگی۔ بیس سال عیش و عشرت میں گذر گئے۔ اس کے بعد برمکی کا انتقال ہو گیا اور خلیفہ نے اس کی جائیداد ضبط کر لی۔ میرا بھائی بھی برمکیوں کے دوسرے متعلقین و متوسلین کی طرح زیر عتاب آیا۔ اسکی جائیداد بھی حکومت نے لے لی۔ میرا بھائی جان بچا کر بھاگا اور ایک قافلہ کے ساتھ صبح کو روانہ ہو گیا۔ راستہ میں ڈاکوؤں نے قافلہ لوٹ لیا۔ اہل قافلہ کو غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ میرے بھائی کو ایک بدوی نے خریدا وہ بڑا جابر تھا اور چھوٹے قصوروں پر بڑی سخت سزا دیتا تھا۔ لیکن بدوی کی بیوی اس کی دلجوئی کرتی تھی۔ اسلئے صبر آجاتا

تھا۔ چند روز بعد میرے بھائی نے محسوس کیا۔ کہ یہ بدوی کی بیوی مجھے دوسری نظروں سے دیکھتی ہے اور تعلقات کی خواہاں ہے۔ میرا بھائی پارسا تو نہ تھا لیکن بدوی کا خوف اسقدر غالب تھا کہ وہ اس عورت کے سب اشاروں کو نظر انداز کرتا جاتا۔ بدقسمتی سے ایک روز عورت نے کوئی اشارہ کیا اور میرا بھائی بھی مسکرا دیا۔ بدوی نے دیکھ لیا۔ اس نے پہلے تو اتنا مارا کہ خود تھک گیا۔ اور پھر میرے بھائی کے دونوں کان کاٹ کر ایک جنگل میں چھوڑ دیا۔ کچھ دن بعد جب زخم بھر گئے تو میرا بھائی سڑک کے کنارے بیٹھ کر بھیک مانگنے لگا۔ خبر ہوئی تو میں پہنچا اور اس کو اپنے پاس لا کر رکھا اور ابتک میرے پاس ہے۔ بس امیرالمومنین یہ بھائیوں کے حالات ہیں

حجام نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ جب میں یہ سب واقعات خلیفہ مستنصر باللہ کو سنا چکا تو خلیفہ بہت ہنسے اور مجھے شیخ الصامتین کا لقب دیا۔ پھر بہت کچھ انعام واکرام دیکر حکم دیا کہ تم فوراً بغداد چھوڑ دو کیونکہ تمہاری شہرت کے پیش نظر یہاں تمہیں خطرہ ہے۔ اور اگر تم اسکے بعد بغداد میں دیکھے گئے تو مجبوراً تمہیں محبوس کرنا پڑیگا۔ چنانچہ میں بغداد چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ اسکے بعد جب میں نے سنا کہ خلیفہ کا انتقال ہو گیا تو میں پھر بغداد واپس آ گیا اور اسی زمانہ میں مجھے اس نوجوان کی خدمت کرنیکا موقع ملا جو اس وقت میرے متعلق آپ سے شکایت کر رہا ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ دنیا سے غلامی ختم ہوتی جارہی ہے اور نیکی کے بدلے بدنامی ہاتھ آتی ہے۔ میں آپ حضرات پر ہی انصاف چھوڑتا ہوں۔ غور کیجئے کہ اگر اس موقع پر میں اس نوجوان کی مدد نہ کرتا تو اس کا کیا انجام ہوتا۔ درزی نے یہ قصہ بیان کر کے شاہ کاشغر سے عرض کیا کہ حضور حجام کی یہ بکواس سنکر ہمیں یقین ہو گیا کہ غریب نوجوان صحیح کہتا ہے اور اتنا بیوقوف اور یاوہ گو شخص شاید قرب وجوار میں نہیں ہوگا۔ جیسا کہ یہ حجام ہے۔ اس دعوت سے فارغ ہو کر میں اپنی دوکان پر گیا شام کو یہ کبڑا وہاں آیا اور گانے بجانے لگا۔ میں نے اسے اپنے گھر مدعو کیا۔ یہ تیار ہو گیا۔ اس روز ہمارے یہاں مچھلی پکی تھی۔ اس نے ہوس کی وجہ سے جلدی جلدی کھانی شروع کی اور ایک کانٹا اسکے حلق میں اٹک گیا میں نے ہر چند کوشش کی کہ اس کو نکال لوں لیکن کامیابی نہیں ہوئی اور یہ کبڑا مر گیا میں نے خوف کی وجہ سے اسکو حکیم کے مکان میں رکھ دیا۔ اسکے بعد حکیم نے مودی کے گھر اتار دیا۔ مودی بازار میں کھڑا کر آیا اور وہاں سے فرنگی سوداگر نا کردہ گناہ میں پکڑا گیا۔ باقی واقعات حضور عالم کے علم میں ہیں۔

بادشاہ نے درزی کی کہانی سنکر کہا کہ بیشک تمہارا قصہ اس کبڑے کے واقعہ سے زیادہ عجیب ہے اور میں تم کو معاف کرتا ہوں۔ لیکن میں اس حجام کو ضرور دیکھنا چاہتا ہوں جو درحقیقت تمہاری سب کی معافی کا اصل سبب ہے۔ اسی وقت سپاہی آ گئے اور تلاش کر کے حجام کو لائے۔ درزی نے حجام کو بتلایا کہ وہ کیوں بلایا گیا ہے۔ اور اس کبڑے کی حکایت بھی سنائی۔ حجام بولا میں بھی کبڑے کو دیکھنا چاہتا ہوں بادشاہ نے اجازت دیدی۔ حجام کبڑے کی لاش کے قریب بیٹھ گیا اور اس کو خوب ہلا جلا کر دیکھا۔ اس کے بعد اتنا ہنسا کہ آداب شاہی بھول گیا۔ بادشاہ نے سبب دریافت کیا۔ تو بولا کہ حضور اسکے قصاص میں اتنے آدمیوں کو قتل فرمارہے ہیں اور یہ کمبخت کبڑا زندہ ہے۔ میں ابھی آپ کے سامنے اسکا علاج کرتا ہوں

چنانچہ حجام نے پہلے تو اسکی گردن و سینہ کی مالش کی پھر ایک چمٹی سے اس کے حلق کا کانٹا نکالکر سب کو دکھایا اس کے بعد ایک دوا کپڑے کے ساتھ حلق میں ڈالی۔ چند ہی ساعت میں کبڑا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بادشاہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور سب کو انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا۔

جب یہ کہانی ختم ہوئی تو دنیازاد دیر تک تعریف کرتی رہی۔ اسوقت صبح ہو چکی تھی شہرزاد نے کہا کہ اگر بادشاہ نے منظور کیا اور میں زندہ رہی۔ تو کل ابوالحسن ابن بکاہ اور شمس النہار کنیز خلیفہ ہارون الرشید کی داستان سناؤں گی جو اس سے بھی بہت عجیب ہے۔ بادشاہ نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ آج بھی اسکو قتل نہیں کروں گا اور ابوالحسن کا قصہ سنوں گا۔ شہرزاد کا باپ ہر روز سمجھتا تھا کہ آج قتل کا حکم دیا جائیگا لیکن جب وہ دن گذر جاتا تو خدا کا شکر ادا کرتا اور سوچتا کہ ممکن ہے اللہ پاک بادشاہ کے مزاج کی اصلاح فرمائے اور ہمیشہ اس کے لئے دعا بھی کرتا۔

ابوالحسن بکا اور شمس النہار کا قصہ

اگلی شب کو دنیازاد نے اپنی بہن سے کہا کہ کل آپ نے ابوالحسن ابن بکا کا قصہ بیان کرنیکا وعدہ کیا تھا۔ براہ کرم وہ سنایئے۔ شہرزاد نے بادشاہ کی طرف دیکھا اور عرض کیا کہ اجازت ہو تو قصہ عرض کروں۔ بادشاہ نے اجازت دیدی۔ شہرزاد نے کہنا شروع کیا۔

خلیفہ ہارون الرشید کے عہد سلطنت میں ابوالحسن ابن طاہر ایک بہت بڑا عطریات کا تاجر تھا۔ بغداد میں اسکی نیکی، شرافت اور امارت کی شہرت تھی۔ محلات شاہی میں بھی بلایا جاتا تھا خلیفہ کے یہاں عطر و تیل نیز دوسری خوشبوئیں اسی کی دوکان سے جاتی تھیں۔ شاہی رسوخ اور نیک نفسی کی وجہ سے ابوالحسن کا حلقۂ احباب بھی کافی وسیع تھا۔ ابوالحسن ابن بکا شاہ ایران اسکے خاص دوستوں میں سے تھا اور کبھی کبھی دوکان پر آکر بیٹھا کرتا تھا۔ ایک روز ابوالحسن ابن طاہر اپنی دوکان پر بیٹھا ہوا ابن بکا سے بغداد کے دربار شاہی کے دلچسپ واقعات بیان کر رہا تھا کہ ایک برقعہ پوش عورت دس کنیزوں کے ساتھ آئی۔ اسکو دیکھ کر ابوالحسن عطار ادب سے کھڑا ہو گیا اور سلام کے بعد بیٹھنے کے لئے عرض کیا۔ خدا جانے اتفاقاً یا بالارادہ اس عورت کے چہرے سے نقاب گر گیا گو اس نے فوراً منہ پھیر کر برقعہ درست کر لیا۔ لیکن اسی ایک نظر میں ابوالحسن ابن بکا دل سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ وہ عورت اسقدر حسین تھی کہ یوں محسوس ہوتا تھا گویا اسکے نقاب سے چھن چھن کر حسن کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ محبت کے دیوتا کا نشانہ سچا پڑا تھا۔ ابن بکا یہ سوچ کر کہ یہ کوئی معزز خاتون معلوم ہوتی ہے۔ کہیں میری بیتابی محسوس نہ کرے اور یہاں بیٹھ کر میں اپنے قلب پر قابو نہیں رکھ سکوں گا۔ وہاں سے اٹھا۔ تو اس عورت نے ابوالحسن عطار کی معرفت کہلوایا کہ آپکا اسوقت جانا آداب مجلس کے خلاف ہے۔ کیا میرا آنا ناگوار گذرا۔ پھر ابن طاہر سے پوچھا کہ یہ کون ہیں اس نے جوابدیا کہ آپ ایران کے شاہزادے ابوالحسن ابن بکا ہیں۔ وہ عورت کچھ دیر عطار سے باتیں کرتی رہی۔

اسکے بعد ابن بکا پر ایک نگاہ غلط انداز ڈال کر چلی گئی۔ ابوالحسن نے ابن بکا کو بتایا کہ یہ خلیفہ ہارون الرشید کی منظور نظر کنیز شمس النہار تھیں۔ پھر کچھ عرصہ خاموش رہ کر کہنے لگا کہ میرا اندازہ بالکل ہی غلط نہیں تو مجھے اندیشہ ہے کہ آپ اس سے محبت کرنے لگے ہیں۔ ابن بکا نے ایک آہ سرد بھر کر کہا کہ بیشک آپکا خیال درست ہے وہ ایک جھلک جو اس نے اسکی دیکھی تھی اس پر اپنا سب کچھ نثار کر چکا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ عشق میری جان لیگا۔ کیونکہ کہاں خلیفہ کی منظور نظر کنیز اور کہاں میں ایک ادنیٰ سوداگر۔

ابن طاہر نے اسے تشفی دیتے ہوئے کہا کہ دوست یوں تو تم قسمت کے سکندر ہو شمس النہار بھی اپنا دل ہار گئی ہے اور چلتے ہوئے تاکید کر گئی ہے کہ اگر تم کو بلانے کیلئے کنیز بھیجوں تو اپنے ساتھ ان کو بھی لانا۔ لیکن مجھے فکر اور اندازوں کا ہے۔ اگر تم دونوں میں سے کسی نے بھی کوئی ایسی حرکت کی کہ جس سے دوسروں کو شبہ ہو۔ تو یہ بات خلیفہ تک ضرور پہنچ جائے گی۔ یہ دونوں ابھی گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ایک لونڈی نے آکر عطار سے کہا کہ تم کو سامان لیکر شمس النہار نے بلایا ہے۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ تم چلو میں حاضر ہوتا ہوں۔ پھر عطر اور تیل کے کنستر ایک غلام کے سر پر رکھوا کر چلا اور ابن بکا کو بھی ساتھ آنے کو کہا۔ راستہ میں پھر ابوالحسن طاہر اپنے دوست کو سمجھاتا رہا کہ جسطرح بھی ممکن ہو تم اس وادی خار دار میں قدم نہ رکھو مجھے اسکا انجام نظر آرہا ہے جو کہ اچھا نہیں ہے۔ شمس النہار کتنی بھی کوشش کرے۔ راز ظاہر ہو کر رہے گا اور پھر خدا ہی جانتا ہے کیا ہو۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے شاہی محل میں پہنچ گئے۔ حکام و پاسبان سب ابوالحسن عطار کو جانتے تھے اسلئے بغیر کسی پوچھ پرسش کے اندر چلے گئے۔ وہاں کنیزوں نے دونوں کو ایک آراستہ کمرے میں بٹھا دیا۔ کمرے کی زیبائش دیکھ کر ابوالحسن محو حیرت ہو رہا تھا کہ ایک سمت سے پردہ ہٹا اور دس نہایت

حسین و نازک اندام کنیزیں پرا باندھ کر اندر آئیں پھر دوسری طرف کا پردہ اٹھا اور دس کنیزیں مسکراتی ہوئی داخل ہوئیں۔ اسی طرح کئی بار ماہ تمثال حورش کنیزیں اندر آئیں جن کے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر ابن بکا جمہوت ہو گیا۔ سب کے بعد ماہ جمال خوبی شمس النہار بصد رعنائی و زیبائی دلوں کو پامال کرتی ہوئی آئی۔ سب نے سروقد کھڑے ہو کر سلام کیا۔ پھر حسب مراتب بیٹھ گئے۔ شمس النہار نے لونڈیوں کو اشارہ کیا۔ ساز چھڑ گئے اور طوفان نغمہ اٹھا۔ حاضرین مجلس نقش بدیوار ہو گئے۔

کنیز کا گانا سنکر ابوالحسن ابن بکا بیقرار ہو گیا۔ اور اشارہ کیا کہ میں گانا چاہتا ہوں کنیزوں نے ساز ملائے اور ابن بکا نے ایک بہت پر درد عاشقانہ غزل گائی۔ پھر شمس النہار نے گائی راگ کے سیلاب میں جذبات بہہ نکلے۔ شمس النہار خلوت میں چلی گئی۔ ابن بکا بھی پیچھے پیچھے گیا اور دونوں بے اختیار ایک دوسرے کے گلے لگ کر بیہوش ہو گئے۔ ابوالحسن عطار نے اٹھ کر نخلخہ سنگھایا آہستہ آہستہ ستم زدگان عشق کے ہوش و حواس درست ہوئے۔ ابھی دل کی باتیں زبان تک بھی نہ آنے پائی تھیں کہ ایک کنیز نے اطلاع دی کہ خواجہ سرا مسرور آیا ہے اور باریابی چاہتا ہے۔ ابن طاہر گھبرایا لیکن شمس النہار نے کہا۔ پریشان ہونیکی ضرورت نہیں ہے۔ پھر خادمہ سے کہا کہ مسرور کو باتوں میں لگاؤ۔ میں آرہی ہوں۔ کنیز چلی۔ شمس النہار نے جلد جلد ہدایات دیں کہ ان دونوں کو یہاں سے کسیطرح نکالے۔ اور خود باہر آکر مسند پر بیٹھ گئی۔ اشارہ پاکر مسرور اندر آیا اور ادب سے سر جھکا کر عرض کیا کہ امیرالمومنین تشریف فرما چاہتے ہیں۔ شمس النہار نے کہا کہ خلیفہ کیخدمت میں میرا آداب پیش کر کے عرض کرنا کہ کنیز سرافرازی کی منتظر ہے۔ مسرور چلا آیا تو خود اٹھ کر ابوالحسن ابن بکا کے پاس آئی۔ پھر گلے ملکر کہنے لگی کہ تم مطمئن رہو۔ میرا دل ہر وقت تمہارے پاس رہیگا۔ ابوالحسن باحسرت و یاس وہاں سے چلا۔ اور ایک کنیز نے چور دروازے سے لب دجلہ پہنچا دیا۔ وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر دوسرے کنارے پر آگئے ابن طاہر ابوالحسن کو اپنے ایک دوست کے یہاں لے گیا۔ کیونکہ رات زیادہ آچکی تھی اور اسوقت اپنے گھر جانا مناسب نہیں تھا۔ دوست اسوقت ابوالحسن عطار کو دیکھ کر متعجب ہوا لیکن ابن عطار نے یہ کہکر اطمینان کر دیا کہ آج میں دجلہ کی سیر کو آیا تھا۔ آپ میرے دوست ابن بکا ہیں۔ دفعتہً ان کی طبیعت خراب ہو گئی میں ان کو یہاں لے آیا۔ دوست نے خلوص سے خوش آمدید کہا اور دونوں کے آرام کا انتظام کر دیا۔ صبح کو جب ابن عطار اور ابوالحسن ابن بکا اپنے اپنے گھر جانے لگے۔ تو چلتے ہوئے ابوالحسن نے ابن طاہر سے کہا کہ میرے حال سے بے پرواہ نہ ہو جائیے گا۔ صرف آپ ہی کا سہارا ہے۔ اگر شمس النہار کے متعلق کوئی اطلاع ملے تو مجھے ضرور خبر کیجئے۔ ابن طاہر نے اسکو اطمینان دلایا کہ میں ہر وقت تمہاری خدمت کیلئے تیار ہوں گا۔

تیسرے پہر کو شمس النہار کی کنیز عطار کی دوکان پر آئی اور ابن بکا کی خیریت دریافت کی۔ ابوالحسن نے کہا کہ وہاں سے آکر ابوالحسن ابن بکا بہت بیقرار رہا۔ بڑی مشکل سے سمجھا کر اسکو گھر بھیجا ہے۔

کنیز کہنے لگی کہ شمس النہار بھی بہت پریشان اور مضطرب حال ہے۔ ہم کل سے برابر سمجھا رہی ہیں لیکن اسکو سکون نہیں ہوتا۔ خلیفہ نے بھی اس کی حالت کے تغیر کو محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ آج صبح طبیب شاہی آیا ہے اور نبض دیکھ کر دوا تجویز کر گیا ہے۔ خدا انجام بخیر کرے۔ مجھے مستقبل تاریک معلوم ہوتا ہے۔

ابن طاہر ابو الحسن کے مکان پر گیا اور کنیز کی آمد کا حال سنایا۔ ساتھ ہی سمجھاتا بھی رہا کہ صبر سے کام لو۔ اگر راز طشت از بام ہو گیا تو بہت مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ ابو الحسن نے باصرار ابن طاہر کو شب بھر کیلئے روک لیا۔ صبح کو عطار حسب معمول دوکان پر آیا اور کاروبار میں مصروف ہو گیا۔ دوپہر کو پھر شمس النہار کی ایک کنیز خط لیکر آئی۔ ابو الحسن ابن طاہر اسے اپنے ساتھ لیکر ابن بکا کے مکان پر آیا۔ خط دیکھ کر ابن بکا بہت خوش ہوا۔ ابن طاہر نے رات کو لیٹ کر سارے معاملہ پر غور کیا تو ہر طرف خطرات ہی خطرات نظر آئے۔ اس نے سوچا کہ شاہی منظور نظر کنیز کی خط و کتابت ضرور رنگ لائے گی۔ اور جب خلیفہ کو حالات معلوم ہو گئے تو معلوم نہیں۔ کیا میرا حشر ہو۔ چنانچہ اس نے ارادہ کر لیا کہ اس درمیان سے نکل جانا چاہیئے۔ لیکن دوسری طرف ابن بکا سے دوستی کا خیال آتا تھا۔ ایک سچے دوست کی حیثیت میں اسکا فرض تھا کہ مصیبت کے وقت جو کچھ اس کی امداد کر سکتا ہو کرے۔ آخر وہ اسی فیصلہ پر پہنچا کہ یہ شخص نازک صورت اختیار کئے بغیر نہیں رہیگا۔ اور نتیجے میں جو تباہی آنیوالی ہے۔ وہ اس کی برداشت سے باہر ہے۔ اسی لئے صبح کو اس نے ابو الحسن ابن بکا کو ایک خط لکھا اور سب نشیب و فراز سمجھا کر اسے اطلاع دی کہ میں کچھ دن کے لئے باہر جا رہا ہوں۔

خط ایک غلام کے ہاتھ روانہ کر کے خود سامان سفر درست کرنے لگا۔ اسی دوران میں ابن طاہر کا ایک دوست جوہری آ گیا۔ اور سفر کے متعلق حالات دریافت کرنے لگا۔ پہلے تو اس نے ٹالا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر اور بھی ابو الحسن ابن بکا کے بے تکلف ملنے والوں میں سے ہے اور ممکن ہے میرے جانے کے بعد اس کو راہ راست پر لا سکے کل حالات بیان کر دیئے۔ جوہری اسوقت تو خاموش ہو گیا لیکن دوسرے وقت وہ ابن بکا کے پاس گیا۔ اور اس سے ابن طاہر کے جانے اور مفصل حالات سننے کا ذکر کیا ساتھ ہی یہ بھی کہدیا۔ اگر ضرورت پیش آئے تو میں ہر خدمت کیلئے حاضر ہوں۔ ابن بکا ابو الحسن عطار کے چلے جانے کیوجہ سے پریشان تھا۔ اس سہارے کو غنیمت سمجھا۔ اتفاقاً اسوقت شمس النہار کی کنیز خط لیکر آ گئی اور جوہری یہ سوچ کر الگ چلا گیا کہ ممکن ہے وہ میرے سامنے حالات بیان نہ کرے۔ تھوڑی دیر میں کنیز خط کا جواب لیکر چلی گئی۔ ابو الحسن نے جوہری کو بلا کر بتایا کہ کنیز ابھی تم سے مطمئن نہیں ہے۔ اگر ممکن ہو تو کسی وقت آپ خود بھی اس سے ملکر ہمراز بنانے کی کوشش کیجئے۔ جوہری وعدہ کر کے چلا گیا دو چار روز کے بعد کنیز پھر شمس النہار کا خط لیکر جا رہی تھی۔ جوہری اسکو دیکھ کر پیچھے ہو لیا اور گفتگو کرنے کیلئے مناسب موقعہ کا متلاشی رہا۔ کنیز جلدی میں تھی معلوم نہیں کسطرح خط اس کی جیب سے گر گیا اور جوہری نے اٹھا لیا۔ تھوڑی دور جا کر کنیز کو محسوس ہوا کہ خط گر گیا ہے

وہ بہت پریشان ہوئی۔ اور تلاش کرتی ہوئی لوٹی۔ جوہری نے خط اسکو واپس دیدیا اور ساتھ ہی بتایا کہ میں ابن بکا کا راز دار ہوں اور دوست بھی ہوں۔ اگر اسوقت تمہارے تعاقب میں نہ آتا۔ اور یہ خط کسی دوسرے کے ہاتھ لگ جاتا تو کسی کی خیر نہیں تھی۔ پھر کنیز کو کچھ انعام دیا اور گفتگو کرتا ہوا اسکے ساتھ ابن بکا کے گھر آیا۔ اسطرح کنیز کو اطمینان ہوگیا اور اس نے شمس النہار سے بھی ذکر کردیا۔ شمس النہار جوش محبت میں ضروری احتیاط بھی بھول جاتی تھی۔ اس نے کنیز کی معرفت جوہری کو خلیفہ کے محل میں طلب کیا۔ جوہری نے کنیز کو سمجھایا کہ میرا محل میں جانا کسی طرح موزوں نہیں۔ ابن طاہر کا پرانا رسوخ تھا اسکو سب جانتے تھے میں نیا آدمی ہوں۔ اگر شبہات پیدا ہوگئے۔ تو بڑی دقت ہوگی۔ تم اپنی ملکہ سے عرض کرو کہ میرا ایک مکان ہے جو میں نے دوست احباب کی ضیافتوں کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ اگر وہ مناسب سمجھیں تو میں وہاں انتظام کردوں۔ ابن بکا بھی وہیں آجائیں گے۔ اسطرح دونوں کی باسانی ملاقات ہوسکتی ہے کنیز نے جاکر شمس النہار سے کہا۔ وہ تیار ہوگئی۔ کنیز پھر واپس آئی اور اطلاع دے گئی کہ شام کو ملکہ آئیں گی۔ جوہری نے حتی المقدر مکان کی آراستگی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بہت سا قیمتی سامان زینت احباب سے فراہم کیا۔ ابن بکا کو بھی اطلاع کردی کہ فلاں وقت شمس النہار آپ سے ملنے آئیں گی۔ ابوالحسن تیار ہو کر آگیا۔ شام تک دونوں دوست لوازم دعوت و آرائش میں مصروف رہے۔ ابن بکا وفور جذبات سے مضطرب تھا۔ بار بار آفتاب کیطرف دیکھتا اور اس کی سست روی پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا۔ خدا خدا کرکے شام ہوئی۔ حسب وعدہ شمس النہار دو کنیزوں کے ساتھ آئی اور بچھڑے ہوئے دل ملے۔ اور دنیا و مافیہا کو بھول گئے۔ تھوڑی دیر میں دسترخوان بچھا۔ سب نے کھانا کھایا جوہری کی ہمدردی اور مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ ابھی یہ لوگ گفتگو کر رہے تھے کہ باہر سے شور و غل کی آوازیں آئیں۔ اور ایک غلام نے اطلاع دی کہ ڈاکوؤں نے حملہ کردیا ہے۔ مکان لٹ رہا ہے۔ کئی آدمی مقابلہ میں مجروح ہوچکے ہیں۔ جوہری صورت حال دیکھنے کو باہر آیا۔ تو خود بھی گھر گیا۔ اتنے میں ڈاکو کل مال و اسباب لوٹ کر فرار ہوگئے۔ جوہری مکان میں آیا تو ایک غلام سے معلوم ہوا کہ ڈاکو ابن بکا اور شمس النہار کو بھی گرفتار کرکے لے گئے ہیں۔ جوہری بہت پریشان ہوا۔ شمس النہار کا اسکے مکان سے غائب ہونا۔ احباب سے لایا ہوا سامان زینت لٹنا۔ حکومت کی پوچھ پر کا خطرہ ان سب باتوں کو سوچ کر جوہری گھبرا گیا اور دل میں کہنے لگا۔ کہ ابن طاہر نے اچھا کیا کہ چلا گیا اور مجھ سے بڑا بیوقوف کون ہوگا جو خود اپنے سر پر مصیبت لایا۔ ڈاکے کی خبر مشہور ہوتے ہی کچھ احباب آگئے اور جوہری کو تسلی تشفی دیتے رہے۔ اتنے میں ایک غلام نے آکر اطلاع دی کہ ایک شخص تنہائی میں آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ جوہری اٹھ کر باہر گیا وہاں ایک اجنبی کھڑا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ آپ تنہا تھوڑی دور میرے ساتھ چلئے۔ میں آپ کی ڈکیتی کے متعلق کچھ اطلاعات دوں گا۔ جوہری اسکے ہمراہ ہوگیا تھوڑی دور جاکر اس نے کہا کہ مجھے ابن بکا اور شمس النہار نے بھیجا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلئے۔ ان کی رہائی بھی ہوجائے گی۔ اور ممکن ہے آپکا کچھ

اسباب بھی مل جائے۔ آپ کی سلامتی کیلئے میں خدا کو حاضر و ناظر کر کے قسم کھاتا ہوں

جوہری کے مکان پر ڈاکوؤں کا حملہ

جوہری تن بتقدیر اسکے ساتھ چلا۔ دونوں دجلہ کو عبور کر کے دوسری طرف گئے اور ایک تنہا مکان میں پہنچکر اندر گئے تو دروازہ بند ہو گیا۔ وہاں دس آدمی بیٹھے تھے انہوں نے جوہری کو باعزاز بٹھایا پھر کھانا پیش کیا۔ اور کہنے لگے۔ کہ آپکے مکان پر جو حملہ ہوا تھا۔ اس میں ہم شریک تھے۔ لیکن ابھی کچھ دیر ہوئی بعض ایسے حالات پیش آئے کہ ہم نے آپ کو تکلیف دی اگر آپ بحلف ہمیں اخفا کا یقین دلادیں تو ہم دونوں قیدی اور جو کچھ سامان اسوقت موجود ہے آپ کو واپس کرنے کیلئے تیار ہیں۔ جوہری نے قسم کھائی اور وعدہ کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے ابن بکا اور شمس النہار کو لاکر جوہری کے سپرد کیا اور جو کچھ سامان موجود تھا دیدیا۔ پھر ان لوگوں کو ایک کشتی میں سوار کر کے کہا کہ آپ تشریف لیجائیے اور اپنے وعدہ کو یاد رکھیئے۔ ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے دوسرے کنارے پر آئے اور گھر کی طرف چلے ہی تھے کہ کچھ سپاہیوں نے آکر گرفتار کر لیا۔ شمس النہار نے دستہ کے افسر کو الگ بلا کر کچھ کہا وہ فوراً مودب ہو گیا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان کو چھوڑ دو۔ اور بحفاظت ان کے مکانوں تک پہنچا دو۔ ہم لوگ صبح کے قریب گھر پہنچے اہل وعیال سب پریشان تھے۔ ہمیں دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ شمس النہار دو سپاہیوں کو ساتھ لیکر الگ چلی گئی۔ جوہری اور ابوالحسن پریشان تھے کہ دیکھئے کیا ہونا ہے۔ اگر راز افشا ہو گیا تو خدا ہی خیر کرے۔ صبح کو شمس النہار کی کنیز آئی۔ جوہری نے حال دریافت کیا۔ وہ کہنے لگی کہ خدا نے بڑا فضل کیا۔ راز چھپا رہ گیا۔ سپاہیوں کے ملنے سے بڑا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن شمس النہار نے افسر کو کچھ دے کر خاموش کر دیا۔ سپاہیوں کو اسکی شخصیت کا علم ہی نہیں ہوا۔ پھر اس نے دو تھیلیاں اشرفیوں کی جوہری

کو دے کر کہا۔ یہ شمس النہار نے بھیجی ہیں۔ آپ ان سے اپنے نقصان کی تلافی کر لیجئے۔ جوہری نے بہت شکریہ ادا کیا۔ کنیز تو چلی گئی۔ جوہری نے سب چیزیں نئی خرید کر جس جس کا سامان لٹ گیا تھا اسکے یہاں پہنچا دیا اسکے بعد وہ ابوالحسن کے پاس گیا اور کل حالات کی اطلاع دی۔ تین چار روز تک کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ ایک روز جوہری اپنی دوکان پر بیٹھا تھا۔ کہ وہ ہی کنیز جو خط لا کر دیتی تھی گھبرائی ہوئی آئی اور کہنے لگی تم اور ابوالحسن اسی وقت کہیں چلے جاؤ۔ ایک منٹ کی بھی دیر نہ کرو شمس النہار کو خلیفہ نے طلب کیا ہے۔ اور میں تمہیں اطلاع دینے آئی ہوں۔ جوہری کے ہوش اڑ گئے دوکان بند کر کے بھاگا ہوا ابن بکا کے پاس گیا اور حالات بتائے۔ پھر دونوں تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر "انبار" کیطرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں کچھ ڈاکو مل گئے اور جو کچھ زاد راہ جلدی میں چلتے ہوئے لے آئے تھے لوٹ لیا۔ حتیٰ کہ بدن کے کپڑے تک اتروا لئے۔ صرف ایک پاجامہ ستر پوشی کے لئے رہ گیا۔ پریشان و مضطرب ایک طرف چل دیئے۔ متواتر صدمات اور شمس النہار کی گرفتاری کی اطلاع نے ابن بکا کو نیم جان کر دیا تھا۔ راستہ میں بیمار ہو گیا مجبوراً دونوں ایک مسجد میں پڑ گئے۔ مسجد شہر سے کچھ دور بنی ہوئی تھی۔ صبح کو ایک نمازی آیا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر حال دریافت کیا۔ جوہری نے لٹنے کا واقعہ بیان کر دیا۔ وہ بڑے اصرار سے دونوں کو اپنے گھر لے گیا اور ممکن مدارات کی۔

مسجد میں نیک مرد سے ملاقات

اس نیک مرد کے مکان پر جا کر شاہزادے کی تکلیف اور بڑھ گئی۔ تیسرے چوتھے روز حالت خراب ہونے لگی تو ابن بکا نے جوہری کو بلا کر کہا۔ کہ میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میری والدہ کو اطلاع کر دینا اور ممکن ہو تو مجھے بغداد ہی میں دفن کرانا۔ جوہری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس کی بیکسی کی موت پر بہت رنجیدہ ہوا۔ بہر حال اس نے ابن بکا سے وعدہ کر لیا کہ تمہاری وصیت پوری کرنے کی کوشش کروں گا

اسی روز شاہزادہ ایران ابن بکا کا انتقال ہوگیا۔ جوہری اپنے میزبان کے یہاں اس کی نعش امانت رکھ کر بغداد واپس آیا۔ اور پوشیدہ طور پر رات کو ابن بکا کے گھر پہنچا اسکی والدہ کو سب حالات سنائے وہ غریب اپنے جوان بیٹے کی خبر مرگ سنکر بیہوش ہوگئی۔ بڑی دیر میں جب ہوش آیا تو صبح تک روتی رہی اسکے بعد انتظام کرکے بیٹے کی نعش لینے چلی گئی۔ جوہری اگلے روز اپنے گھر میں تھا کہ ایک سیاہ پوش عورت آئی جب اس نے برقعہ اتارا تو جوہری نے پہچانا کہ وہ شمس النہار کی ہمراز کنیز ہے۔ جوہری نے حال دریافت کیا تو وہ روکر کہنے لگی کہ شمس النہار جب خلیفہ کے سامنے پیش ہوئی تو رونے لگی۔ خلیفہ کو اس سے دلی محبت تھی۔ اس حال میں اسکو دیکھ کر رحم آگیا اور اسکو معاف کردیا۔ لیکن شمس النہار کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ وہ وہاں سے آکر ایسی گری کہ تیسرے روز انتقال کر گئی۔ خلیفہ نے اسکا مقبرہ بنانے کا حکم دیا ہے اور میں اسی کی منتظم ہوں۔ مجھے ابن بکا کے انتقال کی خبر مل چکی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ دونوں عاشق و معشوق پہلو بہ پہلو دفن کئے جائیں۔ جوہری نے کہا کہ اگر خلیفہ کو حال معلوم ہوگیا تو کیا ہوگا۔ کنیز نے کہا اس کا میں نے انتظام کرلیا ہے۔ تم صرف ابن بکا کی والدہ سے اجازت لے لو۔ چنانچہ جب ابن بکا کی والدہ نعش لیکر واپس آئیں تو ان کے مشورہ سے ابن بکا کو شمس النہار کے پہلو میں دفن کردیا گیا اور اس طرح دونوں فراق دیدہ قیامت تک کے لئے ہم آغوش ہوگئے۔

شہرزاد نے جسوقت کہانی ختم کی تو سفیدہ سحر نمودار ہوچکا تھا۔ سب اٹھنے لگے۔ شہرزاد نے دنیازاد کو مخاطب کرکے کہا کہ اگر میں قتل نہ ہوئی تو کل شہزادہ قمر الزماں ابن شاہ زماں کی عجیب و غریب سناؤں گی۔ بادشاہ محل سے باہر آیا لیکن حکم قتل آج بھی ملتوی رہا۔

شہزادہ قمر الزماں اور بدالبدور شاہزادی چین کا قصہ

رات کو جب شہریار خلوت کدے میں آئے تو دنیازاد نے بہن کو یاد دلایا کہ کل آپ نے قمر الزماں کی کہانی سنانے کو کہا تھا۔ اب سنایئے۔ بادشاہ نے بھی تائید کی۔ چنانچہ شہرزاد نے کہانی شروع کی۔

بحیرہ فارس سے بیس پچیس روز کی مسافت پر ایک جزیرہ ہے۔ تاریخوں میں اسکا نام چیدان لکھا ہے۔ وہاں کے بادشاہ کا نام شاہ زماں تھا۔ ملک آباد۔ رعایا شاد خدا کی دی ہوئی ہر نعمت وہاں موجود تھی۔ بادشاہ کے عدل و انصاف رعایا پروری کا دور دور شہرہ تھا۔ دنیا جہان کے مصیبت زدہ لوگ وہاں آتے اور عادل بادشاہ کے زیر سایہ آرام و راحت حاصل کرتے۔ عمال وزراء کی مجال نہ تھی کہ کسی ادنیٰ غریب کو بھی تنگ کرسکیں۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی بادشاہ کے دل میں خلش تھی جو ہر وقت اسے پریشان رکھتی تھی یعنی کوئی اولاد نہ تھی جو وارث تخت و تاج ہوتی۔ جب بادشاہ کا رنج و غم بہت بڑھا تو اعیان سلطنت اور وزراء نے عرض کیا کہ آپ فقراء اور درویشوں کی خدمت کیجئے۔ ممکن ہے کسی کامل کی توجہ سے آپ کی نخل تمنا ہری ہوجائے۔ چنانچہ بادشاہ نے ہر جگہ لنگر جاری کردیئے۔ سرائیں

بنوائیں۔ کنوئیں کھدوائے۔ تاکہ کسی مسافر اور غریب کو تکلیف نہ ہو۔ خود بھی جہاں کسی درویش فقیر کی اطلاع ملتی تو وہاں جاتا اور دعا کیلئے عرض کرتا۔ آخر ایک دن بارگاہ خداوندی میں اسکے اعمال قبول ہو گئے۔ بادشاہ کی بیگم نے یہ مژدہ سنایا کہ وہ امید سے ہیں۔ بادشاہ کو بیحد مسرت ہوئی۔ اور اس دن کا انتظار کرنے لگا جب وہ وارث تخت کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ نوماہ گذرنے کے بعد بادشاہ کے یہاں ایک نہایت حسین وجمیل لڑکا پیدا ہوا۔ خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے اور غربا فقرا کو اتنا دیا کہ مالامال ہو گئے۔ مہینوں سارے ملک میں جشن مسرت رہا۔ بادشاہ ہر وقت خداوعزوجل کا شکرادا کرتا کہ اس کی سب سے بڑی تمنا پوری ہو گئی۔ شاہزادے کا نام اسکے حسن وصورت کی مناسبت سے قمرالزماں رکھا گیا۔

جب شاہزادے نے ہوش سنبھالا تو ہر علم وفن کے استاد مقرر کر دیئے گئے جو شاہزادے کو تعلیم وتربیت دینے تھے۔ پندرہ سولہ سال کی عمر میں قمرالزماں تحصیل علم وفنون سے فارغ ہو گیا۔ استادوں کو بیحد انعام واکرام دیا گیا۔ بادشاہ کو اب اس کی شادی کی فکر ہوئی۔ چنانچہ اس نے قمرالزماں سے ذکر کیا۔ اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ کہ قبلہ وکعبہ اس سے تو مجھے معاف ہی فرمائیے۔ بادشاہ نے بڑے تعجب سے پوچھا۔ کہ کیوں۔ شاہزادے نے عرض کیا کہ میں نے عورتوں کی بیوفائی اور بدکرداری کے واقعات پڑھے ہیں۔ کہ میں عورت ذات ہی سے بدگمان ہو گیا ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ ماں کے سوا کوئی عورت میری زندگی میں داخل ہو۔ بادشاہ کو یہ سنکر بہت ملال ہوا لیکن اس نے سوچا کہ ابھی نوعمر ہے۔ کتابی علم کا طبیعت پر اثر ہے۔ کچھ دن میں خود ہی درست ہو جائے گا۔ بیٹے کو مخاطب کر کے کہا کہ گو تمہارا جواب میری منشا کے خلاف ہے لیکن میں تمہیں ایک سال کی مہلت دیتا ہوں۔ اس مسئلہ پر مزید غور کر لو۔ سال بھر گذر گیا۔ بادشاہ نے شاہزادے کو سر دربار بلا کر دریافت کیا۔ شادی کے متعلق تمہاری اب کیا رائے ہے۔ قمرالزماں نے عرض کیا۔ وہ ہی جو پہلے تھی۔ بلکہ اس عرصہ میں میں نے جو کچھ مطالعہ کیا ہے اس نے میری رائے کو اور قوی کر دیا ہے۔ بادشاہ نے شاہزادے کے انکار کو گستاخی پر محمول کیا اور چاہا کہ کوئی تادیب کیجائے لیکن وزیر اعظم نے عرض کیا کہ آپ ان کو ایک سال کی اور مہلت دیجئے تاکہ یہ خوب سوچ سمجھ لیں یقیناً شاہزادے کا مقصد عدول حکمی نہیں بلکہ اس رائے کا اظہار ہے جو کسی وجہ سے انہوں نے قائم کر لی ہے۔ وزیر اعظم کی سفارش پر ایک سال اور غور کرنے کیلئے مہلت دیدی گئی۔ لیکن یہ سال بھی گذر گیا اور قمرالزماں اپنی ضد پر اڑا رہا۔ بادشاہ بہت ناراض ہوا اور شاہزادے کو ایک پرانے افتادہ مکان میں قید کر دیا۔

یہ مکان مدت سے بند تھا۔ اس کے متعلق قسم بقسم کی افواہیں بھی مشہور تھیں جن میں اصلیت بھی تھی۔ کیونکہ اس مکان میں میمون پری رہنے لگی تھی۔ جس زمانہ میں قمرالزماں یہاں قید کیا گیا۔ وہ کہیں باہر گئی تھی۔ جب واپس آئی تو خلاف معمول مکان میں روشنی دیکھ کر بہت متعجب ہوئی اور دریافت حال کے لئے اس حصّہ میں پہونچی جہاں قمرالزماں قید تھا۔ اسوقت نصف شب گذر چکی تھی اور شاہزادہ محوخواب تھا۔ جیسے ہی میمون پری کی نظر پڑی۔ اس کا حسن وجمال دیکھ کر محوحیرت ہو گئی۔ پھر آگے بڑھی اور قمرالزماں

کی پیشانی پر محبت سے بوسہ دیا اور دل میں کہنے لگی۔ کہ یہ تو بہت خوبصورت بلا ہے۔ میں اس سے دوستی پیدا کروں گی۔

محو خواب شہزادے کے پاس پری کا آنا

اس نے شہزادے کو اٹھانا مناسب نہ سمجھا۔ آہستہ سے چادر اوڑھا کر کسی کام سے آسمان پر پرواز کر گئی۔ راستے میں اسے ایک جن آتا ہوا ملا۔ پری نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو۔ جن نے کہا میں چین سے آرہا ہوں۔ وہاں میں نے شاہ چین کی لڑکی کو دیکھا۔ سچ کہتا ہوں۔ ایسی صاحب جمال عورت شاید پردۂ دنیا پر نہ ہوگی۔ ابتک دید کی لذت دل سے محو نہیں ہوئی۔ پری نے کہا ہوگی۔ لیکن میں نے آج ایک ایسا خوش شکل نوجوان دیکھا ہے۔ کہ تم اگر اس کو دیکھ لو تو اپنی بادشاہزادی کو بھول جاؤ۔ جن نے کہا تم چین کی شاہزادی کو دیکھو تو معلوم ہو۔ کیا انسان اور کیا پری۔ کوئی اسکا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ لیکن وہ بیچاری آجکل قید ہے۔ کیونکہ شاہ چین اس کی شادی کرنا چاہتا ہے مگر وہ برابر انکار کر رہی ہے اور کہتی ہے کہ مرد بے وفا اور ہرجائی ہوتا ہے میں کبھی اس کو اپنا شریک نہیں بناؤں گی۔ پری نے کہا۔ تم خواہ مخواہ اپنی شاہزادی کی تعریف کئے جارہے ہو۔ اس کا فیصلہ اسطرح ہو سکتا ہے کہ شاہزادی کو گہری نیند سلا کر لے آؤ اور میرے شاہزادے کے برابر بٹھا کر موازنہ کرو۔ اسوقت معلوم ہو جائیگا کہ کون زیادہ حسین ہے۔ جن نے کہا منظور۔ لیکن میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ تم شرط ہار جاؤ گی۔ پھر جن اڑکر واپس چلا گیا۔ اور ذرا سی دیر میں شہزادی کو لیکر آ گیا۔ پھر دونوں شہزادی کو لیکر اس مکان میں آئے جہاں قمر الزماں سو رہا تھا جن نے بھی شہزادے کو دیکھا اور آپس میں بحث کرنے لگے۔ پری کہتی۔ قمر الزماں زیادہ خوبصورت ہے۔ جن کہتا شہزادی۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ دونوں کسی کو بھی ایک دوسرے پر ترجیح دینے کے قابل نہیں تھے آخر پری نے زمین پر ٹھوکر ماری۔ اسوقت زمین شق ہوئی اور ایک لنگڑا کبڑا جن باہر نکلا جس کے سر پر چھ

سینگ تھے اور پری سے کہنے لگا۔ کیا حکم ہے۔ پری نے کہا کہ تم انصاف کرو کہ اس شاہزادے اور شاہزادی میں سے زیادہ خوبصورت کون ہے۔ لنگڑے جن نے کہا۔ کہ ان کو برابر لٹا دو۔ تاکہ آسانی سے مقابلہ ہو سکے چنانچہ ایک ہی پلنگ پر دونوں کو سلا دیا۔ لیکن پھر بھی کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ مجبور ہو کر کہنے لگا۔ یوں تو کوئی نتیجہ نظر نہیں آتا۔ دونوں ایک دوسرے سے زیادہ حسین ہیں۔ میرے خیال میں ان کو باری باری جگاؤ۔ پھر دیکھو کہ اگر شہزادہ زیادہ عشق کا اظہار کرے تو شہزادی زیادہ حسین ہے۔ جن اور پری نے یہ تصفیہ منظور کر لیا۔ جن نے شہزادی کو گہری نیند سلا دیا اور پری نے مچھر بن کر شہزادے کے ہونٹ پر کاٹا۔ وہ گھبرا کر ہوشیار ہو گیا پھر اپنے برابر ایک حسین نوجوان عورت کو لیٹا ہوا دیکھ کر متعجب ہوا۔ اور دل میں سوچنے لگا کہ شاید والد میری شادی اسی سے کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسی لئے میرے پاس لائی گئی ہے کہ میں اسکو دیکھ لوں۔ پھر اس نے شہزادی کو غور سے دیکھا۔ اور ہزار جان سے اس پر عاشق ہو گیا۔ اور افسوس کرنے لگا کہ میں بھی کتنا بیوقوف ہوں۔ جو ایسی حور جمال لڑکی سے بھی شادی کرنے سے انکار کر رہا ہوں۔ صبح کو والد کے پاس اطلاع بھیجدونگا کہ رات کو آپ نے جو عورت مجھے دکھائی ہے میں اس سے شادی کرنے کیلئے تیار ہوں۔ اس کے بعد بیتاب ہو کر چاہا کہ اس کو خوب پیار کروں۔ لیکن اس خوف سے رُک گیا کہ کہیں والد چھپ کر میری حرکات کو نہ دیکھ رہے ہوں۔ لیکن نظر ایک لمحہ کیلئے شہزادی کے چہرے سے نہیں ہٹائی اور نگاہوں ہی نگاہوں میں اس کے رُخِ روشن کی بلائیں لیتا رہا۔ پھر اپنی انگوٹھی شہزادی کو پہنا دی اور اس کی آپ پہن لی۔ اتنے میں پری نے شہزادے کو گہری نیند سلا کر چین کی شہزادی کو جگایا۔ شہزادی نے اٹھ کر ایک جوان حسین پہلو میں دیکھا۔ تو بڑی پریشان ہوئی۔ لیکن قمر الزماں کے جمال بے مثال کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو گئی اور دل میں سوچنے لگی کہ میں بڑی نادان ہوں کہ والد اس نوجوان سے شادی کرنا چاہتے ہیں اور میں

جن پری اور شہزادہ شہزادی
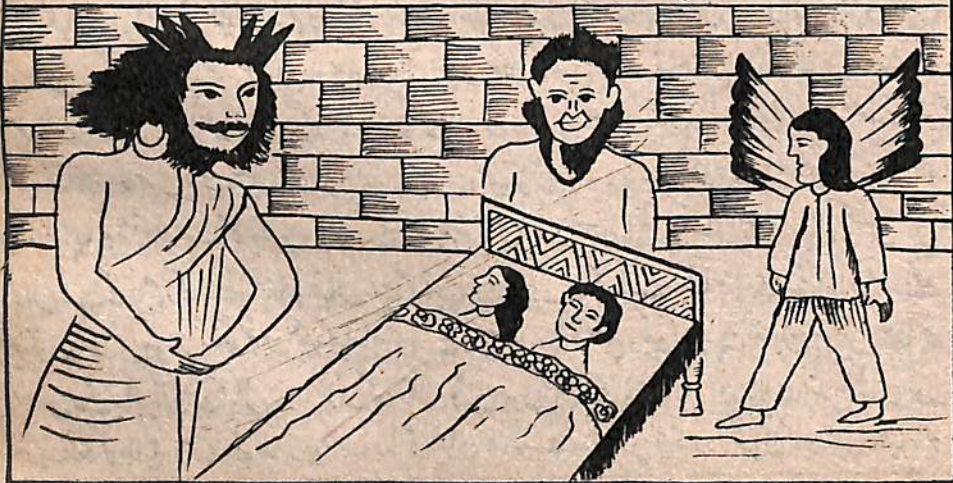
انکار کر کے قید کی مصیبت اٹھا رہی ہوں۔ پھر اپنی انگوٹھی کو بدلا ہوا دیکھ کر اسکو مزید یقین ہو گیا کہ یہ ہی میرا ہونے والا شوہر ہے۔ شہزادی نے قمر الزماں کو جگانا چاہا لیکن وہ پری کی لائی گہری نیند سو رہا تھا۔ بیدار نہ ہوا۔ جوش جذبات میں بے اختیار ہو کر اس نے شاہزادے کو چوم لیا۔ جن نے اسی وقت شاہزادی کو بھی سلا دیا۔ پھر دونوں جن اور پری ظاہر ہوئے۔ پری کہنے لگی۔ کہ تم نے دیکھ لیا۔ میرا شاہزادہ زیادہ حسین ہے۔ جن خاموش ہو گیا۔ اور شہزادی کو چین میں اس کے مکان پر پہنچا دیا۔

صبح کو شہزادہ بیدار ہوا۔ تو شہزادی موجود نہیں۔ اس نے خیال کیا کہ والد نے واپس بلا لیا ہو گا۔ پھر حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر خانہ تلاوت میں مصروف رہا۔ جب اپنے معمولات ختم کر چکا تو غلام کو بلایا اور اس عورت کی نسبت دریافت کیا۔ جو شب کو اس نے دیکھی تھی۔ غلام نے حیران ہو کر کہا کہ شاید آپ نے خواب دیکھا ہے۔ کیونکہ یہاں تو نہ کوئی آیا۔ نہ گیا۔ شاہزادے نے اس کو دھمکایا۔ تو اس نے کہا۔ میں جا کر پوچھتا ہوں۔ ممکن ہے میری لاعلمی میں رات بادشاہ نے کسی کو بھیجا ہو۔ چنانچہ وہ شاہ زماں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا شاہزادے ایک عورت کی نسبت مجھ سے دریافت کرتے ہیں جو شب کو ان کے پاس لائی گئی تھی۔ مجھے تو کوئی علم نہیں۔ کیا حضور نے کسی کو بھیجا تھا۔ شاہ زماں بھی متعجب ہوا۔ اور اسی وقت وزیر اعظم کو بلا کر دریافت حال کے لئے قمر الزماں کے پاس بھیجا۔ وزیر نے واقعات پوچھے۔ تو اس نے جو ماجرا دیکھا تھا بیان کر دیا۔ وزیر نے کہا۔ کہ آپ اطمینان سے غور کیجئے۔ ممکن ہے خواب کے واقعات حافظہ پر مرتسم ہو گئے ہوں۔ جہاں تک مجھے علم ہے۔ آپ کے پاس کوئی لڑکی نہیں لائی گئی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کے انکار کے پیش نظر اب تک بادشاہ کی نظر انتخاب بھی کسی عورت پر نہیں پڑی۔ شاہزادے نے اپنی انگلی کی بدلی ہوئی انگوٹھی دکھائی۔ اس کی وضع قطع ایسی عجیب تھی کہ اس جزیرے میں اس سے پیشتر ویسی انگوٹھی دیکھی ہی نہیں گئی تھی۔ انگوٹھی دیکھ کر وزیر بھی حیران رہ گیا۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کو بلایا۔ شاہ زماں نے کل حالات سنے انگوٹھی دیکھی تو وہ کشمکش و پیچ میں پڑ گیا۔ سب پریشان تھے کہ یہ کیا اسرار ہے۔ قمر الزماں نے وزیر کی معرفت اپنے والد کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ اگر وہ لڑکی نہیں تو میری زندگی دشوار ہے۔ میں اب اس کے بغیر جینا بیکار سمجھتا ہوں۔ شاہ زماں نے شاہزادے کو اطمینان دلایا کہ ہم تلاش کریں گے۔ پھر اس کو لب دریا ایک قصر میں بھیجدیا اور خود وزیر اعظم سے مشورہ کرنے لگا۔ دوسری طرف چین میں صبح کو شاہزادی اٹھی تو شاہزادے کو نہ دیکھ کر بیقرار ہو گئی۔ کنیزوں کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور عرض کیا۔ آپ کیسی باتیں فرماتی ہیں۔ یہاں کس کی مجال ہے کہ قدم رکھ سکے۔ ہمارا خیال ہے کہ آپ نے خواب دیکھا ہے۔ شاہزادی نے کہا کہ تم مجھے بیوقوف جانتی ہو۔ یہ انگوٹھی دیکھو کیا یہ میری ہے۔ کنیزیں انگوٹھی دیکھ کر بہت حیران ہوئیں۔ چنانچہ انھوں نے جا کر ملکہ چین کو کل ماجرا عرض کیا۔ ملکہ دوڑی ہوئی بیٹی کے پاس آئی اور حالات سنکر پریشان ہو گئی اور بادشاہ کو بلایا۔ اس نے کہا کہ یہ سب دماغی خرابی کا اثر ہے۔ اس کی چند روز نگرانی کرو۔ میں اطبا کو

بلاتا ہوں ۔ طبیب آئے ۔ دوائیں تجویز ہوئیں ۔لیکن شاہزادی برابر اصرار کرتی رہی کہ آپ خواہ مخواہ مجھے بیمار بنا رہی ہیں ۔ میں بالکل تندرست ہوں ۔لیکن کسی نے اس کی بات پر توجہ نہ کی ۔ دو چار روز بعد شہزادی کا غصہ بڑھ گیا اور وہ کنیزوں کو معمولی معمولی باتوں پر مارنے لگی ۔ والدین کو اس سے اور بھی قوی شبہ ہو گیا کہ اسکا دماغ خراب ہو گیا ہے ۔ حالانکہ اس کی یہ جھونجھل پیدہ شدہ حالات کا قدرتی نتیجہ تھی ۔

بادشاہ نے بہت علاج کرائے لیکن اس کی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا ۔ مجبور ہو کر اس نے اعلان عام کر دیا کہ جو کوئی شہزادی کا علاج کر کے تندرست کر دیگا اسکے ساتھ میں اپنی لڑکی کا عقد کر دوں گا ۔ اور وہ میرا وارث تاج و تخت ہو گا ۔لیکن ناکامی کی صورت میں قتل کر دیا جائیگا ۔ بہت سے معالج لالچ میں آئے ۔لیکن قتل کر دیئے گئے اور ان کے سر قلعہ کے کنگوروں میں لٹکا دیئے گئے ۔ تاکہ علاج کا ارادہ کرنے والے انجام کا اندازہ پہلے ہی سے کر لیں ۔

شہزادی کی دایہ کا لڑکا اور رضائی بھائی ان دنوں کہیں باہر گیا ہوا تھا ۔ گھر پہنچا تو کل حالات معلوم ہوئے یہ بھی سنا کہ شاہزادی پاگل ہو گئی ہے اور کسی کو اس کے پاس جانے کی اجازت نہیں ہے اس نے اپنی ماں سے کہا ۔ کہ میں اپنی بہن کو ایک دفعہ دیکھنا چاہتا ہوں ۔ مجھے وہ اپنی حقیقی بہنوں سے زیادہ عزیز ہے ۔ جب سے اسکا حال سنا ہے طبیعت پریشان ہے ۔ ماں نے پہلے تو منع کیا لیکن اس کے مجبور کرنے پر ایک روز زنانہ لباس پہنا کر اپنے ساتھ لے گئی ۔ شہزادی نے دیکھتے ہی پہچان لیا ۔ اور بڑی محبت سے کہنے لگی ۔ آؤ مرزبان بھائی اچھے رہے ۔ مرزبان نے رو کر حال دریافت کیا ۔ شہزادی نے کل واقعات بیان کئے ۔ انگوٹھی دکھائی ۔ پھر کہنے لگی کہ مجھے اچھی بھلی کو ان لوگوں نے دیوانہ مشہور کر رکھا ہے ۔ مرزبان نے بہن کو تسلی دی اور کہا کہ تم ضبط و صبر سے کام لو ۔ میں تمہارے شاہزادے کی تلاش میں جاتا ہوں یا اُسے ڈھونڈ نکالوں گا یا اپنی بہن کی خدمت گذاری میں جان دیدوں گا ۔ پھر وہاں سے ماں کے پاس واپس آیا اور سامان سفر درست کر کے لامعلوم منزل کیطرف روانہ ہو گیا ۔

مرزبان مختلف ملکوں اور شہروں میں گھومتا پھرتا رہا ۔لیکن کوئی ایسی خبر اس کے سننے میں نہیں آئی جس سے وہ اپنی منزل کا سراغ حاصل کر سکتا ۔ اس نے اپنی طبعی ذہانت سے یہ اندازہ ضرور لگا لیا تھا کہ جس شخص کو شہزادی بدر البدور انے دیکھا ہے وہ کسی ملک کا شہزادہ ہے ۔ بدر البدورا کے ہاتھ میں جو انگشتری تھی وہ بہت قیمتی بھی تھی ۔ اور اسکے نگینے پر کچھ مخصوص نشانات بھی ایسے تھے جو اکثر بادشاہوں کے یہاں ہی دیکھے جاتے ہیں ۔ اسکے علاوہ مرزبان کو یقین تھا کہ جس قوم کے غیر معمولی واقعات نے شہزادی کو دیوانہ مشہور کرا دیا ہے اسی سے ملتے جلتے اس شہزادے کے حالات بھی مشہور ہونگے جس کی اسے تلاش تھی ۔ تین چار ماہ کی بیکار جد و جہد کے بعد وہ ایک روز ایک جزیرے میں پہنچا ۔ جہاں اس نے قمر الزماں کے حالات سنے ۔ اور سمجھ لیا کہ میں صحیح راستے پر آ گیا ہوں اور اب کامیابی یقینی ہے ۔ چنانچہ وہاں سے وہ جزیرہ چیدان کیطرف روانہ ہو گیا ۔ ہفتوں بری اور بحری سفر کرتا ہوا جزیرہ مذکور پہنچا ۔لیکن

جسوقت اسکا جہاز کنارے پر پہنچنے والا تھا۔ ایک موج بے پناہ نے اسکو پاش پاش کر دیا۔ قمر الزماں اپنے ساحل بحر والے قصر میں ہی تھا۔ اور اسکے والد شاہ زماں بھی بیٹھے تھے۔ اس جہاز کی تباہی کا علم ہوا۔ نیک نفس بادشاہ نے اسیوقت کشتیاں ڈلوادیں اور جتنے آدمیوں کو بچایا جاسکتا تھا۔ بچالیا۔ خوش قسمتی سے ان میں مرزبان بھی تھا۔ بادشاہ نے از راہ ترحم ان لوگوں کو اس قصر میں ٹھہرایا جہاں قمر الزماں مقیم تھا

جہاز کی تباہی اور مرزبان کا نکالا جانا
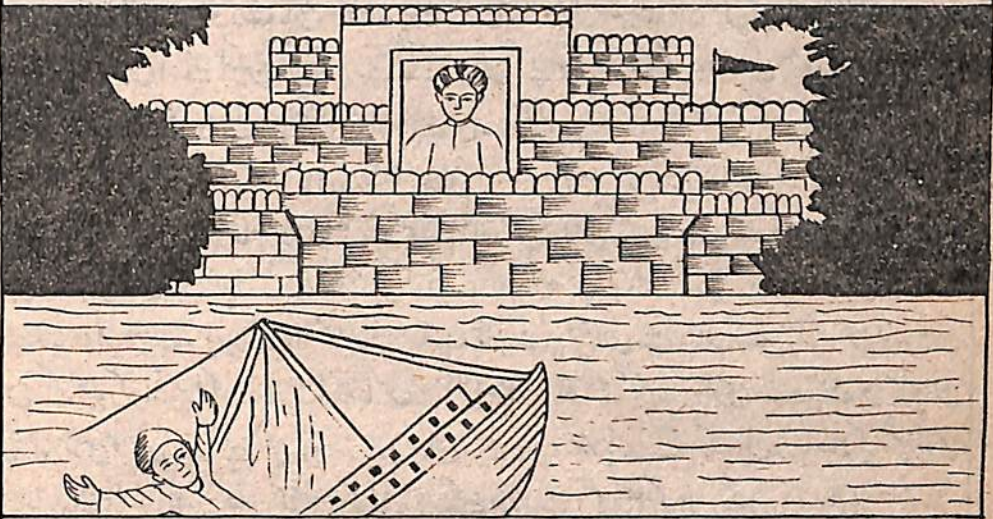
مرزبان نے شہزادے کو دیکھا تو دل میں دعا کرنے لگا کہ خداوند میری محنت بار ور ہو۔ اور وہی شہزادہ نکلے جس کی مجھے جستجو ہے۔ سمندر میں گرنے کے صدمہ سے جب یہ لوگ بحال ہو گئے تو قمر الزماں دریافت حال کے لئے ان کے پاس آیا۔ اور سب سے خیر و عافیت دریافت کی مرزبان نے بڑی فصاحت و بلاغت سے گفتگو کی اور مرزبان نے اپنے سفر کے دلچسپ واقعات سنائے۔ قمر الزماں اس سے بہت خوش ہوا۔ پھر چلتے ہوئے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھایا۔ مرزبان دل میں خدا کا شکر ادا کرنے لگا۔ کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور منزل مقصود تک آپہنچا۔ شہزادے کو مرزبان کی باتیں ایسی پسند آئیں کہ اس نے اس کو وہیں ٹھہرالیا۔

چند روز میں مرزبان نے ملازموں کی زبانی سب واقعات معلوم کر لئے اور پوری تصدیق ہو گئی کہ یہ وہی شہزادہ ہے۔ جس کے لئے میری رضائی بہن دیوانی مشہور ہو گئی ہے۔ دوران قیام میں مرزبان نے قمر الزماں کو بہت عجیب و غریب حکایات سنائیں۔ اور آہستہ آہستہ اس کا اعتماد حاصل کر لیا۔ آخر ایک روز تنہائی میں شہزادی بدر البدور کا حال بیان کیا اور اس کی انگوٹھی کی تفصیلات بتائیں۔ قمر الزماں وفور شوق میں مرزبان سے لپٹ گیا اور شہزادی کی خیریت معلوم کی۔ اس نے بتایا کہ وہ آجکل دیوانگی کے

خیال سے محبوس ہے۔ اور ہر وقت تمہارے لئے بیقرار رہتی ہے۔ اسکے والد شاہ چین نے اعلان کردیا ہے کہ جو کوئی شہزادی کا علاج کریگا۔ میں اسکے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کردونگا اور اپنا وارث سلطنت بھی بنادونگا قمر الزماں اپنی محبوبہ کی خبر معلوم کرکے بیحد مسرور ہوا۔ اسکی ہر وقت کی پژمردگی جاتی رہی۔ زندگی کے لئے نئے نئے ولولے پیدا ہوگئے۔ شاہ زماں اصل واقعات سے بیخبر تھا کہ اس مسافر کی آمد نے لڑکے کی کایا پلٹ دی۔ چنانچہ وہ مرزبان کا پہلے سے بھی زیادہ خیال کرنے لگا تھا۔

ایک روز مرزبان نے قمر الزماں سے کہا کہ چین چلنے کی فکر کیجئے ورنہ بدر البدور زندہ نہیں ملے گی۔ شہزادہ یہ سنکر کہنے لگا کہ مجھے خود ایک ایک لمحہ بھاری ہو رہا ہے لیکن ڈرتا ہوں کہ والد اجازت نہیں دیں گے۔ تم ہی بتاؤ کیا کروں۔ مرزبان نے کہا۔ کہ آپ یہاں سے سیر و شکار کے بہانہ نکل چلئے ہمراہیوں کو راستہ میں چھوڑ دیں گے اور ہم دونوں چین روانہ ہوجائیں گے۔ راہ میں کچھ ایسے نشانات پیدا کردیں گے کہ تلاش کرنیوالے سمجھیں کہ ہم کسی درندے کا شکار ہوگئے ہیں۔ قمر الزماں نے اس تجویز کو پسند کیا۔ اور والد سے شکار کی اجازت لیکر شہر سے روانہ ہوگیا۔ جنگل میں پہلے سے چند باد پا گھوڑوں کا انتظام کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ موقع دیکھ کر شاہزادہ اور مرزبان ملازمین سے الگ ہوکر چین کیطرف چلدیئے۔ راستہ میں ایک فاضل گھوڑے کو ذبح کرکے اپنے چند کپڑے اس کے خون میں ترکرکے ڈالدیئے۔ گھوڑے کو دور ایک جگہ چھپا دیا۔ تاکہ تعاقب کرنیوالے مایوس ہوکر لوٹ جائیں۔ یہ دونوں منزل بمنزل تیزی سے آگے بڑھتے رہے۔ شوق چاہتا کہ پر لگا کر اڑجائیں۔ غرض طویل اور تھکا دینے والا سفر ختم ہوا اور قمر الزماں مرزبان کیساتھ چین پہنچ گیا۔ قمر الزماں بیتاب تھا۔ ابھی محبوبہ تک جا پہنچوں۔ لیکن مرزبان نے سمجھایا کہ ہم کو کام قاعدے سے کرنا چاہیئے۔ تاکہ کوئی الجھن پیدا نہ ہو۔ پہلے میں بدر البدور کو اطلاع بھیجتا ہوں کہ شہزادہ آگیا۔ پھر آپ طبیب بن کر اسکا علاج کرنے جایئے۔ وہ تندرست ہوجائیگی اور بادشاہ حسب وعدہ آپ سے عقد کردیگا۔ اسمیں ہزاروں خدشوں سے بچ جائیں گے اور مقصود حاصل ہوجائے گا۔ قمر الزماں نے کہا بہتر ہے جس طرح تم کہوگے کرونگا۔ قمر الزماں کو ایک آرام دہ سرائے میں ٹھہرا کر مرزبان اپنے گھر گیا۔ اور ماں سے کہا۔ کہ آپ بہن سے جاکر کہدیجئے کہ میں آپکے شاہزادے کو لے آیا ہوں اور خدا کا شکر ہے کہ اپنی بہن سے سرخرو ہوں۔ کل اسکو بشکل حکیم بھیجوں گا تم تندرست ہوجانا۔ بطور نشانی وہ تمہارے پاس تمہاری انگوٹھی بھیجے گا دریچہ سے اسکو دیکھ کر مزید اطمینان کرلینا۔ پھر خدا چاہے بادشاہ حسب منشا نکاح کردیگا۔

دایہ نے جاکر یہ خوشخبری بدر البدور کو سنائی وہ نہال ہوگئی اور اسیوقت سر بسجود ہوکر خداوند کریم کا شکریہ ادا کیا۔ دوسرے روز حسب تجویز قمر الزماں طبیب بنکر محل شاہی پر پہنچا اور اطلاع کرائی کہ میں شہزادی کا علاج کرنا چاہتا ہوں۔ افسران محلات نے اس کی نوعمری اور خوبصورتی دیکھ کر سمجھایا۔ کہ صاحبزادے کیوں اپنی زندگی سے بیزار ہو۔ بہت سے بڑے بڑے طبیب آئے اور اسی حسرت میں قتل کردیئے گئے۔ مجھے تمہارے حسن و جوانی پر رحم آتا ہے۔ برائے خدا واپس چلے جاؤ۔ اور اس خیال خام کو

چھوڑ دو۔ لیکن شہزادہ مصر رہا۔ مجبور ہو کر افسر متعلقہ نے وزیر اعظم اور شاہ چین کو اطلاع دی۔ کہ ایک نو عمر حکیم آیا ہے

قمر الزماں طبیب کی صورت میں

اور شہزادی کا علاج کرنا چاہتا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بلاؤ قمر الزماں کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ شاہ چین نے کہا کہ تم نے کل شرائط علاج معلوم کر لی ہیں؟ شاہزادے نے کہا جی ہاں۔ اگر میں ناکام رہا تو شوق سے آپ مجھے قتل کرا دیں۔ بادشاہ نے کہا کہ تم بہت ہی کم عمر طبیب ہو۔ میں مشورہ دیتا ہوں کہ کل تک اور غور کر لو۔ قمر الزماں نے کہا کہ یہ آپ کی مہربانی ہے جو مجھے نصیحت فرماتے ہیں۔ لیکن میں جو فیصلہ کر چکا ہوں وہ بدل نہیں سکتا۔ شاہ چین نے کہا کہ اچھا تمہاری مرضی۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔ پھر وہ قمر الزماں کو لیکر اس جگہ آیا۔ جہاں شاہزادی مقید تھی اور ایک کمرے میں بٹھا کر خود بدر البدورا کی حالت دیکھنے اندر گیا اسوقت شاہزادی بہت سخت دورے میں مبتلا تھی۔ جو قریب جاتا۔ اسکو مارنے پیٹنے دوڑتی۔ باپ کو دیکھ کر بھی کوئی پرواہ نہ کی۔ بلکہ ناراض ہو کر کہنے لگی کہ اس بوڑھے کو یہاں سے نکال دو۔ بادشاہ نے بڑی محبت سے کہا کہ بیٹی تیرے علاج کے لئے ایک نوجوان طبیب آیا ہے۔ بدر البدورا سخت جوش کی حالت میں اٹھ کر کھڑی ہوئی اور چلانے لگی۔ کہ وہ کون ہے۔ اور کیوں میرا علاج کرنا چاہتا ہے۔ میں اس کو بھی قتل کر دوں گی۔ پھر کچھ خاموش رہ کر بولی کہ اچھا بلاؤ۔ اور اس سے کہو کہ میرا علاج کرے۔ بادشاہ نے باہر آکر شاہزادے سے کہا۔ چلو اور مریضہ کو دیکھو۔ اس نے کہا کہ دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں میں یہ لفافہ دیتا ہوں۔ آپ شاہزادی کو دیکر تھوڑی دیر کے لئے تنہا چھوڑ دیجئے۔ اس میں ایک عمل نایاب ہے اور مجھے یقین ہے کہ ابھی شاہزادی تندرست ہو جائے گی۔ بادشاہ اس نئے طبیب کا عزم و یقین دیکھکر بہت متعجب ہوا اور کہنے لگا کہ ممکن ہے۔ یہ کوئی بڑا عامل ہو۔ اسلئے اس کو اپنے اوپر اتنا اعتماد ہے اس عرصہ میں بدر البدورا نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا اور شاہزادے کو پہچان لیا کہ وہ یہی

نوجوان ہے۔ جو چند لمحے میرے پاس رہا تھا لیکن دل پر اپنا نقش دوام چھوڑ گیا۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنا ضبط قائم رکھا۔ اتنے میں بادشاہ وہ لفافہ لیکر اندر آیا اور شاہزادی کے ہاتھ میں دیکر کہا کہ ہم سب باہر جاتے ہیں تم اس کو کھول کر دیکھو پھر معہ خواصوں کے باہر چلا آیا۔ شاہزادی نے بڑے شوق سے لفافہ کھولا۔ اسمیں وہ انگوٹھی جو شب ملاقات میں بدرالبدور نے پہن رکھی تھی اور ایک اسمیں خط تھا۔ جس میں اشتیاق ملاقات کے بعد لکھا تھا کہ تمہیں کسطرح اپنے تندرست ہونیکا ثبوت دینا چاہئے۔ خط پڑھ کر شاہزادی نے چاک کردیا اور خود پورے سکون کے ساتھ باپ کی آمد کے انتظار میں بیٹھ گئی۔ قمرالزماں نے یہ اندازہ کر کے کہ شہزادی نے خط پڑھ لیا ہوگا اور اپنا سکون بھی بحال کر چکی ہوگی۔ بادشاہ سے کہا کہ آپ اندر جائیے اور مجھے شہزادی کی حالت بتائیے۔ شاہ چین نے عجب امید وبیم کی حالت میں کمرے کے اندر قدم رکھا۔ بدرالبدور فوراً کھڑی ہوگئی۔ باپ سے جھک کر سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر باپ سے پوچھا کہ کس جرم میں آپ نے میرے بیڑیاں ڈالدیں۔ شاہ نے بڑھ کر بیٹی کو سینے سے لگایا۔ وہ دیر تک باپ سے لگی ہوئی روتی رہی۔ اور اپنی پچھلی بدعنوانیوں کی معافی چاہتی رہی۔ وفور مسرت سے شاہ چین بھی زار زار رو رہا تھا۔ اسیوقت ملکہ آگئی اور اپنی بیٹی کو تندرست پاکر بیحد خوش ہوئی۔ دیر تک بیٹی کی پیشانی کو چومتی رہی۔ بادشاہ باہر آیا اور قمرالزماں کو چھاتی سے لگا کر مبارکباد دی کہ بیشک تمہاری تدبیر سے شاہزادی تندرست ہوگئی اور میں حسب وعدہ اسکی شادی تم سے کردونگا اور اپنی سلطنت کا وارث بھی تم ہی کو بناؤں گا سارے شہر میں اس واقعہ کی شہرت ہوگئی۔ ہزاروں آدمی قمرالزماں کو دیکھنے کیلئے جمع ہوگئے۔

دو تین روز جشن مسرت ہوتا رہا۔ ایک روز شاہ نے قمرالزماں سے اسکا حسب نسب دریافت کیا اس نے بتایا کہ میں چیدان جزیرے کے بادشاہ کا بیٹا ہوں اور گھومتا پھرتا ادھر آنکلا تھا۔ بادشاہ کو یہ معلوم کر کے اور مسرت ہوئی کہ ہونیوالا داماد ایک شاہزادہ ہے اور ہر طرح میرا جانشین بننے کا اہل۔ ایک روز نیک ساعت میں قمرالزماں کی شادی بدرالبدور سے ہوگئی۔ اور برسوں کے آفت دیدہ شب کو ایک جگہ ہوگئے دفتر حکایت شکایت کھل گئے۔ قمرالزماں بار بار شہزادی کو سینہ سے لگاتا لیکن سیری نہ ہوتی پھر دونوں نے آرام کیا۔

اسی طرح رہتے سہتے ایک سال گذر گیا۔ اور ایک شب قمرالزماں نے خواب میں والد کو دیکھا کہ رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں بیٹا کیا میں تمہاری طرف سے اسی سلوک کا مستحق تھا۔ قمرالزماں کی آنکھ کھل گئی اور والد کی یاد نے اُسے بیقرار اور حزیں کردیا۔

بدرالبدور سے بھی اپنے خواب کا حال بیان کیا اور کہا کہ اب میں اپنے باپ کو دیکھنا چاہتا ہوں تم شہنشاہ سے اجازت لے لو۔ غرض دونوں بادشاہ کے پاس گئے اور شاہ چین سے اجازت لے کر مع بدرالبدور کے چیدان کیطرف روانہ ہوا۔ شاہ چین نے چلتے چلتے تقاضا کردیا کہ ایک سال سے زیادہ نہ ٹھہرنا۔ میرا بھی وقت آخر ہے اور چاہتا ہوں کہ اپنے سامنے ہی تمہارے سر پر تاج رکھدوں۔ قمرالزماں اپنے خسر سے رخصت ہوکر منزل بمنزل بڑے تزک واحتشام سے روانہ ہوا۔ ایک ماہ تک دونوں بغیر کسی خاص

واقعہ کے سفر کرتے رہے۔ اتفاقاً اسی درمیان میں بدرالبدورا کی طبیعت خراب ہوگئی اور کچھ روز مجبوراً قیام کرنا پڑا جب بدرالبدورا کی صحت بہتر ہوئی اور امید ہوئی کہ دو چار روز بعد سفر شروع ہو جائیگا۔ شہزادی پلنگ پر پڑی تھی اور قمرالزماں پاس بیٹھا گفتگو کر رہا تھا۔

شہزادی کی آنکھ لگ گئی۔ قمرالزماں بھی اس کے برابر سونے کیلئے لیٹا تو اس کی نظر بدرالبدورا کی کمر پر پڑی۔ اس میں ایک زرلفت کا بٹوا تھا جو اس سے پہلے کبھی اس نے نہیں دیکھا تھا۔ آہستگی سے کھولا تو اس میں ایک تختی نکلی جس پر کچھ عجیب سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ شہزادے نے خیال کیا کہ کوئی طلسمی تختی ہے۔ وہ اسکو واپس ہی رکھنا چاہتا تھا کہ جانور نے جھپٹا مارا اور وہ تختی لے لی اور اڑ گیا۔ قمرالزماں تیر و کمان لیکر اٹھا اور پرندہ کو تلاش کرتا ہوا دور تک نکل گیا۔ جانور ایک درخت سے اڑتا اور دوسرے پر بیٹھ جاتا۔ اسی طرح شاہزادہ شام تک اس کا پیچھا کرتا رہا اور شام ہو جانے پر گھبرایا کہ معلوم نہیں کہاں تک نکل آیا ہوں۔ مجبور ہو کر اندازاً ایک سمت چلا۔ لیکن رات کا بڑا حصہ سفر میں گذارنے کے باوجود اس جگہ تک نہ پہنچ سکا جہاں اسکا پڑاؤ تھا۔ باقی رات ایک درخت پر گذاری اور صبح کو اٹھ کر پھر آگے چلدیا۔ سات دن رات سفر کے بعد اسے دور سے ایک شہر نظر آیا چنانچہ اُدھر روانہ ہوا لیکن راہ میں پیاس کی شدت سے پریشان ہو کر ایک باغ میں آیا تاکہ پانی پیئے۔ وہاں مالی اس کو دیکھ کر قریب آیا اور پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو۔ قمرالزماں نے اپنا حال بیان کیا۔ مالی کہنے لگا کہ خدا کا شکر کرو کہ تم شہر میں نہیں گئے۔ ورنہ وہاں سے زندہ نہ آتے۔ اس شہر کے رہنے والے شیطان پرست ہیں۔ اگر تمہیں دیکھ کر مسلمان سمجھ لیتے تو اسی وقت قتل کر دیتے اب تم باغ سے باہر نہ نکلنا۔ میں تمہارے آگے جانے کا کوئی انتظام سوچوں گا۔ یہاں جزیرہ آبونی سے جہاز آتے ہیں ان میں تم آبونی چلے جانا۔ وہاں سے آگے جانا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ شاہزادہ مالی کے پاس رہنے لگا اور جہازوں کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ اوقات فرصت میں باغ کی دیکھ بھال کر لیتا اور اس طرح بے چین دل کو بہلاتا۔

بدرالبدورا جو سو کر اٹھی تو دیکھا شاہزادہ نہیں ہے۔ اوّل تو وہ خیال کرتی رہی کہ کہیں قریب ہی شکار وغیرہ کو گئے ہونگے۔ جب رات تک وہ واپس نہ آیا تو وہ بہت پریشان ہوئی۔ لیکن پڑھی لکھی اور سمجھدار عورت تھی ہمراہی ملازمین کو یہ معلوم نہیں ہونے دیا۔ کہ شاہزادہ لاپتہ ہو گیا ہے۔ دور دراز کنیزوں کی معرفت ادھر اُدھر تلاش بھی کیا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ وہ خود قمرالزماں کا لباس پہنکر اور ایک کنیز کو اپنی جگہ شاہزادی بنا کر آگے روانہ ہوئی اور بہت کافی سفر کر کے جزیرہ آبونی میں آپہنچی۔ شاہ آبونی کو جب قمرالزماں کی آمد کی خبر ملی تو وہ خود استقبال کو گیا۔ بڑی خاطر و عزت سے لاکر اپنے قصر میں ٹھہرایا۔ بدرالبدورا نے وہاں رہ کر بھی پوشیدہ پوشیدہ قمرالزماں کو تلاش کرایا لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ آخر اس نے جزیرہ چیدان جانیکا ارادہ کیا اور شاہ آبونی سے شکریہ لوازم مہمانی کے بعد اجازت چاہی۔ بوڑھا بادشاہ آبدیدہ ہو گیا اور کہنے لگا۔ کہ عزیز من میرے اور تمہارے والد کے بہت پرانے مراسم ہیں اور میں ان کو اپنا بھائی سمجھتا ہوں

میرے یہاں ایک لڑکی کے سوا کوئی اولاد نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی شادی بھی تم سے کر دوں اور جزیرہ آبونی کی حکومت تم ہی اپنے ہاتھ میں لے لو۔ بدرالبدورا یہ تجویز سنکر بہت پریشان ہوئی کہ اب کیا کروں۔ آخر ایک روز کی مہلت لی۔ شب کو خاص راز دار کنیزوں سے مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ عقد کر لینا چاہیئے۔ آگے جو خدا کو منظور ہوگا پیش آئے گا۔ اگلے روز شاہ آبونی سے کہا کہ مجھے تعمیل ارشاد میں کوئی عذر نہیں ہے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور ایک روز اسکا عقد اپنی لڑکی سے کر دیا اور اسی وقت قمرالزماں کو اپنا ولی عہد بنانے کا بھی اعلان کر دیا۔ تمام امرار وزرار سے حلف وفاداری بھی لے لیا۔ اور کاروبار سلطنت کا زیادہ تر انتظام بدرالبدورا کے سپرد کر کے اپنا وقت عبادت الٰہی میں گذارنے کا ارادہ کر لیا۔ شب عروسی میں بدرالبدورا جب شاہ آبونی کی لڑکی حیات النفس کے پاس پہنچی تو دل ہی دل میں دعا کرتی رہی تو ہی آبرو کا رکھنے والا ہے۔ تنہائی ہو جانے پر اس نے نماز کی نیت باندھ لی اور برابر نماز پڑھتی رہی۔ حیات النفس بیچاری تنگ آکر سو گئی۔ جب اطمینان ہو گیا کہ شاہزادی سو چکی ہے تو بدرالبدورا بھی اس کے پاس ایکطرف لیٹ کر سو گئی۔ صبح کو اٹھ کر غسل کیا اور باہر چلی گئی۔ حیات النفس کی ہم جلیسوں سے جب گفتگو ہوئی تو اس نے کل واقعہ بتا دیا۔ وہ سب بہت متحیر ہوئیں۔ جب بات شہزادی کی والدہ تک پہنچی تو اس نے کہا آج اور دیکھو کہ وہ پھر بے اعتنائی کرتا ہے یا اتفاقاً کل کوئی بات چیت نہیں کی۔ دوسری رات کو پھر بدرالبدورا نے پھر نماز کی نیت باندھ لی اور اسوقت تک نماز پڑھتی رہی جب تک کہ حیات النفس نہ سو گئی پھر خود بھی سو گئی۔ صبح کو حسب معمول غسل کیا اور باہر چلی گئی۔ صبح کو ماں نے دریافت کرایا تو معلوم ہوا کہ قمرالزماں نے آج بھی کوئی گفتگو نہیں کی۔ بلکہ جب تک حیات النفس جاگتی رہی آپ نماز پڑھتا رہا۔ اور جب وہ سو گئی تو خود بھی سو گیا۔ حیات النفس کی والدہ کو بہت ناگوار گذرا کہ داماد میری لڑکی سے گفتگو تک بھی نہیں کرتا۔ اس کی پہلی بیوی شہزادی چین نے منع کر دیا ہوگا اور شہزادی چین کو ہی زیادہ چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے حیات النفس سے کہدیا کہ اگر تمہارا شوہر آج بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے تو اس سے کہنا کہ اگر تمہیں اسکی خاطرداری منظور نہ تھی تو نکاح ہی کیوں کیا تھا مردانہ وار جواب دینا۔ رات کو بدرالبدورا قمرالزماں بنی ہوئی حجلۂ عروسی میں آئی۔ تو روز کی طرح نماز کی نیت باندھ لی۔ حیات النفس دیر تک انتظار کرتی رہی آخر ایک مرتبہ اس نے اپنے شوہر کو مخاطب کر کے کہا کہ پہلے آپ میری تھوڑی سی عرض سن لیجئے۔ بدرالبدورا سمجھ گئی کہ آج راز فاش ہو کر رہیگا۔ چنانچہ متوجہ ہو کر بولی۔ کہو۔ حیات النفس کو جو کچھ ماں نے کہا تھا۔ کہدیا اور بولی کہ میں نہیں چاہتی کہ کوئی تکلیف ہو۔ لیکن یہ ضرور معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ آپ مجھ سے گفتگو کیوں نہیں کرتے۔ بدرالبدورا نے کہا کہ اگر تم معلوم ہی کرنا چاہتی ہو تو دیکھو۔ یہ کہہ کر اپنا مردانہ لباس اتار دیا۔ اب جو حیات النفس نے دیکھا تو وہ ایک حسین وجمیل شہزادی تھی۔ بدرالبدورا نے اس کو متحیر دیکھ کر اپنا سارا واقعہ سنا دیا اور کہا کہ جب شہزادہ مل جائیگا تو میں بخوشی اس کے ساتھ تمہاری شادی کر دوں گی۔ آج سے تم میری بہن ہو۔ حیات النفس نے اٹھ کر اس کو چھاتی سے لگایا۔ پھر کہنے لگی کہ بہن اگر تم پہلی ہی

شب کو مجھے یہ بات بتادیتیں۔ تو معاملہ اتنا کیوں بڑھتا۔ خیر تم اطمینان رکھو تمہارا راز میرے سینے میں محفوظ رہیگا۔ اسکے بعد دونوں ایک ہی پلنگ پر لیٹ کر سوگئیں۔ بدرالبدور اصبح کو حسب معمول مردانہ لباس پہنکر باہر چلی گئی اور حیات النفس نے ماں کو یہ کہکر تسلی دیدی کہ وہ دراصل آجکل کوئی وظیفہ پڑھ رہے ہیں اسلئے گفتگو اور توجہ نہیں کرسکے اور اب مجھے ان کی طرف سے کوئی شکایت نہیں ہے یہاں سب اطمینان سے رہ رہے ہیں۔ اُدھر قمرالزماں بڈھے مالی کے باغ میں تھا۔ ایک روز مالی کہنے لگا کہ جزیرہ آبونی سے جہاز آیا ہے میں دیکھتا ہوں۔ اگر ممکن ہوا تو تمہارے جانے کا انتظام کردونگا بڈھا مالی اُدھر گیا یہاں قمرالزماں اداس بیٹھا تھا کہ سامنے کے درخت پر ایک جانور آکر بیٹھا ابھی وہ دم بھی نہ لینے پایا تھا کہ دوسرے شکاری جانور نے اس کو دبوچ لیا اور پنجے مار کر اس کا پیٹ چاک کرڈالا۔ جب شکاری جانور نے اسکا پیٹ چیرا تو اس میں سے ایک چیز نیچے گری شہزادے نے اٹھکر دیکھا تو وہی طلسمی تختی تھی جسکے لئے اپنی شہزادی سے چھوٹنا پڑا تھا۔ اس نے اسکو فوراً اٹھالیا اور دھوکر احتیاط سے اپنے پاس رکھ لیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ فال نیک ہے۔ تختی مجھے مل گئی ہے تو انشاء اللہ بدرالبدور بھی مل جائیگی۔ کیونکہ جب تک یہ تختی ہمارے پاس تھی تو ہم بھی ایک جگہ تھے اور جب سے اس کو جانور لے گیا تھا ہم بھی جدا ہو گئے ہیں۔ قمرالزماں ان ہی خیالات میں غلطاں و پیچاں بیٹھا تھا کہ بوڑھا مالی واپس آگیا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے تمہارے لئے جہاز میں جگہ کا انتظام کردیا ہے۔ پرسوں جہاز روانہ ہوگا۔ تم بھی سوار ہو کر چلے جانا۔ شاہزادے نے خدا کا شکر ادا کیا اور دعا کی کہ اے جامع المتفرقین ہمیں جلد ملادے۔ اگلے روز اٹھکر دونوں حسب معمول اپنے اپنے کام میں لگ گئے قمرالزماں ایک سوکھے ہوئے درخت کو کاٹ کر گرا رہا تھا جسوقت درخت گرا اور جڑ کی مٹی ادھر ادھر ہٹی تو وہاں ایک دروازے کے آثار معلوم ہوئے تو شہزادے نے تھوڑی سی مٹی اور صاف کی تو ایک تہ خانے کا دروازہ نکل آیا۔ کواڑ کھول کر اندر گیا تو پچاس اشرفیوں سے بھری ہوئی دیگیں نظر آئیں۔ وہ بھاگ کر مالی کے پاس آیا اور واقعہ بتا کر دیگیں دکھائیں۔ مالی نے کہا کہ بیٹا یہ تمہاری تقدیر کا مال ہے۔ اپنے ساتھ لیجاؤ۔ میں پچاس ساٹھ سال سے اس باغ میں کام کرتا ہوں۔ آجتک اسکا پتہ نہیں چلا شہزادے نے اصرار کیا کہ نہیں میں تنہا اسکو ہرگز نہیں لونگا۔ بڑی مشکل سے نصف نصف کا فیصلہ ہوگیا قمرالزماں نے آدھی دیگوں کو اشرفیوں سے بھرا اور اوپر سے روغن زیتون ڈالدیا تاکہ شبہ نہ ہو۔ آخری دیگ میں وہ طلسمی تختی بھی خیال سے رکھ کر سب دیگوں کے منہ بند کردیئے۔ اور جہاز پر لدوادیا۔ اتفاقاً شام کو مالی بیمار ہوگیا قمرالزماں شب بھر اس کی تیمارداری کرتا رہا۔ صبح کو بھی اس کی دیکھ بھال میں دیر ہوگئی اور جب ساحل پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ جہاز انتظار کرکے روانہ ہوگیا۔ بیچارہ روتا پیٹتا واپس آگیا۔ یہاں آیا تو مالی کی حالت برابر پرزور خراب ہوتی گئی حتیٰ کہ تیسرے چوتھے روز اسکا انتقال ہوگیا اور قمرالزماں بالکل تنہا رہ گیا روپیہ پیسے کی کوئی کمی نہ تھی۔ باغ کے مالک سے ملکر ایک سال کے لئے اور ٹھیکے پر لے لیا اور وہیں رہنے لگا۔

کہ جب کوئی دوسرا جہاز آئیگا تو یہاں سے چلا جاؤنگا۔ جہاز شاہزادے کو چھوڑ کر آبونی آتا تو ساحل بحر پر آ کر کسی نہ کسی بہانے قمر الزماں کو تلاش کرتی کیونکہ اسکو معلوم ہو چکا تھا کہ جیدان جانیکا راستہ اسی طرف ہوکر ہے۔ قمر الزماں کا مال لیکر جب جہاز آبونی پہنچا تو بدر البدور ساحل پر موجود تھی۔ وہاں اس نے مختلف مال خریدا اس میں روغن زیتون کی دیگیں بھی تھیں۔ جہاز کے کپتان نے کہا کہ یہ ایک شخص کا مال ہے جو سوار نہ ہو سکا۔ جب ہم واپس اس جزیرے میں جائیں گے تو اسکا روپیہ ادا کر دیں گے۔ اور سامان اٹھوا کر شاہزادی مایوس لوٹ آئی۔ قیام گاہ پر لوٹ کر جب دیگیں کھلوائیں ان میں وہ طلسمی تختی بھی نکلی۔ جو قمر الزماں کے ساتھ ہی کھو گئی تھی۔ تختی کو دیکھتے ہی شہزادی قریب تھا کہ فرط مسرت سے بیہوش ہو جائے بمشکل ضبط کیا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ کپتان جہاز کو یہاں لا کر حاضر کرو۔ فوراً کپتان کو لایا گیا۔ اس سے بدر البدور ا نے کہا کہ جس شخص کا روغن زیتون لائے ہو اس پر ہمارا بہت بھاری قرضہ ہے تم اسی وقت اس جزیرے میں واپس جاؤ اور اس شخص کو اپنے ساتھ لیکر آؤ جس نے یہ تیل بار کرایا تھا اور جبتک تم واپس نہ آؤگے تمہارا جہاز بطور ضمانت ہمارے پاس رہیگا۔ کپتان جہاز ایک بڑی کشتی لیکر ادھر روانہ ہو گیا۔ بدر البدورا نے تنہائی میں حیات النفس کو کل واقعہ سنایا اور کہا انشاء اللہ اب میرے عزیز شوہر اور اصلی قمر الزماں آنے والے ہیں۔

کپتان کشتی لیکر جزیرے میں واپس آیا اور باغ میں پہنچکر قمر الزماں سے ملا اور کہنے لگا کہ چلئے آپ کے مال کی بہت اچھی قیمت مل رہی ہے۔ اور میں آپکو لینے آیا ہوں۔ قمر الزماں بہت خوش ہوا اور باقی نصف خزانہ بھی ساتھ لیکر کشتی میں سوار ہو گیا۔ جب کشتی اس جزیرے کے حدود سے نکل گئی تو کپتان نے اصل قصہ بتایا کہ شاہ آبونی نے تم کو گرفتار کر کے بلایا ہے۔ تم پر اسکا کوئی قرض ہے۔ شاہزادے نے کہا کہ میں نے آجتک شاہ آبونی کی صورت نہیں دیکھی قرض کیسا۔ کپتان نے کہا کہ مجھے کچھ نہیں معلوم تمہیں وہیں چلکر سب بتا دیا جائیگا۔ اس پریشانی میں یہ لوگ آبونی پہنچے۔ کپتان نے قمر الزماں کو پیش کیا۔ شاہزادی نے اس کو بہت کچھ انعام دیکر رخصت کر دیا اور خواجہ سرا کو حکم دیا کہ اس شخص کو غسل کرا کے کپڑے عمدہ پہناؤ۔ اور فلاں کمرے میں بٹھاؤ۔ خواجہ سرا قمر الزماں کو حمام میں لے گیا اور وہاں نہا دھو کر شاہزادے نے لباس تبدیل کیا اور ایک کمرے میں بیٹھ گیا۔ لیکن سخت حیران تھا کہ آخر میں کیوں بلایا گیا اور اب یہ کیا ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں بدر البدورا آئی اور وہی طلسمی تختی دکھا کر کہنے لگی کہ یہ کیا ہے اس کا مفصل حال بیان کرو۔ قمر الزماں نے اسکو دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو کیونکر یہ تختی ملی۔ بدر البدورا نے کہا کہ پہلے تم اسکی کیفیت بیان کرو۔ یہاں جواب دینے کیلئے بلائے گئے ہو سوال کرنے کیلئے نہیں قمر الزماں نے ایک آہ سرد بھر کر کل واقعہ بیان کیا اور کہنے لگا کہ جس روز سے میں نے اس تختی کو دیکھا ہے اپنی جان سے پیاری بیگم کو نہیں دیکھ سکا۔ بدر البدورا نے پوچھا کہ اتنی مدت گذر جانے پر بھی تم اپنی بیوی کو نہیں بھولے۔ کیا وہ بہت خوبصورت ہے۔ قمر الزماں نے کہا۔ حضور وہ میری زندگی ہے۔ پہلے خود ہر وقت وہ میرے پاس

رہتی تھی۔ اب اس کی یاد رہتی ہے۔ ان دونوں سے الگ ہو کر میں اپنا قصور بھی نہیں کر سکا۔ بدرالبدورا کو یقین ہو گیا کہ شاہزادہ اب بھی اس کو اتنا ہی پیار کرتا ہے۔ جتنا پہلے کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے کو ظاہر کر دیا اور قمرالزماں کی چھاتی سے لپٹ کر دیر تک روتی رہی۔ پھر دونوں نے اطمینان سے بیٹھ کر اپنی اپنی سرگذشت سنائی اور تمام رات راز و نیاز میں گذر گئی۔ صبح کو شاہ آبونی اور تو دیکھا کہ ایک بہت شکیل مرد اور ایک خاتون بیٹھی ہیں۔ تعجب سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر دریافت کیا قمرالزماں کہاں گئے۔ بدرالبدورا کھڑی ہوئی اور تمام واقعات شروع سے آخر تک بیان کر کے شاہ آبونی سے کہا کہ آپ میرے شوہر نامدار شاہزادہ قمرالزماں ہیں۔ اب آپ دوبارہ میری پیاری بہن حیات النفس کی شادی ان سے کر دیں۔ تمام قصہ سن کر بادشاہ بہت حیران ہوا اور دوبارہ شادی کر کے وہیں رہنے لگا۔ شاہ آبونی نے تاج و تخت قمرالزماں کے حوالہ کر دیا اور خود عبادت میں مصروف ہو گیا۔ ایک سال کے بعد دونوں شہزادیوں کے یہاں لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام امجد اور دوسرے کا اسد رکھا گیا۔ بچوں نے جب ہوش سنبھالا تو تعلیم کے لئے بہترین استاد مقرر کر دیئے گئے اسطرح عیش و عشرت میں بیس سال کی طویل مدت گذر گئی۔ امجد و اسد تعلیم و تربیت حاصل کر کے نہایت قابل شاہزادے بنے۔ دونوں بھائیوں میں اس درجہ محبت تھی۔ کہ دونوں نے اس پر عمل کیا تھا۔ حیات النفس اور بدرالبدورا میں بھی بہنوں کی سی محبت تھی اور ایک دوسرے کی اولاد پر اپنی جان چھڑکتی تھیں۔ غرض یہ عرصہ ایسے راحت و آرام سے گذرا کہ زندگی میں کسی وقت ادنیٰ سا تبدل بھی نہیں آیا مگر زندگی کی دھارا ہمیشہ سیدھی نہیں بہتی۔ اس میں پیچ و خم ضرور آتے ہیں۔ اتنی مدت گذر جانے کے بعد دونوں شہزادیوں کے دل میں فرق آ گیا اور ہر ایک کی یہ خواہش ہوئی کہ میرا بیٹا ولیعہد بنے۔ دونوں نے اپنے اپنے لڑکوں کو سوتیلی ماں کیطرف سے بدظن کرنے کی کوشش کی۔ لیکن امجد اور اسد نے عہد کر رکھا تھا کہ ہم ایک دوسرے سے راز نہیں چھپائیں گے۔ چنانچہ وہ آپس میں تبادلہ خیال کر لیتے تھے جسکا نتیجہ یہ نکلتا کہ ان کی طبیعتیں آپسمیں صاف رہتیں۔ اور دونوں شہزادیاں جو کچھ کہتیں بیکار تھا۔ بڑھتے بڑھتے دونوں ماؤں کا حسد آخر کار اتنا بڑھ گیا کہ ہر ایک دوسری کے لڑکے کو ختم کرانے کے درپے ہو گئی قمرالزماں باہر گیا ہوا تھا۔ ایک ایک دن امجد و اسد کاروبار حکومت دیکھتے اور شام کو ملکر تمام دن کی مصروفیات پر تنقید و تبصرہ کر لیتے ایک روز امجد محل میں آیا تو ایک کنیز نے حیات النفس کا خط لا کر دیا۔ امجد نے پڑھ کر غصہ میں کنیز کو قتل کرا دیا۔ دوسرے روز یہی واقعہ اسد کے ساتھ پیش آیا۔ اسکو بدرالبدورا کا خط لا کر دیا اس نے بھی لانے والی کنیز کو قتل کرا دیا شام کو دونوں نے اپنے اپنے خطوط ایک دوسرے کو دکھائے اور اپنی اپنی ماؤں کی ناقص العقلی پر بہت کڑھے شب کو دونوں نے اپنی اپنی والدہ کو تنبیہہ کی اور بتا دیا کہ اگر آپ دونوں کے حسد و کینہ کی یہی کیفیت رہی تو ہم والد سے کل صورت حال ظاہر کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

اسی دوران میں قمرالزماں واپس آ گیا۔ حیات النفس اور بدرالبدورا کی عقلوں پر ایسی پٹی بندھی ہوئی تھی کہ دونوں نے الگ الگ امجد و اسد پر الزام لگایا کہ وہ اپنی سوتیلی ماں پر بری نظر رکھتے

ہیں۔ قمرالزماں یہ سنکر غصہ میں لال ہوگیا۔ اور اس سے پہلے کہ تحقیق حال کرتا دونوں شہزادوں کے قتل کا حکم دیدیا اور ایک افسر کو مقرر کردیا کہ دونوں کو شہر سے باہر لیجا کر قتل کردے۔ دونوں بھائی گرفتار ہوگئے اور متعلقہ افسران کو بیرون شہر لاکر اور ایک جگہ بٹھا کر ان کو قتل کرنیکا ارادہ تھا کہ اسکا گھوڑا بدک کر بھاگا اور انہیں چھوڑ کر گھوڑے کو پکڑنے کیلئے بڑھا۔ وہیں کہیں کوئی شیر سو رہا تھا وہ اٹھ گیا اور افسر پر حملہ کرنے کیلئے دوڑا امجد نے جو یہ حال دیکھا تو تلوار کھینچ کر شیر کے مقابلہ میں آگیا۔ جوں ہی شیر قریب پہنچا۔ پوری صفائی سے ہاتھ مارا اور دو ٹکڑے کردیئے اتنے میں اسد گھوڑے کو پکڑ لایا۔ پھر دونوں بھائیوں نے تلوار اور گھوڑا اسکے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ آیئے اور اب آپ اپنا فرض پورا کیجیے۔

تصویر امجد کا شیر سے مقابلہ

افسر مذکور ہاتھ باندھ کر ان دونوں بھائیوں کے سامنے کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ حضور میں اتنا احسان فراموش نہیں کہ اب بھی آپ پر ہاتھ اٹھاؤں۔ اور مجھے یقین ہے کہ بادشاہ بھی کسی بھاری غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔ کہ آپ جیسے لائق اور شریف لڑکوں کے قتل کرنیکا حکم دیا ہے۔ آپ کسی دوسری جگہ چلے جایئے۔ اپنے کپڑے مجھے دیدیجیے۔ تاکہ شیر کے خون میں تر کر کے بادشاہ کو پیش کردوں۔ اور وہ یقین کرلیں کہ تعمیل ہوگئی مجھے یقین ہے کہ ایک وقت ایسا آئیگا جب بادشاہ کو پشیمانی ہوگی۔ آپ دونوں عزت و شان سے آکر جزیرہ آبونی پر حکومت کریں گے۔ دونوں شاہزادوں نے اپنے کپڑے افسر مذکور کو دیدیئے جس نے انہیں شیر کے خون سے تر کرا کے اپنے ساتھ لیا۔ اور اپنا گھوڑا اور جو کچھ اسکے پاس زر نقد موجود تھا امجد و اسد کو دیکر کہا کہ اب آپ یہاں سے روانہ ہوجایئے۔ دونوں بھائی توکل خدا ایک سمت چلدیئے۔ وہ افسر دونوں کی قمیصیں لیکر بادشاہ کے پاس آیا اور پیش کر کے چلا گیا۔ تنہائی میں دو جوان بیٹوں کے خون آلود قمیص

دیکھکر قمر الزماں اپنے فعل پر بہت پچھتایا اور ارادہ کر لیا کہ یہ کرتے بطور یادگار رکھ لوں گا۔ جب قمیصیں اٹھائیں تو انکی جیبوں میں سے کچھ کاغذات نکلے۔ قمر الزماں نے اٹھا لیے۔ یہ وہی خطوط تھے جو حیات النفس اور بدر البدورا نے امجد و اسد کو لکھے تھے۔ خطوط پڑھ کر قمر الزماں کو معلوم ہوا کہ دونوں بے قصور قتل کر دیئے گئے اور حقیقتاً دونوں شہزادیوں نے آپس کی جلن میں ایک دوسرے پر غلط الزامات لگائے تھے۔ اسوقت قمر الزماں بہت رویا جوان بیٹوں کا بلا وجہ قتل اور پھر ان کی سعادتمندی کہ اپنی سوتیلی ماؤں کا راز افشاں نہیں کیا۔ لیکن دونوں بیگموں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اور اطلاع کرا دی کہ تمہاری آپس کی دشمنی کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ میں نے دونوں شہزادوں کو قتل کرا دیا۔ اب زندگی بھر تم بھی روؤ اور میں بھی روؤں گا۔ جسوقت حیات النفس اور بدر البدورا کو معلوم ہوا کہ ہم دونوں کی شکایت کا یہ انجام ہوا کہ دونوں ہی اپنے اپنے لال کھو بیٹھیں۔ تو بہت روئیں اور دیوانوں جیسی کیفیت ہو گئی۔ ہر قسم کا راحت و آرام چھوڑ دیا اور اپنی حماقتوں اور غلطیوں کے احساس نے دونوں کو زندہ در گور بنا دیا۔ امجد و اسد افسر سے رخصت ہو کر ایک طرف چل دیئے۔ ایک ماہ تک مختلف جنگلوں اور پہاڑوں کو طے کرتے ہوئے ایک روز ایک پر فضا وادی میں پہنچے۔ جہاں پہاڑ سے پانی کے کئی چشمے نکل کر بہتے تھے۔ ہر طرف پھلدار درخت خودرو کھڑے تھے۔ دونوں بھائیوں نے کچھ پھل کھا کر چشموں کا سرد شیریں پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ چند روز کے لئے اسی وادی میں ٹھہر گئے۔ جب سفر کی تکان دور ہو گئی اور داہیں طرف کے پہاڑ سے دوسری طرف اترے وہاں ایک آباد و بارونق شہر نظر آیا اسد و امجد ہفتوں کی صحرانوردی سے تنگ آ چکے تھے اس لئے خوش خوش شہر کیطرف روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچے تو اسد نے بھائی سے کہا کہ نئے شہر میں دونوں کو ایک ساتھ نہیں جانا چاہیئے۔ خدا جانے کس قسم کے لوگ ہوں اور کیا سلوک کریں۔ پہلے ایک جا کر حالات معلوم کر آئے۔ پھر دوسرا بھی جائے۔ چنانچہ اسد نے امجد کو وہیں بٹھایا اور خود شہر کی طرف چلا۔ راستہ پوچھا تو ایک بوڑھا کہنے لگا کہ تم شاید یہاں نو وارد ہو۔ اسد نے کہا۔ ہاں میرا ایک ساتھی بھی ہے۔ میں کھانا لینے آیا ہوں بوڑھا بڑی شفقت سے بولا کہ آپ میرے ساتھ چلیئے میں آپ کو کل شہر کی سیر کرا دونگا۔ اسد اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ ایک مکان کے سامنے پہنچکر بوڑھے نے کہا کہ میرا غریب خانہ یہ ہے چند لمحہ بیٹھئے پھر بازار چلیں گے۔ اسد اسکے ساتھ اندر چلا گیا اندر جا کر اسے معلوم ہوا کہ میرے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔ بوڑھے نے دو قوی ہیکل جوانوں کی مدد سے اس کی مشکیں باندھ لیں اور ایک تہ خانہ میں بند کر کے اپنی لڑکیوں سے کہا کہ اسکی خوب اچھی طرح حفاظت کرو عنقریب اس کو اگنی دیوتا کے قربانگاہ پر نذر کیا جائے گا۔

اسد اپنی بے بسی پر بہت رویا اور خدا سے دعا کرتا رہا کہ وہ اس مصیبت سے نجات عطا فرمائے۔ امجد بڑی دیر تک اسد کی واپسی کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ نہ پہنچا تو خود اس کی تلاش میں نکلا شہر میں پہنچکر اس نے اندازہ لگایا کہ شہر کی کل آبادی غیر مسلم ہے اس لئے ہر قسم کی احتیاط کرتا ہوا ادھر ادھر پھرنے لگا۔ شہر کے آخری سرے پر ایک درزی کا مکان تھا اندازہ سے امجد نے معلوم کر لیا کہ وہ مسلمان ہے قریب جا کر امجد نے سلام

کیا تو درزی نے حیرت سے اسکی طرف دیکھا اور اشارے سے اندر بلالیا اور اسکے حالات دریافت کئے۔ امجد نے کچھ ضروری واقعات سنا کر اپنے بھائی کی گمشدگی کا ذکر کیا۔ درزی نے کہا کہ یہ آتش پرستوں کا شہر ہے۔ میں بھی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر نہیں کرتا۔ ممکن ہے تمہارے بھائی کو ان لوگوں نے پہچان لیا ہو اور گرفتار کر کے قید کر لیا ہو تم بھی تنہا ادھر اُدھر نہ پھرو۔ میرے یہاں رہو میں تمہارے بھائی کی تلاش میں پوری مدد کرونگا۔ امجد درزی کے یہاں رہنے لگا۔ مناسب وقت دیکھ کر اپنے بھائی کو بھی ڈھونڈھتا۔ ایک روز بازار سے گذر کر ایک کوچہ میں داخل ہوا۔ ابھی تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ پیچھے سے کسی نے آواز دی۔ امجد نے پلٹ کر دیکھا کہ ایک نوجوان بہت خوبصورت عورت ہے۔ اس نے دریافت کیا کہ کیا کہتی ہو۔ وہ عورت بولی کہ ادھر کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ امجد نے کہا کہیں نہیں آپ جہاں چاہیں لے چلیں۔ عورت مسکرائی اور کہنے لگی۔ مرد عورتوں کو لیجایا کرتے ہیں۔ عورتیں مردوں کو نہیں۔ امجد یہ جواب سنکر گھبرایا اور دل میں خیال کرنے لگا کہ یہ کوئی فاحشہ عورت ہے اور غالباً میں غلطی سے ان کے محلہ میں آگیا ہوں۔ پھر وہ منہ پھیر کر دوسری طرف چلدیا لیکن وہ عورت بھی آگئی اور کہنے لگی یہ ہے آپ کا مکان۔ امجد نے سوچا کسی طرح اس کو ٹالنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور وہ کہنے لگا کہ لیکن میرا ملازم تالہ لگا کر معلوم نہیں کدھر چلا گیا۔ ہمیں مجبوراً لوٹنا پڑیگا وہ بولی اس کی کیا ضرورت ہے۔ پھر جلدی سے مکان کا قفل اپنی کنجیوں کی مدد سے کھولنے لگی۔ اتفاقاً ایک کنجی لگ گئی اور قفل کھل گیا۔ وہ بے تکلف اندر چلی گئی۔ مجبوراً ڈرتے ڈرتے امجد بھی گھر میں داخل ہوا لیکن پریشان کہ اگر مالک مکان آگیا تو کیا ہوگا لیکن مرد ہو کر وہ کسی عورت کے سامنے اپنی کمزوری کے اظہار سے شرماتا تھا۔ کمرے میں پہنچے تو ہر قسم کے لوازمات طعام چنے ہوئے تھے۔ شراب قرینے سے چنی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی کوئی رکھ کر گیا ہے عورت بیفکری سے دسترخوان پر بیٹھ گئی اور کھانا شروع کر دیا۔ ہاتھ پکڑ کر امجد کو بھی بٹھالیا۔ ابھی یہ لوگ کھانا کھا ہی رہے تھے کہ مالک مکان آگیا۔ خوش قسمتی سے دروازہ کی طرف عورت کی پشت تھی اور امجد کا منہ دروازہ کیطرف۔ جیسے ہی امجد نے ایک شخص کو اندر آتے ہوئے دیکھا گھبرا اُٹھا اور عورت سے کہنے لگا تم کھانا کھاؤ میں دروازہ بند کر دوں۔ باہر آکر مالک مکان ملا وہ غریب حیران تھا کہ کون صاحب مکان کو خانۂ بے تکلف بنائے ہوئے ہیں۔ امجد ہاتھ باندھ کر اسکے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور اوّل سے آخر تک سارا واقعہ بیان کر دیا مالک مکان بہت شریف النسان تھا۔ شاہزادہ کا ہاتھ تھام کر بولا کہ کچھ ہرج نہیں۔ یہ آپ ہی کا مکان ہے۔ بے تکلف استعمال کیجیئے۔ لیکن مجھے تعجّب ہے کہ آپ مسلمان ہو کر ابتک کسطرح محفوظ ہیں۔ دوران گفتگو میں بے احتیاطی سے آپ نے کئی لفظ ایسے کہدیئے ہیں جو آپ کو مسلمان ثابت کرتے ہیں۔ میں یہاں کے بادشاہ کا داروغہ اصطبل ہوں۔ اور مسلمان ہوں گو ظاہر نہیں کرتا۔ آپ بھی آئندہ احتیاط رکھیں۔ اب میں آپکا غلام بنکر حاضر ہوتا ہوں۔ آپ چل کر بیٹھیں۔ لیکن ہوشیار رہیں کہ یہ عورت واقعی صرف فاحشہ ہے یا کوئی جال بچھا رہی ہے۔ امجد داروغہ کا شکریہ ادا کر کے دسترخوان پر آبیٹھا اور کھانا شروع کر دیا۔ کچھ ہی دیر بعد داروغہ بطور غلام حاضر ہوا۔ امجد نے بظاہر غصہ میں کہا کہ تم بڑے لاپرواہ ہو کر تالہ لگا کر چلے گئے اور میں وہیں بیٹھا رہا مجبوراً ہمیں

قتل سے کشتی کرنی پڑی۔ داروغہ نے ہاتھ باندھ کر عذر کیا۔ وہ عورت گالیاں دینے لگی۔ اور کوڑا لیکر اٹھی کہ تم غلاموں کو بگاڑتے ہو۔ معمولی تنبیہ کی۔ یہ ہرگز پرواہ نہیں کرتے۔ امجد نے لپک کر کوڑا اسکے ہاتھ سے لے لیا اور بولا کہ میرا غلام ایسا نہیں ہے جس کو اتنی سخت سزا کی ضرورت ہو میرا اتنا کہدینا ہی اسکے لئے کوڑے سے کم نہیں۔ عورت رُک تو گئی لیکن اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ مطمئن نہیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس نے بے پرواہی سے شراب پینی شروع کی کہ امجد کو یقین ہوگیا کہ اب یہ رات بھر کہیں نہیں جاویگی۔ آخر جب وہ شراب بدمست ہوگئی تو امجد کو لیکر پلنگ پر لیٹ گئی۔ داروغہ بھی دوسرے کمرے میں جا کر لیٹ کر سو گیا۔ لیکن امجد کا حال بہت خراب تھا۔ فکر و تشویش میں نہ تو وہ خوشی کیطرف مائل تھا اور نہ ڈر کی وجہ سے سو سکتا تھا بہر حال اس عورت کیساتھ دفع الوقتی کرتا رہا۔ وہ اٹھی اور بولی کہ میں سمجھتی ہوں وہ میرا مضحکہ کرتا تھا۔ ابھی میرے سامنے اس کو قتل کردو۔

امجد بیچارہ حیران کہ یہ دیوانی ہے یا کوئی بلا ہے۔ بہر حال اس نے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ نہ مانی اور تلوار لیکر چلی کہ میں خود قتل کئے دیتی ہوں۔ امجد کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ امجد نے سوچا کہ جس شخص نے ہمارے ساتھ نیکی کی اور اپنے تئیں غلامی کی خدمت پر مامور کیا اس سے ایسا سلوک کرنا ناجائز ہے۔ یہ خیال کر کے بولا۔ لاؤ یہ تلوار مجھے دو میں ہی اُسے قتل کردونگا۔ اور تلوار لیکر اسی ڈائن کے دو ٹکڑے کردیئے۔

عورت کا قتل

جب مقتولہ کا سر داروغہ پر گرا تو وہ یکایک اٹھ کر کھڑا ہو گیا دیکھا تو امجد خون آلود تلوار لئے کھڑا ہے اور وہ عورت قتل ہوئی پڑی ہے۔ امجد سے اسکا سبب پوچھا اس نے جواب دیا یہ تمہیں قتل کرنا چاہتی تھی اسلئے میں نے اسے ہی کیفر کردار کو پہنچا دیا۔ داروغہ نے امجد کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اب اس لاش

کا گھر سے نکالنا ضروری ہے۔ امجد نے اس سے کہا کہ آپ آرام کریں۔ لاش کو میں دریا میں ڈال آؤنگا۔ داروغہ نے کہا کہ تم یہاں اجنبی ہو ممکن ہے غلط راہ سے جاؤ اور پکڑے جاؤ اسلئے یہ کام میں ہی کرونگا۔ تم بیفکری سے مکان میں رہو۔ پھر لاش اٹھا کر چلدیا۔ ابھی دریا کے قریب بھی نہ پہنچا تھا کہ سپاہیوں کو شبہ ہوا روک کر دیکھا تو ایک عورت کی لاش تھی۔ فوراً گرفتار کرلیا اور صبح کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا وہاں سے قتل کا حکم مل گیا اس دن شہر میں اعلان کر دیا گیا کہ کل بادشاہ کے داروغہ اصطبل ایک عورت کے قتل کے سلسلہ میں قتل ہونگے یہ خبر امجد کو بھی ملی۔ اس نے دل میں فیصلہ کرلیا کہ اپنے محسن کو بیگناہ قتل نہیں ہونے دونگا۔ دوسرے دن جب سب مخلوق جمع ہوگئی تو امجد آگے بڑھا اور حاکم سے کہا کہ اصل میں یہ قاتل نہیں ہے۔ معاملہ بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ شاہزادے نے اصل واقعات بتادیئے اور ساتھ ہی اپنا قصہ بھی بیان کر دیا۔ بادشاہ کے دل پر اسکا بہت اثر ہوا۔ چنانچہ اس نے دونوں کو چھوڑ دیا اور امجد کو اپنا مصاحب بنالیا۔ چند ہی روز میں بادشاہ اسکا گرویدہ ہوگیا۔ آہستہ آہستہ اس نے بادشاہ کے دل سے مسلمان کی دشمنی بھی نکال دی اور حکم جاری کرادیا کہ یہاں کوئی مسلمان قربان نہیں کیا جائیگا۔ چند ماہ کے بعد بادشاہ نے خوش ہوکر امجد کو اپنا وزیر اعظم مقرر کرلیا۔ اب تو ہزاروں آدمی وہاں کھلم کھلا مسلمان ہوگئے۔ آتش پرستوں کا زور گھٹ گیا لیکن متعصب لوگ چوری چھپے موقع دیکھکر قربانی سے نہیں چوکتے تھے۔ پھر اس خاص شہر میں یہ رسم رک گئی تھی۔ بلکہ اگر پوشیدہ طور پر کوئی مسلمان مل جاتا تھا تو باہر بھیجکر قربانی کرتے تھے۔ وزیر اعظم بننے کے بعد امجد نے ہر طرف جاسوس چھوڑ دیئے لیکن اسد کا پتہ نہ چلا۔ وہ غریب اسی خبیث بوڑھے کے تہ خانے میں قید تھا۔ روزانہ پیٹا جاتا تھا اور کھانے کو بھی بہت کم ملتا تھا۔ اس دوران میں آتش پرستوں کی عید آگئی اور حسب معمول قربانی لینے والا جہاز آگیا۔ کپتان جہاز اسی بوڑھے سے ملا اور اس نے کپتان کو بتایا کہ یہاں کے حالات بدل گئے ہیں۔ بادشاہ کے خیالات میں انقلاب آگیا ہے آجکل وزیر اعظم مسلمان ہے۔ شہر میں بھی بہت زیادہ مسلمان ہوگئے اور کسی کو حکم نہیں کہ کسی انسان کی قربانی کرے۔ میں نے مہینوں سے ایک مسلمان بند کر رکھا ہے۔ میں صندوق بند کرکے دیدونگا۔ بہت احتیاط رکھنا۔ چنانچہ اس طرح اسد جہاز پر پہنچادیا گیا۔ امجد نے یہ دیکھنے کیلئے کہ کسی مسلمان کو چھپا کر نہ بھیجدیا ہو۔ خود جہاز کی تلاشی لی۔ لیکن اتفاقاً صندوق نہ دیکھا اور اسطرح اسکا بھائی وہیں پر رہ گیا۔ اگلے روز جہاز روانہ ہوگیا۔ چند روز تو جہاز صحیح راستہ پر چلتا رہا لیکن ایک دن طوفان کی زد میں آکر ایک مسلمان ملکہ کی حکومت کی حدود میں آگیا۔ کپتان جہاز بہرام گھبرایا اور سوچنے لگا کہ اگر قیدی کے متعلق ملکہ کو علم ہوگیا تو غضب ہوجائیگا اور یہ جہاز قربانی کے نام سے مشہور ہے اسلئے تلاشی بھی ضرور ہوگی۔ مجبوراً اس نے اسد کو نکالا اور اچھا لباس پہنا کر کہنے لگا کہ وہاں تم آتش پرستوں میں پھنس گئے تھے میں بڑی مشکل سے تمہیں نکال کر لایا ہوں۔ اب وہ عملداری ختم ہوگئی جہاں تمہاری گرفتاری کا ڈر تھا اسلئے میں نے تم کو صندوق سے نکال لیا ہے آگے چلکر تمہیں کسی بڑی حکومت کے ملک میں جہاز سے اتار دونگا۔ جہاز کنارے پر آلگا اور کپتان جہاز اجازت لینے کے لئے نیچے اترا اور افسران متعلقہ سے ملکر کچھ تحائف کیساتھ ملکہ کیخدمت میں حاضر ہوا۔ ملکہ نے

حالات دریافت کرنیکے بعد حکم دیا کہ جہاز کی تلاشی لیجائے۔ کپتان پھر واپس آیا اور چند عمال حکومت تلاشی لینے لگے۔ دوران تلاشی انہوں نے اسد سے پوچھا آپ کون ہیں اس نے جواب دیا کہ مسلمان ہوں اور یہ قربانی کے لئے فلاں کوہ آتش فشاں پر لیجا رہے ہیں۔ افسران نے اسی وقت کپتان کو گرفتار کر لیا اور اسد کو لیکر ملکہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کل واقعہ بیان کیا ملکہ بہت ناراض ہوئی کپتان نے معافی مانگی اور عرض کرنے لگا کہ میں فلاں حکومت میں رہتا ہوں اور وہاں کے لوگوں نے اسکو میرے سپرد کر دیا تھا۔ مجھے قطعاً معلوم نہ تھا کہ یہ مسلمان ہے ملکہ نے اسد کو اپنے یہاں رکھ لیا اور جہاز والوں کو تنبیہ کر کے حکم دیا کہ فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔ اسد ملکہ سے اجازت لیکر شہر دیکھنے چلا گیا مدتوں کی قید کے بعد آزادی نصیب ہوئی تھی۔ جو کھانا پسند آیا اور حسب پسند چیزیں لیکر کھائیں اور ایک باغ میں حوض کے کنارے لیٹ کر مستقبل کے متعلق غور کرنے لگا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں تصور نے آئندہ کی خوشنما تصویریں کھینچ لیں اور اس پر کیف تخیل میں اسکی آنکھ لگ گئی قسمت کی بات ہے کہ جہاز جب چلنے لگا تو معلوم ہوا کہ میٹھا پانی کافی نہیں ہے۔ چند آدمی پانی کی تلاش میں نکلے اور اتفاقاً اس باغ میں آگئے جہاں اسد سو رہا تھا۔ ان لوگوں نے موقعہ کو غنیمت سمجھا اور منہ بند کر کے اسد کو پکڑ کر جہاز پر سوار کر لیا اور لنگر اٹھا دیا۔ کپتان جہاز بہت خوش ہوا کہ قیدی دوبارہ زیر نگرانی آگیا اور قربانی بھی رائیگاں نہیں ہوئی۔ کچھ دیر بعد ملکہ نے اسد کو طلب کیا۔ ہر طرف تلاش کیا لیکن پتہ نہ چلا۔ اتفاقاً کچھ آدمی باغ میں بھی آئے۔ وہاں حوض کے کنارے اسد کے کچھ کپڑے پڑے ہوئے تھے جو لا کر ملکہ کے سامنے پیش کئے گئے چنانچہ ملکہ کی سمجھ میں آگیا کہ اہل جہاز پانی لینے آئے ہونگے اور تنہا پا کر پھر اسد کو گرفتار کر کے لیگئے۔ ملکہ کو بہت رنج ہوا اور جنگی بیڑا لیکر خود تلاش میں روانہ ہو گئی۔ دوسرے روز بہرام کا جہاز مل گیا جنگی بیڑے نے اس کو ہر طرف سے گھیر لیا اور حکم دیا کہ فوراً ٹھہر جائیں۔ ورنہ گولہ باری کر کے غرق کر دیا جائیگا۔ بہرام سمجھ گیا کہ اس قیدی کی تلاش ہے اور اگر یہ جہاز میں سے دستیاب ہو گیا تو پھر خیر نہیں۔ چنانچہ اس نے اسد کو خاموشی سے سمندر میں پھینک دیا اور اپنا جہاز ملکہ کے سپرد کر دیا۔ سارے جہاز کی تلاشی لے لی گئی لیکن اسد نہ ملا۔ کپتان جہاز یہی کہتا رہا کہ مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔ لیکن ملکہ کو یقین ہو گیا کہ ان لوگوں نے اس کو یا تو ہلاک کر دیا ہے یا کسی جگہ سمندر میں گرا دیا ہے۔ غصہ میں ملکہ نے حکم دیا کہ جہاز کا کل سامان لوٹ لیا جائے جہازی گرفتار کر لئے جائیں اور جہاز کو آگ لگا دی جائے۔

سب لوگ گرفتار کر کے بند کر دیئے گئے۔ لیکن بہرام موقع پا کر بھاگ نکلا۔ سپاہیوں نے چاروں طرف دیکھا بھالا لیکن اسکا پتہ نہ چلا

اسد جہاز سے سمندر میں گر کر ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ زندگی کچھ باقی تھی۔ ایک تختہ جہاز کا تیرتا ہوا قریب سے گذرا۔ اسکو پکڑ کر سہارے سے تیرتا ہوا خدا جانے کہاں جا نکلا۔ آخر دوپہر کے قریب وہ تختہ ایک ساحل پر آگیا۔ اسد بھی خدا کا شکر کرتا ہوا خشکی پر آیا۔ جنگلی پھول پتے کھا کر ایک چشمہ کا پانی پیا تو کچھ ہوش و حواس درست ہوئے۔ رات کو مناسب جگہ دیکھ کر سو گیا۔ صبح کو خدا کا نام لیکر ایک سمت روانہ ہو گیا۔ تین

چار روز اسی طرح چلتا رہا۔ جہاں کہیں جنگلی پھل مل جاتے کھا لیتا۔ چشموں کا پانی پیتا اور آگے بڑھ جاتا۔ آخر ایک روز ایک پہاڑ پر سے اس نے آبادی کے آثار محسوس کئے اور اسی سمت روانہ ہو گیا۔ شام تک وہاں پہنچا۔ جوں ہی شہر کے پاس آیا تو معلوم ہوا کہ وہ ہی آتش پرستوں کا شہر ہے جس میں مہینوں قید رہا تھا۔ خوف کے مارے اسد الٹے پیروں بھاگا۔ رات گذارنے کو ایک شکستہ مقبرے میں گھس گیا۔ تاکہ پھر کوئی دیکھ کر گرفتار نہ کرے۔ اس غریب کو کیا معلوم تھا کہ اس شہر میں اسکا عزیز بھائی امجد وزیر اعظم ہے اور اب کسی کی مجال نہیں کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ اسد نے ایک محفوظ جگہ صاف کی اور اطمینان سے لیٹ کر سو گیا۔ پچھلے پہر رات کو جو کپتان ملکہ کی قید سے بھاگا تھا۔ وہ بھی شہر میں پہنچا۔ لیکن اسوقت شہر پناہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ شب گذارنے کیلئے وہ بھی مقبرے میں آ گیا۔ یہاں آکر دیکھا کہ وہ ہی شخص سو رہا ہے جس کے لئے ساری مصیبت پڑی اور کل سامان و جہاز تک برباد ہو گیا۔ صبح کے قریب اس نے اسد کو سوتے ہوئے پھر گرفتار کر لیا اور بڑی احتیاط سے لاکر اسی مردود بوڑھے کے سپرد کر دیا۔ بوڑھے نے اس کو پھر تہ خانہ میں بند کر دیا اور لڑکیوں سے کہا کہ اسکو روز آنہ کوڑے مارا کرو۔ دوپہر کو بوڑھے کی چھوٹی لڑکی بوستنا آئی اور اسد سے کہنے لگی کہ تم ہراساں نہ ہونا میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور بڑی بہن بھی مسلمان ہو گئی ہے ہم تمہیں کوئی تکلیف نہیں دینگے۔ بلکہ جب موقع ملا یہاں سے رہا کر دیں گے۔ تین چار روز اسد قید رہا لیکن اسے کھانے پینے کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اسی عرصہ میں امجد وزیر اعظم کی کوشش سے بادشاہ بھی مسلمان ہو گیا اور مسلمان بالکل بے غم ہو گئے۔ ایک روز امجد نے پھر اعلان کرایا کہ جو کوئی اسد کا نشان بتائے گا۔ یا لاکر حاضر کریگا اسکو اتنا انعام دونگا کہ زندگی بھر کسی کام کے کرنیکی ضرورت نہیں رہیگی اور اگر کسی نے اپنے پاس چھپا کر رکھا تو تمام اہل و عیال قتل کر دیئے جائیں گے اس اعلان کو سنکر بوستنا تہ خانے میں آئی اور اسد کو لیکر امجد کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ جوں ہی امجد نے اسد کو دیکھا دوڑ کر لپٹ گیا۔ پھر مفصل کیفیت و حالات سنکر اسد کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور تمام واقعات بتائے۔ بادشاہ کے حکم سے وہ بوڑھا اور بہرام کپتان جہاز گرفتار کر لئے گئے۔ شناخت کے بعد بوڑھا آتش پرست قتل کر دیا گیا۔ بہرام مسلمان ہو گیا اسلئے چھوڑ دیا گیا۔ بوڑھے کی لڑکیوں کو امجد نے حسب وعدہ بہت انعام و اکرام دیا۔ بہرام دست بستہ کھڑے ہو کر بولا کہ میں ابھی چند روز ہوئے۔ جزیرہ ہار یونی گیا تھا وہاں آپکے والد بہت پریشان ہیں وہ ابتک یہ ہی سمجھ رہے ہیں کہ خدانخواستہ آپ دونوں بھائی قتل کر دیئے گئے۔ اسد و امجد نے فیصلہ کیا کہ فوراً والد کے پاس چلنا چاہیئے۔ چنانچہ بادشاہ سے اجازت لیکر ایک بڑے لشکر کے ساتھ دونوں بھائی جزیرہ آبونی جانے کیلئے تیار ہو گئے۔ ابھی یہ لوگ یہاں سے روانہ نہیں ہوئے تھے کہ اطلاع ملی ایک فوج اس شہر کیطرف بڑھ رہی ہے۔ دونوں نے اسوقت روانگی ملتوی کر کے اپنی سپاہ آراستہ کی اور سفارت بھیجکر معلوم کر لیا کہ آنیوالا کون ہے اور کیا منشا ہے۔ سفارت واپس آئی اور کہنے لگی کہ ملکہ مرجینا ایک قریب کے جزیرے کی حاکم ہیں۔ اسد نامی ایک شخص کو انہوں نے مجوس جہاز سے چھڑایا تھا وہ غائب ہو گیا اور ملکہ کو معلوم ہوا

ہے کہ قربانی کیلئے یہاں لایا گیا ہے۔ وہ مطالبہ کرتی ہے کہ اسد واپس کیا جائے۔ ورنہ جنگ کیلئے تیار رہو۔ اسد یہ سنکر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ وہ یہی ملکہ میری تلاش میں آئی ہیں جن کا ذکر میں نے اپنی داستان میں کیا تھا۔ دونوں بھائی ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کی شفقت و محبت کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ ملکہ مرجینا نے اس کو چھاتی سے لگا کر کہا کہ میں نے تم کو منہ بولا بیٹا بنالیا تھا۔ پھر کیسے تلاش نہ کرتی۔ بادشاہ نے باصرار ملکہ کو چند روز کیلئے بطور مہمان ٹھہرالیا۔ دوسرے روز اطلاع ملی کہ ایک بادشاہ لشکر کیساتھ آرہا ہے۔ حالات دریافت کرائے تو معلوم ہوا کہ شاہ چین ہے اور اپنی بیٹی اور داماد کی تلاش میں جارہا ہے۔ یہ سنتے ہی امجد و اسد دوڑے۔ امجد بادشاہ کے قدموں میں گر گیا اور کہنے لگا کہ میں آپکا نواسہ شہزادی بدرالبدور کا لڑکا ہوں۔ یہ میرا بھائی حیات النفس کا لڑکا ہے۔ شاہ چین نے دونوں کو سینے سے لگایا اور قمرالزماں اور بدرالبدور کی نسبت دریافت کیا۔ امجد نے بتایا کہ وہ قریب ہی ایک جزیرے میں حکومت کررہے ہیں۔ جب بادشاہ کو علم ہوا تو خود استقبال کرکے شاہ چین کو اپنے یہاں لایا اور دعوت کے انتظامات شروع کئے۔ یہ لوگ ابھی اچھی طرح ملنے بھی نہ پائے تھے تو معلوم ہوا کہ دو طرف سے دو لشکر اور آرہے ہیں آدمی دوڑائے گئے کہ معلوم کریں کون ہیں تھوڑی دیر میں وہ واپس آئے اور کہا کہ ایک لشکر قمرالزماں شاہ آبونی کا اور دوسرا شاہ زماں شاہ جیدان کا ہے۔ یہ دونوں بھائی باپ اور دادا کی اطلاع پا کر بھاگے اور پہلے باپ کے قدموں پر گر گئے۔ باپ نے چھاتی سے لگایا اور دیر تک روتا رہا۔ پھر مختصر حالات سنکر معہ بیٹوں اور خسر کے اپنے باپ کے استقبال کو بڑھا۔ قمرالزماں کو دیکھکر شاہ زماں گھوڑے سے کود پڑا اور بیٹے کو سینے سے لگا کر بہت رویا اور شکایت کی کہ تم اپنے بوڑھے باپ کو بھول گئے۔ قمرالزماں نے دونوں پوتوں کو پیش کیا۔ دادا بیحد مسرور ہوئے پھر شاہ چین سے ملے۔

بچھڑوں کا ملاپ
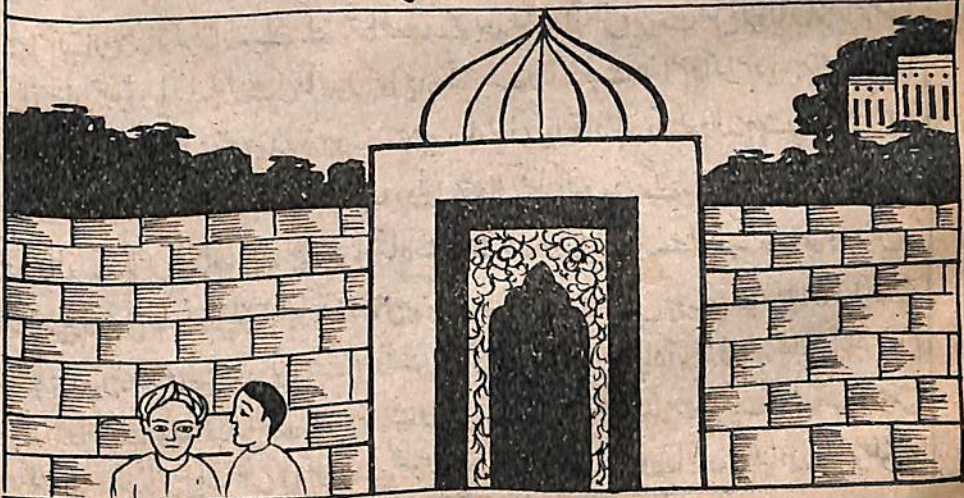
سب بچھڑے ہوئے ملکر بہت خوش ہوئے۔ پانچ روز تک خوب عیش وجشن رہا۔ پھر سب بادشاہ اپنے اپنے ملک کو واپس ہوئے اس جزیرے کے بادشاہ نے اپنا تاج وتخت دونوں بھائیوں کو دیدیا۔

بدرالبدور اور حیات النفس اپنی اپنی غلطیوں پر بہت شرمندہ ہوئیں اور پھر بیٹوں سے اچھی طرح رہنے سہنے لگیں۔ امجد واسد باری باری کبھی باپ کے کبھی دادا کے اور کبھی نانا کے یہاں جاتے تھے۔ اسیطرح قمرالزماں کبھی باپ اور خسر کے یہاں جاتا رہتا تھا۔ غرض سب پورے عیش وآرام کیساتھ رہنے لگے۔

یہ کہانی سنکر شہرزاد خاموش ہوگئی۔ صبح ہوچکی تھی۔ بادشاہ اٹھ کر باہر چلا گیا اور ملکہ کا قتل آج بھی ملتوی رہا۔ دوسرے روز حسب معمول دنیازاد نے کہانی کی فرمائش کی۔ چنانچہ شہرزاد نے ابن خاقان اور کنیز کا قصہ شروع کیا۔

نورالدین اور پارس کنیز کی کہانی

بصرے میں زینن نامی ایک بادشاہ تھا جو خلیفہ ہارون الرشید کا باجگذار تھا۔ اسکے دو وزیر تھے ایک خاقان دوسرے کا نام سوی تھا۔ خاقان بہت سخی۔ حلیم الطبع اور شریف النفس تھا۔ رعایا اسکو دل و جان سے چاہتی تھی۔ لیکن بالکل برعکس سوی بخیل۔ کینہ توز اور ظالم تھا۔ لوگ اس سے ہمیشہ نالاں رہتے تھے۔ اپنی اسی فطرت وعادت کی وجہ سے وہ خاقان سے حسد کرتا تھا اور اس فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح خاقان کو بادشاہ اور رعایا کی نظروں سے گرادوں۔ ان ہی دنوں شاہ بصرہ نے خاقان سے کہا کہ میرے لئے ایک کنیز لاؤ جو حسین بھی ہو اور اچھی معتبہ بھی۔ خاقان نے دلالوں اور سوداگروں کو بلاکر حکم دیا کہ بادشاہ کے لئے ان صفات کی کنیز چاہیئے۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ اسوقت تو کوئی کنیز بادشاہ کے قابل موجود نہیں لیکن جسوقت بھی کوئی کنیز آئی اطلاع کردی جائیگی۔ چند روز بعد ایک سوداگر ایک باندی لیکر حاضر ہوا خاقان نے اس کو دیکھا۔ گانا سنا۔ اور ہر طرح موزوں پاکر دس ہزار اشرفیوں میں زینن شاہ کے لئے خرید لیا۔ سوداگر نے چلتے ہوئے کہا کہ اسکو ایک ہفتہ آرام کرنیکا موقع دیجئے۔ تاکہ سفر کی پژمردگی جاتی رہے اس کے بعد بادشاہ کے حضور میں پیش فرمائیگا۔ خاقان نے کنیز کو گھر میں بھیجدیا اور خود ہی بیگم سے کہدیا کہ یہ بادشاہ کے لئے خریدی گئی ہے۔ احتیاط سے رکھنا اور ہر طرح خاطرداری کرنا۔ شام کو خاقان کا لڑکا آیا وہ ایک حسین نوجوان تھا۔ کنیز کو دیکھ کر عاشق ہوگیا۔ کنیز بھی نورالدین پر فریفتہ ہوگئی۔ دوسرے روز سے نورالدین گھر میں زیادہ ٹھہرنے لگا تو اسکی والدہ کو شبہ ہوا اس نے بیٹے کو سمجھایا کہ یہ بادشاہ کی کنیز ہے اس سے جتنا دور رہو اتنا ہی اچھا ہے۔ اگر تمہارے والد کو خبر ہوگئی تو بہت ناراض ہونگے۔ نورالدین خاموش ہوگیا لیکن حسن افروز کا جادو اس پر چل چکا تھا۔ سمجھانے بجھانے سے کیا ہوسکتا تھا۔ ایک روز نورالدین کی والدہ حمام گئیں اور کنیز کو ایک کمرے میں چند اپنی کنیزوں کی سپردگی میں چھوڑ گئیں اور تاکید کردی کہ نورالدین کو اس کے پاس نہ آنے دینا۔ نورالدین گھر میں آیا تو میدان خالی تھا۔ لونڈیوں کو ڈرا دھمکا کر بھگا دیا اور خود کمرے میں جاکر حسن افروز کے وصل سے شادکام ہوکر باہر چلا گیا۔ باندیاں روتی ہوئی

حمام میں بیگم خاقان کے پاس گئیں اور کل حال عرض کیا۔ وہ غریب حیران و پریشان واپس آئیں۔ کنیز سے بلا کر پوچھا کہ جب تمہیں معلوم تھا کہ تم بادشاہ کیلئے خریدی گئی ہو تو تم نے نورالدین کو کیوں نہ روکا۔ حسن افروز نے عرض کیا کہ مجھے کہتے تھے کہ والد نے مجھے اجازت دیدی ہے اور آج سے تم میری کنیز ہو۔ چونکہ میں بھی ان کو چاہنے لگی تھی۔ اسلئے میں ان کو کیا کہہ سکتی تھی۔ وہ خلوت کے طالب ہوئے اور جو چاہا کیا۔ نورالدین کی والدہ نے کہا کہ نورالدین نے تم سے غلط بیانی کی ہے۔ اب اگر اس کے والد کو علم ہوگیا کہ تم بادشاہ کے قابل نہیں رہی ہو۔ کیا عجب ہے وہ نورالدین کو گھر سے نکال دیں یا قتل ہی کردیں۔ اتنے میں خاقان بھی آگیا۔ اور اپنی بیوی کو پریشان دیکھ کر پوچھنے لگا کہ کیا بات ہے بیگم نے ڈرتے ڈرتے تمام واقعہ بیان کردیا۔ خاقان بہت ناراض ہوا اور کہنے لگا کہ اگر میرے حاسدوں کو اس واقعہ کا علم ہوگیا تو معلوم نہیں کیا کیا مصیبتیں کھڑی کردیں گے۔ میں نے اتنی تاکید کردی تھی۔ پھر بھی وہ ہی ہوا جسکا مجھے خطرہ تھا۔ بیوی نے کہا کہ جو کچھ ہونا تھا ہوگیا۔ بادشاہ کے لئے دوسری کنیز منگالو۔ اگر کسی نے اطلاع بھی کردی تو کہدینا کہ کنیز آپکی خدمت میں پیش کرنے کے قابل نہیں ہے۔ وزیر نے بھی سوچا ٹھیک ہے۔ اسی وقت دلال کو بلا کر سخت و سُست کہا کہ تم نے بادشاہ کے قابل کنیز نہیں دی۔ جلد سے جلد دوسری کنیز کا انتظام کردو۔ اس عرصہ میں نورالدین بہت کم گھر میں آتا۔ باپ کے خوف سے اِدھر اُدھر چھپا پھرتا تھا۔ چند روز میں جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا تو وہ کنیز خاقان نے بیٹے ہی کو دیدی۔ نورالدین حسن افروز کے ساتھ بعیش و آرام رہنے لگا۔ اتفاقاً خاقان بیمار ہوا اور چند ہی روز بیمار رہ کر اسکا انتقال ہوگیا۔ مراسم تعزیت سے فارغ ہوکر نورالدین بالکل آزاد ہوگیا۔ آوارگی مزاج میں پہلے ہی سے تھی۔ اب کوئی روک باقی نہیں تھی۔ ہر وقت مطلب پرست دوستوں کا مجمع رہتا۔ عیاشی و شراب نوشی ہر وقت کا شغل تھا۔ آخر سرمایہ ختم ہونے لگا۔ حسن افروز نے ہرچند سمجھایا لیکن نورالدین نہ مانا۔ یہاں تک کہ کل جائیداد بھی ختم ہوگئی اور صرف رہنے کا مکان باقی رہ گیا۔ اسکے دوست احباب بھی اسوقت چلتے پھرتے نظر آئے۔ جس شخص سے اس نے امداد مانگی منہ پھیر کر چلا گیا۔ اسوقت نورالدین کی آنکھیں کھلیں۔ لیکن اب کیا ہوسکتا تھا۔ جب کھانے پینے میں مشکلات پیش آئیں تو حسن افروز نے کہا کہ مجھے فروخت کردیجئے کم از کم پانچ ہزار اشرفیاں ضرور مل جائیں گی۔ گو میں آپ سے الگ ہوکر زندہ نہیں رہوں گی۔ لیکن اب اس کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے۔ بہت کچھ ردوکد کے بعد نورالدین نے دلال کو بلا کر کہا کہ میں اس کنیز کو فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ سوداگروں کو اطلاع کردو۔ کئی گاہک آئے اور چار ہزار تک قیمت پہنچ بھی گئی تھی کہ دفعتاً لینے والے ہٹ گئے۔ ایک دلال نے نورالدین کو بتایا سوی وزیر نے سب کو منع کردیا ہے کہ کوئی اس کنیز کو نہ خریدے میں خود خریدنا چاہتا ہوں۔ اب اگر آپ مناسب سمجھیں تو پانچ ہزار میں وہ خریدار ہے۔ نورالدین نے انکار کردیا اور کہدیا کہ اس کو تو میں بیس ہزار میں بھی نہیں دونگا۔ اگلے روز سوی خود نورالدین کے یہاں آیا اور زبردستی کنیز کو خریدنا چاہا۔ نورالدین مقابلہ پر کھڑا ہوگیا اور اتنی پٹائی کی کہ ہوش درست ہوگئے۔

نورالدین اور سوی کی جنگ
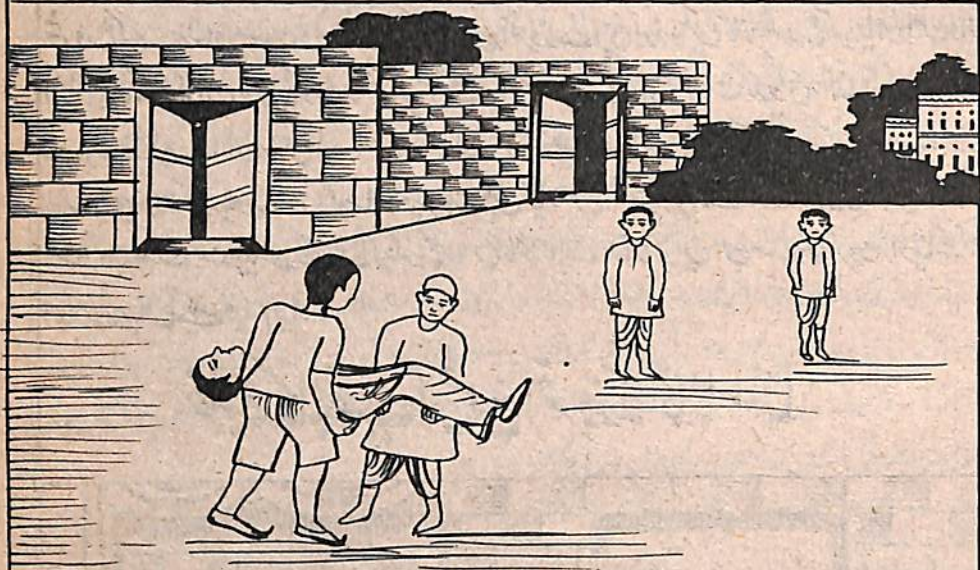
ہنگامے کی آواز سنکر لوگ جمع بھی ہو گئے تھے لیکن چونکہ سوی سے سب نالاں تھے اسلئے کوئی درمیان میں نہ بولا۔ نورالدین خوب مار کر سوی کو گھر سے نکال دیا۔ وہ اس حال میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس کی شکایت کی کچھ اپنی طرف سے بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ ان دنوں بصرے میں نورالدین کی شہرت بھی اچھی نہیں تھی۔ زینی شاہ نے اس کی گرفتاری کا حکم دیدیا۔ جو سپاہی اس کو پکڑنے جا رہے تھے ان میں منجرا نام کا ایک سپاہی اسکے باپ کا ممنون احسان تھا۔ اس نے نورالدین کو اطلاع کر دی کہ فوراً بصرے سے نکل جاؤ۔ بطور زاد راہ کچھ زر نقد بھی دیا اور راتوں رات نورالدین حسن افروز کو لیکر نکل کھڑا ہوا۔ کئی روز سفر کر کے بغداد پہنچا تو بہت ہی خستہ ہو رہا تھا۔ ایک باغ میں دونوں بیٹھ گئے۔ ٹھنڈی ہوا جو لگی تو وہیں دونوں ہم آغوش ہو کر سو گئے۔

جس باغ میں نورالدین اور حسن افروز سو رہے تھے وہ خلیفہ ہارون الرشید کی عیش گاہ تھی۔ اسوقت داروغہ باغ کہیں گیا ہوا تھا۔ واپس آیا تو دیکھا۔ دو اجنبی بڑی بے تکلفی سے سو رہے ہیں۔

داروغہ نے کچھ دیر سوچا اور پھر آہستگی سے ان دونوں کے منہ کو کھول کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ کیونکہ مہ و خورشید ہم آغوش تھے۔ داروغہ نے نورالدین کو بیدار کر کے سلام کیا۔ نورالدین نے سلام کا جواب دے کر دو اشرفیاں نکالیں اور کھانے کے انتظام کیلئے عرض کیا۔ داروغہ نے بخوشی قبول کیا۔ اور ان کی رہائش کا انتظام شاہی بارہ دری میں کر کے خود داروغہ شیخ ابراہیم کھانے کے انتظام میں لگ گیا۔ نورالدین اور حسن افروز باغ کی سیر و تفریح کرتے رہے اور شام کو دونوں نے خاص بارہ دری میں شب باشی کی بہترین

شمعیں روشن کیں ان کی روشنی میں شیخ ابراہیم نورالدین اور حسن افروز نے کھانے کے بعد میوہ جات تناول کئے اور شراب ارغوانی کے دور جاری ہوئے اور دخت کے جام داروغہ جی نے بھی یکے بعد دیگرے چڑھانے شروع کر دیئے۔ اور مست و سرشار ہو گئے۔ حسن افروز نے اپنی آرزو میں گانا شروع کر دیا اور اس والہانہ انداز میں گائی کہ ان لوگوں کو وجد آ گیا۔ اسی عیش و عشرت میں آدھی رات گذر گئی۔ اتفاق سے خلیفہ نے اپنے محل سے بارہ دری کی روشنی کو دیکھ لیا۔ اور وزیر سے بلا کر دریافت کیا۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ وزیر نے لاعلمی ظاہر کی۔ بادشاہ وزیر کو ساتھ لیکر باغ میں آیا۔ حسن افروز ابھی تک گانے ہی میں محو تھی۔ خلیفہ کو اسکا گانا بہت پسند آیا اور کہنے لگا کہ اگر مجھے اس کا گانا پسند نہ آتا تو میں ان سب کو ضرور سزا دیتا۔ کہ بغیر اجازت یہاں کیسے قیام کیا۔

خلیفہ کا چھپ کر حسن افروز کا گانا سننا
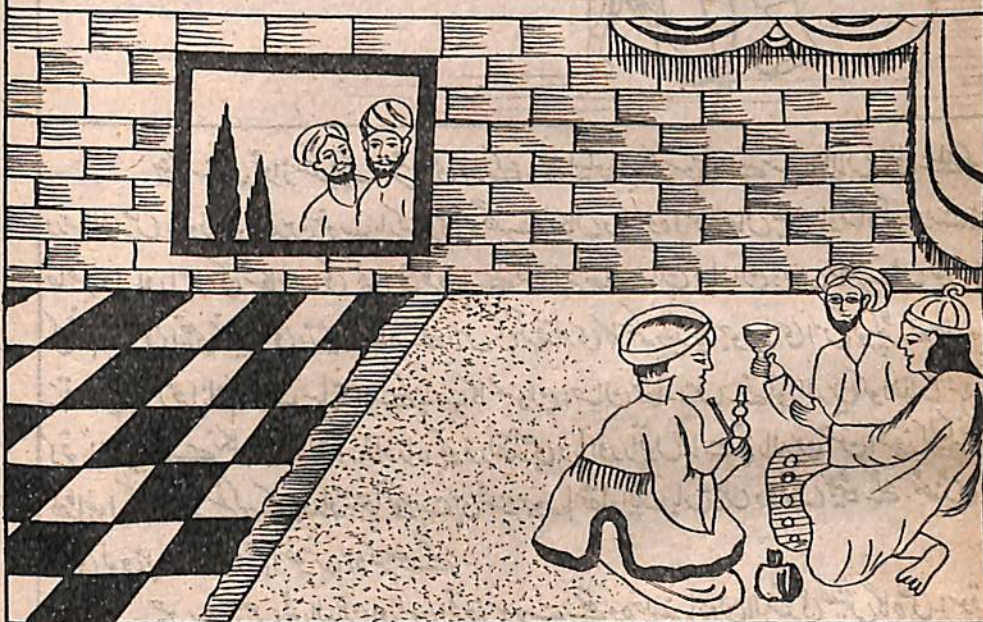
اسی اثناء میں خلیفہ نے وزیر سے کہا کہ میں اس کے پاس جا کر گانا سننا چاہتا ہوں۔ وزیر نے خلیفہ کو منع کیا اور کہا کہ حضور یہ لوگ آپکے جانے سے خوف زدہ ہو جائیں گے اور محفل درہم برہم ہو جائیگی۔ بہتر یہ ہے کہ لباس تبدیل کر لیا جائے۔ بادشاہ وہاں سے واپس محل کی جانب چلا۔ راستہ میں ایک ماہی گیر چلا۔ بادشاہ نے اس سے لباس تبدیل کر لیا۔ اور دو مچھلیاں لیکر نورالدین کی محفل نشاط میں پہنچ گیا۔ نورالدین اور حسن افروز بہت خوش ہوئے اور ماہی گیر کو فوراً تیار کرنے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ (خلیفہ) ماہی گیر باہر آیا۔ اور جعفر اور مسرور جو کہ اسکے ساتھ تھے ان کی مدد سے مچھلیاں تیار کیں اور لیجا کر نورالدین اور حسن افروز کے سامنے پیش کیں۔

چونکہ مچھلیاں بہترین طریقہ سے پکائی گئی تھیں۔ اسلئے نورالدین کو بہت پسند آئیں اور بہت مزے سے کھائیں نورالدین نے خوش ہوکر ماہی گیر کو کچھ اشرفیاں انعام میں دیں اور پھر گانا بجانا شروع ہو گیا۔ خلیفہ گانے سے بہت لطف اندوز ہوا اور نورالدین نے وجد میں آکر اپنی کنیز بھی ماہی گیر کو بخش دی۔ نورالدین کی اس حرکت پر حسن افروز کو بہت صدمہ ہوا۔ نورالدین اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ حسن افروز نے پھر اپنا گانا سنانے کی اس امید پر درخواست کی کہ شاید نورالدین اپنی اس بیوقوفی پر نادم ہوکر مجھے واپس لے لے۔ چنانچہ اس نے مزاقیہ اشعار گائے لیکن نورالدین ایسا نہیں تھا کہ اپنی بات سے پھر جاتا۔ خلیفہ نے کئی بار نورالدین کو روتے ہوئے دیکھا اور سمجھ گیا کہ اس کو اس لونڈی سے عشق ہے۔ خلیفہ نے باتوں باتوں میں نورالدین سے سارا واقعہ دریافت کرلیا۔ خلیفہ کے دل پر بہت اثر ہوا اور کہنے لگا کہ شاہ بصرہ زینی میرا دوست اور ہم جماعت ہے۔ جو کچھ بھی اُسے کہونگا وہ فوراً کریگا۔ بہتر ہو کہ آپ کہیں اور جانیکے بجائے واپس بصرہ جائیں۔ شاہ زینی تمہارا قصور معاف کرکے تاج بھی تمہارے حوالے کردیگا۔ نورالدین اوّل تو سنکر ہنسا لیکن ماہی گیر کے مجبور کرنے پر شاہ بصرہ کے نام ایک خط لیکر تیار ہو گیا۔ جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

شاہ زینی بصرہ یہ خط دیکھتے ہی بصرہ کا تاج و تخت نورالدین کے حوالہ کردیں اور نیچے اپنی مہر ثبت کردی اور نورالدین کو خط دیکر کہا کہ ابھی بصرہ روانہ ہو جاؤ۔ نورالدین کے جانے کے بعد داروغہ ابراہیم نے ماہی گیر سے کہا کہ جو کچھ انعام ملا ہے نصف نصف کرلو۔ ماہی گیر نے جواب دیا کہ اشرفیاں تو ساری تیری لیکن کنیز میں حصّہ نہ ہوگا۔ اس پر ایک دوسرے میں جھگڑا ہوا۔ ماہی گیر آنکھ بچا کر باہر آگیا اور موجودہ لباس اتار کر اصلی لباس میں مع وزیر کے داروغہ جی کے سامنے آیا۔ داروغہ جی کا یہ واقعہ دیکھتے ہی دم خشک ہو گیا اور خلیفہ کے پیروں میں گر گیا۔ خلیفہ نے اس کا قصور معاف کردیا۔ حسن افروز نورالدین کیوجہ سے بہت بیقرار تھی۔ اس پر بھی خلیفہ نے اپنا بادشاہ ہونا ظاہر کرکے کہا کہ نورالدین کو میں نے بصرہ کا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ جب تاج و تخت قبضہ میں آجاویگا تمہیں اسکے پاس بھیجدیا جاویگا۔ حسن افروز یہ سن کر بہت خوش ہوئی اور خلیفہ کے ہمراہ محل میں چلی گئی۔ بادشاہ نے اپنی کنیزوں کو حکم دیا کہ اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں ایک دوست کی امانت ہے۔ نورالدین خلیفہ ہارون الرشید کا خط لیکر بصرے پہنچا اور بادشاہ زینی کو دربار میں پیش کردیا۔ زینی نے بڑی تعظیم و تکریم سے خط لیا اور سوی کو دیا۔ کہ کیا لکھا ہے پڑھو۔ سوی نے خط دیکھا تو جل گیا اور دل میں خیال کیا کہ اگر یہاں کی حکومت نورالدین کو مل گئی۔ تو میری خیر نہیں۔ چنانچہ بڑی ہوشیاری سے خلیفہ کی مہر والا حصہ اس نے خط سے الگ کردیا اور باقی خط بادشاہ کو سنا کر عرض کیا کہ خط جعلی معلوم ہوتا ہے کیونکہ مہر ٹھیک نہیں ہے۔ خلیفہ اگر کوئی ایسا حکم دیتے تو اپنا کوئی اعلیٰ افسر ساتھ بھیجتے۔ اس کے علاوہ آپ کی کوئی شکایت بھی خلیفہ سے نہیں ہوئی جو وہ ایسا حکم دیتے۔ یہ سب نورالدین کی شرارت ہے آپ نے چونکہ اس کی گرفتاری کے احکام جاری فرمادیئے تھے۔ غالباً یہ اس طرح اس کا انتقام لینا چاہتا ہے زینی شاہ سوی کی باتوں میں آگیا اور نورالدین کو گرفتار کرکے قید خانے میں بھیجدیا۔ نورالدین بیچارہ قید ہو گیا

لیکن سوی کی کینہ پرور طبیعت کو اب بھی چین نہیں پڑی۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ کانٹا ہمیشہ کیلئے نکل جائے۔ چنانچہ برابر بادشاہ سے شکایت کرتا رہتا تھا کہ نورالدین قید خانے میں بھی تاج و تخت کا مطالبہ کرتا ہے اور زمین شاہ کو مشورہ دیتا رہا کہ اس کو قتل کرا دیجئے۔ تاکہ آئندہ کوئی ایسی جرأت نہ کرے۔ زمین شاہ نے ایک روز غصّہ میں آکر قتل کا حکم دیدیا۔ سوی کی دیرینہ آرزو پوری ہو گئی۔ چنانچہ اس نے اعلان کرادیا کہ کل سرعام نورالدین کو پھانسی دی جائے گی۔ دوسرے روز خلقت جمع ہو گئی۔ سوی بنفس نفیس پھانسی کی نگرانی کو موجود تھا۔ نورالدین بیڑیوں میں جکڑ کر لایا گیا۔ جلاد نے پوچھا کہ کوئی آخری خواہش ہو تو بیان کرو۔ نورالدین نے پانی مانگا۔ ایک شخص نے پانی لاکر دیا۔ نورالدین ابھی پانی ہی پی رہا تھا کہ ایک سوار گرد میں آتا ہوا دکھائی دیا۔ مجمع کے قریب آیا۔ اور دریافت کرنے لگا۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ نورالدین کو پھانسی دی جا رہی ہے۔ سوار مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور سوی سے مخاطب ہو کر بولا کہ خلیفہ ہارون الرشید کے وزیر آئے ہیں۔ بیرون شہر ان کا لشکر آچکا ہے۔ اور نورالدین ہی کے متعلق کوئی حکم ہے۔ اس کی پھانسی ملتوی کردو اور میرے ساتھ اس کو زمین شاہ کے دربار میں لے چلو۔ سوی کے لئے کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا۔ دل ہی دل میں آنیوالے سوار کو بُرا بھلا کہتا رہا۔ کہ اگر اور تھوڑی دیر نہ آتا تو اچھا تھا۔ اسکو معلوم تھا کہ اب نہ صرف نورالدین چھوڑ دیا جائیگا۔ بلکہ بصرہ کا حاکم بھی مقرر کر دیا جائیگا۔ دیکھئے میرا کیا حشر ہو۔ اتنے میں وزیر کی سواری شہر میں آگئی اور شاہی دربار کیطرف چلی۔ یہاں سوار نے نورالدین اور سوی کو ساتھ لیا اور دربار شاہی میں پہنچے۔ جوں ہی زمین شاہ نے امیرالمومنین کے وزیر کو دیکھا تخت سے اتر کر استقبال کیا اور بہت تکریم سے لاکر بٹھایا۔ اتنے میں نورالدین بھی ہتھکڑی پہنے ہوئے پہنچا۔ وزیر نے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اسکو تو خلیفہ نے فرمان دیکر بھیجا تھا۔ کہ تخت حکومت دیدیا جائے اور یہاں گرفتار ہے۔ پھر نورالدین کو آزاد کرایا اور اپنے پاس بٹھا کر کل واقعہ سنا اور سخت ناراضگی کے

وزیر کا نورالدین کو رہا کرنا

عالم بن سوی کو گرفتار کرالیا اور زین شاہ کو خلیفہ کے احکام سے واضح کیا اور نورالدین کو تخت پر بٹھا کر خود معہ سوی اور زین شاہ کے بغداد واپس آیا اور خلیفہ کے سامنے ان دونوں کو پیش کیا اور عرض کیا کہ اگر میں ایک ساعت بھی دیر میں پہنچتا تو نورالدین قتل ہو چکا تھا۔ خلیفہ کو بہت ناگوار گذرا اس نے زین شاہ سے پوچھا کہ تم نے کیوں حکم عدولی کی۔ زین شاہ نے کل سچا واقعہ عرض کر دیا کہ میرے وزیر نے امیرالمومنین کے فرمان میں کوئی گڑبڑ کردی اور مجھے بہکا دیا۔ ورنہ نورالدین کو بلا کر دریافت فرمالیں کہ میں تو اسی وقت تعمیل حکم کو تیار تھا۔ خلیفہ نے سوی کو تو قتل کرادیا اور زین شاہ کا قصور معاف کر دیا اور نورالدین کی خواہش پر دوبارہ حاکم بصرہ بنا کر بھیجدیا۔ تو نورالدین بغداد آگیا۔ خلیفہ نے حسن افروز اس کو بخش دی اور ایک معقول وظیفہ مقرر کر دیا۔ نیز اجازت دیدی کہ دربار خلافت میں آتے رہا کرو۔ نورالدین حیران تھا کہ خلیفہ کا وزیر عین وقت پر کیسے پہنچا۔ اس نے حسن افروز سے بھی ذکر کیا۔ حسن افروز کہنے لگی کہ تمہارے بصرے جانے کے بعد جب کئی روز تک کوئی اطلاع نہیں ملی تو میں بہت پریشان تھی۔ ایک روز بیٹھی ہوئی مزاقیہ اشعار گا رہی تھی کہ خلیفہ تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا کہ آپکے خادم نورالدین کا کچھ پتہ نہیں چلا اسوقت خلیفہ کو یاد آیا اور انہوں نے وزیر کو بھیجا۔

نورالدین نے بغداد میں ایک خوبصورت مکان بنالیا اور حسن افروز کیساتھ شریفانہ زندگی گذارنے لگا۔ یہ کہانی ختم ہوئی نور صبح ظاہر ہو چلا تھا شہریار بستر راحت سے اٹھے اور حاجات ضروریہ میں مشغول ہو گئے۔ شہرزاد کے قتل کا حکم نہیں دیا گیا۔

شاہ ایران اور جواہر شاہزادی دریا کی کہانی

کسی زمانہ میں ایران کا ایک بادشاہ تھا جس کا نام شاہ زماں تھا۔ سو سے زائد کنیزیں اور بیگمات اس کی حرم سرا میں تھیں لیکن اولاد کسی کے نہیں تھی۔ گو بادشاہ کی عمر زیادہ نہ تھی۔ لیکن اسکو لڑکے کی بہت تمنا تھی ایک روز ایک تاجر کنیزیں لایا۔ ان میں ایک کنیز اتنی خوبصورت تھی کہ بادشاہ نے بھی اپنی عمر میں ویسی عورت نہیں دیکھی تھی۔ شاہ زماں اس کو دیکھ کر عاشق ہو گیا اور دس ہزار دینار میں خرید کرلی۔ چند ہی روز میں کنیز کو باعزاز محل میں رکھنے کا حکم دیدیا۔ تاکہ کلفت سفر دور ہو جائے۔ اس عرصہ میں بھی بادشاہ روزانہ کنیز کے پاس جاتا گفتگو کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن ابھی وہ خاموش تھی۔ کہ کسی بات کا جواب نہ دیتی تھی۔ شاہ زماں کی محبت برابر بڑھتی رہتی اور عشق جنون کی حد تک جا پہنچا۔ مگر وہ کنیز منہ سے نہ بولی۔ شاہ زماں نے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کو آزاد کر دیا۔ اور باقی کنیزوں کو بھی انعام واکرام دیکر آزاد کر کے رخصت کر دیا بیگمات کو بھی چھوڑ دیا۔ اور اجازت دیدی کہ جہاں وہ چاہیں نکاح کرلیں۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن نئی کنیز بدستور چپ رہی شاہ زماں دن رات پروانہ وار نثار رہتا۔ سیکڑوں غلام اور کنیزیں خدمت کو موجود رہتیں۔ غرض دلجوئی کی کوئی شکل ایسی نہ تھی جو بادشاہ نے اسکے لئے استعمال نہ کی ہو۔ آخر ایک روز یہ سوچ کر کہ اس سے عقد کر کے قرب

حاصل کروں۔ ممکن ہے اسوقت مہر خاموشی ٹوٹے۔ شادی کرلی اور شب عروسی میں بہت چاہا کہ وہ بات چیت کرے لیکن اس نے منہ نہ کھولا۔ بادشاہ جب قربت سے فارغ ہوا۔ اس کو محسوس ہوا کہ زندگی کا جو مزہ آج ملا ہے وہ کبھی تصور میں بھی نہیں آیا تھا۔ شاہ زماں ایک شب باشی میں اسکا سو گنا زیادہ گرویدہ ہوگیا۔ اس حالت میں دو تین ماہ گذر گئے۔ ایک روز بادشاہ نے بڑی ہی محبت سے جو اب ملکہ بن چکی تھی گلے لگا کر پوچھا کہ میں تم پر جان نثار کرتا ہوں مگر تم مجھ سے بات تک نہیں کرتیں اسکا کیا سبب ہے۔ وہ کنیز مسکرائی اور کہنے لگی کہ میرا ارادہ تو بولنے کا نہیں تھا لیکن تمہاری محبت اور حسن سلوک نے مجبور کردیا۔ میں ایک بحری بادشاہ کی لڑکی ہوں۔ میرا نام گلنار ہے۔ والد کا انتقال ہوا تو ہمارے قریب کے دریائی بادشاہ نے حملہ کردیا۔ میرے بھائی ملک صالح نے مقابلہ شروع کیا۔ شروع میں تو ہم لوگ مغلوب ہو گئے تھے۔ لیکن دوبارہ حملہ کرکے بھائی نے اپنی سلطنت واپس لے لی۔ اسی دوران میں بھائی سے میری ایک بات پر لڑائی ہوگئی اور میں دریا سے نکل کر خشکی میں آگئی شروع شروع میں جزیرہ قمر میں میں نے قیام کیا۔ وہاں ایک شخص آیا اور مجھے اپنے گھر لے گیا اور شادی کرنی چاہی۔ میں نے انکار کیا اور اسکو سمجھایا کہ میں بحری مخلوق ہوں میرا تمہارا کیا ساتھ۔ لیکن وہ بیوقوف نہ مانا اور زبردستی کرنی چاہی تو میں نے اسکو ایسی سزا دی کہ زندگی بھر فراموش نہیں کریگا۔ مجبور ہو کر اس نے مجھے ایک تاجر کے ہاتھ فروخت کردیا جو آپ کے پاس لایا تھا۔ وہ نیک آدمی تھا۔ اس نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ آپ کے پاس آکر بھی میرا ارادہ یہی تھا۔ کہ اگر آپ نے کوئی دوسرا ارادہ کیا تو سختی سے پیش آؤں گی لیکن یہاں تمہاری محبت نے مجھے جیت لیا۔ میں نے تمہاری وہ قربانی دیکھی جو تم نے اپنی کلی بیگموں اور کنیزوں کو میرے لئے چھوڑ کر کی پھر میرے ساتھ بھی تمہارا تعلق والہانہ تھا۔ میرے دل میں بھی تمہاری جگہ ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو تمہارے حوالہ کردیا اور اب میں امید سے ہوں۔ آج مجھے اپنے اعزہ یاد آرہے ہیں۔ اور جی چاہتا ہے کہ ان کو بلاؤں اور تم سے بھی ملاؤں۔ شاہ زماں نے اسکو پیار سے گود میں لیتے ہوئے کہا۔ کہ تمہیں اختیار ہے جو جی چاہے کرو لیکن یہ سمجھ لو کہ تمہارے بغیر مجھے جینا مشکل ہوگا۔ گلنار نے بادشاہ کے سینہ پر اپنا سر رکھتے ہوئے کہا کہ تم خواہ مخواہ وہم کیوں کرتے ہو۔ میں کبھی تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ جب میں نے شادی منظور کرکے اپنی عفت تمہاری نذر کردی تو اب اور کیا باقی رہا ہے۔ میں خود بھی زندگی بھر تم سے جدا ہونا نہیں چاہتی۔ دونوں اس طرح راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے۔ بادشاہ کی دو آرزوئیں ایک ساتھ پوری ہوگئیں۔ یعنی ملکہ امید سے بھی تھی اور گفتگو بھی کرنے لگی۔ اسکے بعد گلنار نے انگیٹھی میں آگ روشن کی اور صندل کا برادہ جلا کر کچھ پڑھتی رہی۔ بادشاہ کو اس نے قریب کے کمرے میں ایسی جگہ بٹھا دیا تھا کہ جہاں سے وہ سب کو دیکھ سکے۔ جس محل میں یہ لوگ رہتے تھے وہ بالکل لب دریا تھا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ دریا کے پانی میں ایک تلاطم بپا ہوا۔ پھر ایک طلائی بالوں والا جوان۔ پانچ اور خوبصورت لڑکیاں اور ان سب کی ہمشکل ایک بوڑھی عورت پانی سے نکلے اور محل میں سیدھے اس جگہ پہنچ گئے جہاں گلنار بیٹھی تھی۔ گلنار ان کو دیکھ کر تعظیم کیلئے کھڑی ہوگئی۔ سب گلنار سے ملے اور دیر تک

پیار سے اس کو سینے سے لگائے رکھا۔ بوڑھی عورت نے پوچھا کہ بیٹی تم اتنی مدت تک کہاں رہیں اور ہمیں
کیوں اپنے حالات سے بے خبر رکھا تمہیں کیا معلوم ہے کہ تمہاری جدائی میں کیا گذری۔ تمہارے بھائی نے

زیر بحر کوئی ملک نہیں چھوڑا جہاں تجھے تلاش نہ کر آیا ہو۔ وہ اسوقت کو یاد کر کے روتا تھا جب تم سے معمولی
بات پر جھگڑا کر بیٹھا تھا۔ گلنار نے سر جھکایا اور کہنے لگی اماں جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ اب میں آپ سے اور بھائی صاحب
سے بھی معافی چاہتی ہوں۔ ملک صالح نے اپنی بہن کے سر پہ ہاتھ رکھ کر پیار کیا اور کہنے لگا نہیں بہن غلطی
میری تھی اور مجھے امید ہے کہ تم نے مجھے معاف کر دیا ہوگا۔ خدائے بزرگ و برتر کا شکر ہے کہ آج تم ہم سے
مل گئی ہو اور میں چاہتا ہوں کہ ہمارے ساتھ ہی اپنی سلطنت میں چلو۔ بادشاہ نے جب ملک صالح کا یہ
مشورہ سنا تو زمین پاؤں تلے سے نکل گئی۔ کیونکہ وہ گلنار کو اتنا پیار کرنے لگا تھا کہ اسکے بغیر ایک دن بھی
نہیں رہ سکتا تھا۔ گلنار نے کہا۔ حالات نے مجھے اس ملک کے بادشاہ تک پہنچا دیا ہے اور وہ مجھ سے محبت
کرنے لگا۔ اپنی تمام بیگمات کو اس نے چھوڑ دیا اور مجھ پر بیحد احسانات کئے۔ چنانچہ میں اسکو چاہنے لگی اور
شادی کر لی۔ اب میرا جانا دشوار ہے۔ شاید میں اس کی جدائی برداشت نہ کر سکوں۔ لیکن آپ سے ملنے کیلئے
ضرور حاضر ہوتی رہوں گی اور آپ سب بھی تشریف لا کر میری عزت افزائی فرماتے رہا کیجئے گا۔ گلنار کا جواب
سنکر بادشاہ کو اطمینان ہو گیا۔ لیکن گلنار کی بہنیں آبدیدہ ہو گئیں۔ اور کہنے لگیں کہ خدا کی مرضی یوں تھی۔
کیا چارہ ہے۔ ملک صالح اور اس کی والدہ نے کہا کہ تمہارے شوہر کہاں ہیں۔ ہم سب ان سے ملنے گے

مشتاق ہیں۔ گلنار اٹھ کر بادشاہ کو اپنے ہمراہ لائی۔ سب لوگوں نے بڑی محبت سے ملاقات کی۔ ملک صالح نے اس حسن سلوک کا شکریہ جو بادشاہ نے گلنار سے کیا تھا ادا کیا۔ گلنار کی والدہ نے اپنے داماد کو بہت پیار و محبت سے سینے سے لگایا۔ بادشاہ نے ان کی تشریف آوری پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور کہنے لگا کہ شاہزادی نے مجھے نوازا یہ ان کی ذرہ پروری ہے۔ حقیقتاً میں اس قابل نہ تھا۔ میں زندگی بھر ان کی خوشنودئی مزاج کیلئے کوشش کرتا رہونگا۔ آپ لوگوں سے عزیز داری باعث صد افتخار ہے اور مجھے امید ہے کہ کبھی کبھی غریب خانہ کو اپنے قدم میمنت لزوم سے عزت بخشتے رہیئے گا۔

ملک صالح بادشاہ کی گفتگو سنکر بہت خوش ہوا۔ کہ بڑا صالح اور قابل آدمی ہے۔ پھر دستر خوان چنا گیا۔ اور سب نے ایک ساتھ بیٹھکر کھانا کھایا۔ تین روز تک بادشاہ نے سب کو مہمان رکھا اور خاطر و مدارات میں ایسا مبالغہ کیا کہ شاہان ہفت اقلیم نہ کر سکتے۔ اس کے بعد سب رخصت ہو کر جانے لگے تو گلنار نے ماں کو بتایا کہ مجھے امید ہے۔ وقت ضرورت آپکو اطلاع دوں گی۔ ملک صالح وغیرہ جسطرح آئے تھے اس طرح واپس چلے گئے۔ بادشاہ اور گلنار کی بڑے پیار و محبت سے بسر ہوتی رہی یہاں تک کہ ولادت کا وقت آگیا۔ ملکہ گلنار نے اپنی ماں کو دریا سے بلالیا۔

آخر ایک روز بعد میں لڑکا پیدا ہوا۔ اسکا نام بدر رکھا گیا۔ بادشاہ نے بہت مال و دولت یتیم تقسیم کیا اور تمام حدود مملکت میں جشن منانے کا حکم جاری کر دیا۔ گلنار نے بھائی بہنوں کو بھی اطلاع کر دی۔ وہ سب بھانجے کو دیکھنے کیلئے آئے اور کئی روز مقیم رہے لیکن ملک صالح ایک روز بدر کو لئے ٹہل رہے تھے کہ دفعتہً دریا میں مع بچے کے کود گئے۔ بادشاہ بہت پریشان ہوا لیکن گلنار نے ہنس کر کہا کہ آپ پریشان

ماموں کا بھانجے کو دریا میں لیکر کودنا

نہ ہوں وہ بچے کو اندرون دریا کی سیر کرا کے لے آئیں گے اور آئندہ پھر بچے کو دریا میں جانے سے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ تھوڑی دیر میں ملک صالح بچے کو لئے ہوئے واپس آئے اور ایک صندوقچہ جواہرات سے بھرا ہوا بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ یہ عزیزی بدر کی رونمائی ہے۔ بادشاہ نے جواہرات دیکھے تو وہ ساری مملکت سے بھی زیادہ قیمتی تھے۔ بادشاہ نے گلنار کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا کر کہنے لگی کہ ماموں اپنے بھانجے کو اگر کچھ دیتے ہیں تو آپ کو یا مجھے کیا اعتراض ہے۔ ملک صالح نے کہا کہ بھائی صاحب میری بہن پر آپ کی بڑی عنایات ہیں اور وہ آپ کو دل وجان سے چاہتی ہے۔ اگر میں زیر دریا کے کل موتی ہیرے بے بہا بھی لا کر نذر کر دوں تو گراں باری احسان سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ بادشاہ نے وہ جواہرات شکریہ کے ساتھ رکھ لئے۔ پھر ملک صالح نے کہا کہ زیر دریا دوسرے اعزہ بھی گلنار کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کو اپنے ساتھ لیجاؤں۔ شاہ زماں نے خندہ پیشانی سے اجازت دیدی اور کہا کہ ملکہ مختار ہیں۔ پابند نہیں۔ اگر پابندی ہے تو میرے لئے ہے کہ میری زندگی ان کے قرب سے وابستہ ہے۔ گلنار نے دیکھا کہ بادشاہ کا چہرہ اتر گیا ہے۔ اس نے تنہائی میں اپنے شوہر کو بلایا۔ اور گردن میں ہاتھ ڈال کر کہنے لگی کہ تم رنجیدہ نہ ہو۔ میں زیادہ دن نہیں ٹھہروں گی۔ مجھے تمہاری جدائی خود ہی شاق ہے۔ لیکن بھائی بہنوں کے اصرار کی وجہ سے جا رہی ہوں۔ اس کے بعد وہ سب کے ساتھ دریا میں کود کر غائب ہو گئی۔ دو تین دن بادشاہ نے بڑے کرب واضطراب سے گذارے۔ چوتھے روز وہ اداس بیٹھا تھا کہ گلنار ہنستی ہوئی آئی اور اپنے شوہر کے سینے سے لپٹ گئی۔ بادشاہ دیر تک اس کو اور بچے کو پیار کرتا رہا۔ اب یہ سب راحت وآرام سے رہنے سہنے لگے۔ گلنار کے عزیز رشتہ دار بھی کبھی کبھی ملنے کو آتے۔ گاہ بگاہ ایک دو دن کو گلنار بھی ہو آتی۔ بدر جب ہوشیار ہوا تو اس کی تعلیم وتربیت کے لئے بہترین استاد مقرر کئے گئے۔ اسی طرح پندرہ سال گذر گئے اور تعلیم و تربیت حاصل کر کے بدر ایک جوان صالح بن گیا۔ بادشاہ نے تاج وتخت بدر کے حوالہ کر دیا اور خود گوشہ نشین بن گیا۔ بدر نے اپنی قابلیت اور رحمدلی سے ساری رعایا کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اسی دوران میں شاہ زماں بیمار ہو گیا اور ہر ممکن علاج معالجہ کے باوجود حکم الٰہی پورا ہوا۔ اور اس کا انتقال ہو گیا۔ چالیس روز تک صف ماتم بچھی رہی۔ گلنار کو کسی طرح قرار نہ آتا تھا۔ بدر باپ کے لئے دن رات روتا تھا۔ آخر ایک روز ایک صالح آیا اور بہن کو سمجھایا کہ اس طرح سلطنت تباہ ہو جائے گی۔ تمہیں اپنا تو نہیں بدر کا خیال کرنا چاہیئے۔ وہ جوان صالح اور قابل ہے۔ حکومت کو سنبھال لے گا۔ گلنار نے بھی سوچا بھائی ٹھیک کہتا ہے۔ چنانچہ سوگ ختم ہو گیا اور بدر کے ساتھ انتظام سلطنت میں مصروف ہو گئی۔ بدر حسب قاعدہ دربار کرتا۔ امرار وزرار حاضر ہوتے اور سب لوگ اپنی داد کو پہنچتے۔ بدر کی عمر سترہ سال ہو چکی تھی۔ وہ بڑا تنومند جوان تھا۔ بری وبحری خون کے امتزاج نے جہاں اس کو اوسط انسان سے بہت زیادہ خوبصورت بنا دیا تھا وہیں اس کے قویٰ بھی غیر معمولی طور پر مضبوط تھے ایک روز ملک صالح اپنی بہن کے پاس آیا ہوا تھا کھانے کے جب بدر سونے کے لئے لیٹ گیا اور یہ خیال گذرا کہ وہ سو چکا ہے تو ملک صالح نے بہن سے اس کی شادی کا ذکر چھیڑا کہ گئی

شہزادیوں کا ذکر آیا لیکن گلنار ہر ایک میں کوئی نہ کوئی عیب نکالتی رہی۔ ملک صالح نے کہا جب کوئی لڑکی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی تو آخر اس کی شادی کہاں کرو گی۔ میں نے تمام دریائی شہزادیوں کو گنوادیا صرف ایک سمندال کی لڑکی رہ گئی ہے۔ اسکا ذکر میں نے خود بالارادہ نہیں کیا۔ کیونکہ وہ بہت مغرور اور متکبر شخص ہے۔ گلنار کہنے لگی۔ کہ کیا تم جواہر کا ذکر کرتے ہو۔ ملک صالح نے کہا ہاں۔ یہ دیکھو میں اس کی تصویر بھی لایا ہوں۔ لیکن دشواری یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا تعالےٰ جانے کیا سمجھتا ہے۔ دسیوں جگہ سے رشتے آچکے ہیں۔ لیکن وہ برابر جواب دیئے جارہی ہے۔ گلنار نے تصویر لیکر دیکھی پھر بھائی سے کہنے لگی۔ کہ لڑکی تو میرے بدر کے جوڑ کی ہے میں اسی سے شادی کرونگی۔ آپ کوشش کر کے دیکھیں۔ ملک صالح نے کہا بہت مشکل کام ہے مجھے امید نظر نہیں آتی۔

اس کے بعد یہ دونوں بہن بھائی سو گئے۔ ان لوگوں نے تو سمجھا تھا کہ بدر سو گیا ہے۔ لیکن وہ جاگ رہا تھا۔ اپنی شادی کا ذکر سنکر خاموش لیٹا رہا۔ اور ماں و ماموں کی پوری باتیں سن لیں۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ دونوں سو گئے ہیں تو آہستگی سے اٹھا اور ماں کے سرہانے رکھی ہوئی جواہر شاہزادی کی تصویر دیکھی اور سو جان سے عاشق ہو گیا۔ وہ رات بدر نے بڑے کرب و اضطراب سے گذار دی۔ صبح کو ملک صالح اپنے ملک کو جانے لگا۔ تو بدر نے بڑے اصرار سے روک لیا۔ دوپہر کو کھانے کا وقت آیا۔ تو بمشکل دو چار لقمے کھا کر اٹھ گیا۔ ملک صالح کو شبہ ہوا کہ شاید اس نے رات کی گفتگو سن لی اور کوئی تعجب نہیں جو تصویر دیکھ کر جواہر پر عاشق بھی ہو گیا ہو چنانچہ وہ بدر کو شکار کے بہانے باہر لے گیا اور دم دلاسہ دے کر اصل واقعہ معلوم کر لیا۔ اسکے بعد بدر سے کہا۔ کہ چلو میں گلنار سے اجازت لیکر تمہیں اپنے ساتھ لے چلتا ہوں اور امکانی کوشش بھی کرونگا۔ بدر کہنے لگا۔ کہ والدہ کبھی اجازت نہیں دیں گی اور حکومت کی ذمہ داریوں کا عذر کر دیں گی۔ آپ بلا اطلاع مجھے لے چلیئے۔ ملک صالح نے کہا۔ اچھا آؤ۔ چنانچہ دونوں دریا میں کود کر ملک صالح کے ملک میں پہونچ گئے۔ وہاں نانی اور خالوں نے بڑی محبت سے آؤ بھگت کی گلنار کی خیر و عافیت پوچھی۔ ملک صالح ماں کو ایک طرف لے گیا اور سارا واقعہ سنایا۔ وہ کہنے لگی تم نے برا کیا۔ ملک سمندال بڑا خود سر ہے وہ شاید منظور نہ کرے۔ ملک صالح نے کہا۔ اب جو کچھ بھی ہو میں بدر کی دل شکنی بھی نہیں کر سکتا۔ جاتا ہوں۔ اگر سیدھی طرح مان گیا تو اچھا ہے۔ ورنہ اسکے ملک کو برباد کر دوں گا اور زبردستی جواہر کو لا کر بدر کی شادی کر دونگا۔ ماں سے مشورہ کر کے ملک صالح نے بہت سے تحائف ساتھ لئے اور بقدر ضرورت فوجوں کا انتظام کر کے ملک سمندال سے ملنے کیلئے روانہ ہو گیا۔ ملک سمندال کو معلوم ہوا کہ ملک صالح ملنے آرہے ہیں تو اس نے آداب معاصرانہ کے طور پر استقبال کیا اور تشریف آوری کی وجہ دریافت کی۔ ملک صالح نے تحائف پیش کر کے رشتہ کی تقریب کی۔ ملک سمندال کو غصہ آگیا اور کہنے لگا میں تو تمہیں عقلمند اور دانا سمجھتا تھا لیکن میرا خیال غلط نکلا۔ کیا تم مجھ جیسے بادشاہوں کے یہاں رشتہ کرنے کے قابل ہو۔ ملک صالح کو ناگوار تو بہت ہوا۔ لیکن ضبط کر کے کہا کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی میں اپنے بھانجے کے

لئے رشتہ طلب کر رہا ہوں۔ جو شاہ ایران کا لڑکا ہے۔ خشکی میں اس کی حدود سلطنت کسی بڑے سے بڑے دریائی بادشاہ سے کم نہیں ہیں۔ اور عرض یہ ہے کہ اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔ بہر حال آپ لڑکی کا رشتہ تو کہیں نہ کہیں ضرور کریں گے اگر میں نے بھی درخواست پیش کی تو کیا نادانی ہوئی۔ ملک سمندال حقیقتاً بیحد مغرور قسم کا بادشاہ تھا۔ غصہ میں ملازمین کو حکم دیا کہ ملک صالح کو نکال دیں۔ ملک صالح نے دیکھا معاملہ بگڑ گیا۔ وہ خود ہی اٹھا اور باہر آکر اپنی فوج کو حکم دیا کہ ملک سمندال کے شہر پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ اچانک فوج آپڑی۔ سمندال گرفتار ہو گیا اور اس سے پہلے کہ اس کی حالت سنبھلتی۔ ملک صالح کو اپنے ملک سے مزید کمک پہونچ گئی۔ چنانچہ اس نے پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

— شاہزادی جواہر کو جب واقعات کا علم ہوا تو وہ اپنی خواصوں کے ساتھ بھاگی۔ اور ایک غیر آباد جزیرے میں چھپ گئی۔

جب اس جنگ کا چرچہ بدر کو معلوم ہوا تو وہ بھی ماموں کی امداد کے خیال سے روانہ ہوا۔ لیکن راہ کی ناواقفیت کی بنا پر ادھر اُدھر پھرتا رہا۔ سمندال کے ملک تک نہ پہنچا۔ پریشان ہو کر دریا سے باہر آیا تو اتفاقاً اس جزیرے کے کنارے نکلا جہاں جواہر بنت سمندال چھپی ہوئی تھی۔ بدر باہر نکل کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اوپر جو نظر پڑی تو دیکھا۔ ایک حسین و جمیل ماہ پارہ لڑکی پتوں میں چھپی بیٹھی ہے۔ بدر نے آواز دیکر نیچے بلایا اور تسلی دی کہ یہاں کوئی خطرہ نہیں۔ تم مجھے اپنا حال بتاؤ۔ ممکن ہے میں کوئی خدمت کر سکوں۔ جواہر حوصلہ پا کر نیچے آئی اور اپنا حال بتایا۔ میں ملک سمندال کی لڑکی جواہر ہوں۔ ہمارے ملک پر غفلت میں ملک صالح نے

جواہر شاہزادی کا درخت پر چھپنا اور بدر کا آنا

حملہ کیا والد قید ہو گئے اور میں بھاگ کر یہاں چلی آئی۔ بدر کو جب معلوم ہوا کہ یہ تو وہ ہی لڑکی ہے جس کی وجہ سے یہ سب خون خرابہ ہوا ہے۔ بہت خوش ہوا۔ اور جواہر کے حسن کو دیکھ کر اور بھی زیادہ مائل ہو گیا۔ پھر بدر

نے اپنا حال بتایا۔ اور کہا کہ میری شادی کے لئے یہ سب جھگڑا ہوا ہے اور میں ہی ملک صالح کا بھانجہ بدر ہوں
جواہر دل ہی دل میں بہت پچھتائی اور سوچنے لگی کہ ہمارے ملک کی بربادی اسی کی وجہ سے ہوئی۔ اس کو سزا
دینی چاہیئے۔ چنانچہ پہلے تو اس نے کچھ شرما کر ناز و انداز دکھائے اور جب بدر کو غافل پایا تو کچھ علم پڑھ کر اس پر
دم کیا اور حکم دیا کہ سفید پر سرخ پنجے اور زرد چونچ والی چڑیا بن جا۔ بدر اسی وقت چڑیا بن گیا جواہر نے پکڑ
کر ایک خواص کے سپرد کیا اور کہنے لگی کہ جو تو یہ چاہتا ہے کہ ٹانگیں چیر کر پھینکدوں۔ لیکن والد اس کے ماموں
کے پاس قید ہیں اسلئے فی الحال قتل نہیں کرتی تو اس کو لیجا کر فلاں خشک جزیرے میں چھوڑ آ۔ کنیز چڑیا کو
لیکر چلی لیکن شہزادے کی حالت اور خوبصورتی کو دیکھ کر اسے رحم آگیا اور اس نے ایک آباد جزیرے میں
چھوڑ دیا۔ ملک صالح جب سمندال کو گرفتار کر چکا تو جواہر شاہزادی کو بہت تلاش کیا لیکن اسکا کہیں پتہ نہ چلا
مجبوراً سمندال کو لیکر اپنے ملک میں واپس آیا۔ وہاں آکر بدر کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا۔ اس کا بھی پتہ نہیں۔ ملک صالح
نے ہر طرف ملازم روانہ کئے۔ لیکن باوجود کوشش کے کوئی سراغ نہیں ملا۔ اسی دوران میں گلنار آگئی اور بدر
کو پوچھا۔ کیونکہ بلا اطلاع آیا تھا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ بدر گم ہے۔ تو بہت پریشان ہوئی۔ لیکن بھائی بہنوں
نے تشفی دی کہ تم فکر نہ کرو۔ جہاں کہیں بھی ہوگا ہم تلاش کر کے لائیں گے۔ ملکہ گلنار تو اس خیال سے واپس
چلی آئی کہ انتظام سلطنت میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو جائے لیکن ملک صالح برابر بدر کی تلاش میں رہا

بدر جزیرے میں چڑیا بنا ہوا اڑتا پھرتا تھا کہ اتفاقاً ایک شکاری کی نظر پڑ گئی۔ اس نے جال بچھایا
اور اُسے پکڑ لیا۔ جب وہ شکاری اس کو لیکر چلا تو بہت سے لوگوں نے خریدنا چاہا لیکن شکاری نے انکار کر دیا
کہ میں اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دونگا۔ ایسی چڑیا اجتک اس جزیرے میں نہیں دیکھی گئی ہے اور
کافی انعام ملنے کی امید ہے۔ جب بادشاہ کے سامنے وہ چڑیا پیش ہوئی۔ تو بادشاہ نے بہت پسند کیا۔ اور
شکاری کو معقول انعام دے کر چڑیا لے لی۔ شام کو بادشاہ نے بیگم کو بلایا کہ دیکھو کیسی عجیب و غریب چڑیا
خریدی ہے۔ ملکہ کی جوں ہی نظر پڑی منہ پھیر لیا اور کہنے لگی کہ یہ چڑیا نہیں ملکہ گلنار کا لڑکا ایران کا
بادشاہ ہے۔ اس کو جواہر بنت سمندال نے چڑیا بنا دیا۔ بادشاہ بہت متعجب ہوا اور بیگم سے کہنے لگا کہ
اگر ممکن ہو تو اس کو صورت اصلی پر لادو۔ ملکہ نے اسی وقت کچھ پڑھ کر پانی پر دم کیا اور بادشاہ کو دیا کہ
اس چڑیا پر ڈال دیجئے اور حکم دیجئے کہ صورت بنت اصلی پر آجا۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ بدر اپنی اصلی صورت
پر آگیا۔ بادشاہ کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ بدر نے دونوں کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ چند روز وہاں
مہمان رہا۔ اور بادشاہ سے اجازت لیکر ایک جہاز میں سوار ہو کر ایران کی طرف روانہ ہوا دس بارہ روز
جہاز اطمینان سے چلتا رہا لیکن اسکے بعد ایک روز دفعتہً بہت زور کا طوفان آیا اور جہاز پارہ پارہ ہو کر
تباہ ہو گیا۔ اکثر آدمی غرق ہو گئے۔ چند مسافر تختوں کے سہارے بچ نکلے۔ انہی میں بدر بھی تھا۔ دن بھر
ادھر اُدھر تیرتے بدر کا تختہ کنارے پر جا لگا۔ بدر اس سے اتر کر خشکی پر آیا۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر درختوں
کے پتے اور کچھ جنگلی پھل کھا کر پانی پیا۔ جب توانائی آگئی تو آبادی کی تلاش میں آگے کیطرف بڑھا۔

دو دن یونہی جنگلی پھول پھل کھاتا چشموں کا پانی پیتا ہوا ایک شہر کے قریب پہنچا اور خوش خوش اندر جانے لگا تو چاروں طرف سے جانور اسکو روکنے لگے۔ جدھر بڑھتا وہ اپنے سینگوں سے مارنے کو دوڑتے خدا خدا کر کے بڑی مشکل سے شہر کے اندر داخل ہوا۔

شاہزادے کو جانوروں کا روکنا

اندر جا کر بدر نے دیکھا۔ شہر میں ایک بھی جوان یا ادھیڑ آدمی نہیں صرف بوڑھے ہی بوڑھے ہیں۔ اسے بہت تعجب ہوا۔ اور دل میں سوچا کہ ضرور کسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ میں نے بڑی غلطی کی ان جانوروں کے روکنے کو نہ سمجھا۔ یہ ہی سوچتا ہوا جا رہا تھا۔ کہ ایک بوڑھے شخص نے جو دوکان پر بیٹھا تھا۔ اس کو آواز دی۔ بدر قریب گیا۔ اور سلام کیا اور دوکان پر بیٹھ گیا۔ بوڑھے شخص نے کہا ادھر جان ہار کیا شہر سے باہر تمہیں جانوروں نے نہیں روکا۔ بدر نے کہا روکا تھا۔ لیکن میں بچ بچا کر نکل آیا۔ بڑے میاں کہنے لگے اندر آ جاؤ۔ مجھے تمہاری جوانی پر رحم آتا ہے۔ تم یہاں کہاں مصیبت میں آن پھنسے ہو۔

بدر خوف کے مارے اندر چھپ کر بیٹھ گیا۔ پھر بوڑھے کو اپنی ساری داستان سنائی کہ یہاں کس طرح آنا ہوا۔ بڑے میاں نے کہا کہ خیر جو کچھ ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ یہاں کی ملکہ ساحرہ ہے اور بہت ہی بدچلن و آوارہ ہے جس جوان اور خوبصورت آدمی کو دیکھتی ہے اپنے محل میں لیجاتی ہے اور جب تک اسکا جی نہیں اکتاتا اس کے ساتھ عیش کرتی ہے اور اتنی چاہت ظاہر کرتی ہے کہ وہ شخص ملکہ کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اسکے بعد جب اس کی طبیعت سیر ہو جاتی ہے تو اس کو جانور بنا کر چھوڑ دیتی ہے چنانچہ جتنے جانور تم نے باہر دیکھے وہ سب انسان ہیں اور اس فاحشہ کے ساتھ بدکاری کر چکے ہیں۔ آخر

اس نے ان کو جانور بنا کر چھوڑ دیا ہے لیکن تم پریشان نہ ہو۔ میرے پاس رہو۔ اور میری مرضی کے بغیر کہیں نہ آؤ جاؤ۔ بدر اس کے پاس رہنے لگا۔ آنے جانے والے بدر کو دیکھتے تو بہت حیران ہوتے۔ ایک حسین اور توانا جوان ملکہ کی نظر سے کیسے بچ گیا۔ بوڑھے سے جو کوئی پوچھتا وہ کہہ دیتا کہ میرا بھتیجہ ہے۔ اس طرح ایک مہینہ گذر گیا۔ لیکن بدر کو وہاں سے نکلنے کا موقعہ نہیں ملا۔

ایک دن ملکہ کی سواری بازار سے گذر رہی تھی کہ عبداللہ کی دوکان پر بیٹھے ہوئے بدر پر اسکی نظر پڑی۔ ملکہ اسکا حسن وجمال اور اٹھان دیکھکر بیتاب ہوگئی۔ ادھر تو مدت سے ملکہ کو کوئی جوان نہیں ملا تھا اس لئے آتش شہوت بھڑکی ہوئی تھی۔ ادھر بدر کی شکل و صورت لاکھوں میں انتخاب تھی۔ ملکہ عنان ضبط کھو کر عبداللہ کی دوکان پر آکر رکی۔ اور کہنے لگی۔ کہ یہ کون ہے۔ عبداللہ نے کہا کہ میرا بیٹا ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ اس پر نظر عنایت رکھیں گی۔ ملکہ نے کہا کہ عبداللہ میں آگ اور روشنی کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ عبداللہ میں اس کو کوئی تکلیف نہیں دوں گی۔ اسے میرے پاس بھیجدے۔ اتنا حسین اور توانا جوان میں نے آجتک نہیں دیکھا۔ عبداللہ نے کہا۔ اچھا میں کل اسے آپ کے پاس بھیجدونگا ملکہ کا جی تو نہ چاہتا تھا۔ لیکن مجبوراً اس وقت چلی گئی۔ لیکن جاتے ہوئے پھر پھر کر بدر کو دیکھتی رہی۔ ملکہ کے جانے کے بعد عبداللہ نے بدر سے کہا کہ تم نے دیکھا یہ کتنی بے حیا اور عیاش عورت ہے۔ بہرحال جانا تو تمہیں پڑیگا۔ لیکن آگ اور روشنی کی قسم کھائی ہے جو اس کے معبود ہیں۔ اسلئے مجھے امید ہے کہ تمہیں جلدی تکلیف نہیں دے گی۔ لیکن تم ہوشیار رہنا۔ اور جب اسکے انداز بدلے ہوئے دیکھو۔ یا کوئی عجیب حرکت تمہاری نظر میں آئے۔ تو فوراً میرے پاس چلے آنا اور بتا دینا۔ میں اسکا انتظام کردونگا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب اسکا انجام قریب آگیا ہے اور تمہارے ہی ذریعہ سے یہ مصیبت ختم ہوگی۔

دوسرے روز ملکہ پھر آئی اور کہنے لگی کہ میں نے آج کی رات بڑی مشکل سے گذاری ہے۔ تم نے بہت ظلم کیا ہے کہ کل اس کو میرے ساتھ نہیں بھیجا۔ پھر وہ بدر کو ساتھ لیکر اپنے محل میں آگئی۔ وہاں بدر کی بہت خاطر تواضع ہوئی۔ شب کو ملکہ وصل کی طالب ہوئی۔ اور باوجود انتہائی نفرت کے بدر اسکے ساتھ سویا۔ ملکہ نے بدر کے وصل میں وہ لذت حاصل کی کہ زندگی بھر کے ہزاروں تجربے بھول گئی۔ اور اتنی بدر پر مہربان ہوئی کہ کسی وقت آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی تھی۔ چند روز میں بدر نے محسوس کیا کہ اگر یہ دیوانی اسی طرح مجھ سے لپٹی رہی تو تھوڑے ہی دنوں میں اپنی صحت وجوانی برباد کروں گا لیکن مجبور تھا کیا کرتا۔ غرض یوں ہی چالیس روز گذر گئے۔ سب لوگ متعجب تھے کہ آج تک ملکہ نے کسی کو ایک ہفتہ سے زیادہ اپنے پاس نہیں رکھا۔ اس پر اتنی مہربان کیوں ہے۔ عبداللہ بھی کچھ مطمئن ہو چلا تھا کہ شاید ملکہ اپنی قسم کا پاس کر رہی ہے۔ لیکن ایک شب کو جب ملکہ شراب وصال پی کر فارغ ہوئی تو بدر نے اندازے سے معلوم کیا کہ اب یہ مجھ سے سیر ہو چکی ہے۔ چنانچہ وہ ہوشیار ہو گیا۔ ملکہ نے جب سمجھا کہ وہ سوچکا ہے تو وہ اٹھی۔ پہلے سحر سے ایک چشمہ بنایا۔ اس میں سے پانی لیا۔ پھر کچھ میدہ لیکر اس کو گوندھا۔ اسکے بعد

اس میں ایک قسم کی زرد مٹی اور کچھ ماش کا آٹا ملایا اور اس کی ایک روٹی تیار کی۔ پھر بدستور آکر بدر کے پاس سو گئی۔ صبح کو بدر غسل سے فارغ ہوا تو اجازت لیکر عبداللہ کے پاس آیا اور رات کا کل ماجرا بیان کیا۔ عبداللہ نے کہا کہ کمبخت اپنے قول و اقرار سے پھر گئی ہے۔ تم بیٹھو۔ میں انتظام کرتا ہوں۔ پھر عبداللہ نے اسی قسم کی ایک روٹی لاکر بدر کو دی۔ اور سمجھایا۔ کہ آج جب وہ تمہیں اپنی بنائی ہوئی روٹی کھلانے کا اصرار کرے تو بڑی ہوشیاری سے وہ روٹی جیب میں رکھ لینا اور میری دی ہوئی روٹی کھا لینا۔ اسکے بعد مناسب طریقہ سے اس روٹی میں سے جو ملکہ تمہیں دے گی تھوڑی سی اسکو کھلا دینا۔ اور یہ پانی جو میں شیشی میں دیتا ہوں اس پر چھڑک کر جس جانور کے بننے کا حکم دوگے۔ وہ ہی جانور بن جائے گی۔ اسوقت اس کو میرے پاس لے آنا پھر جیسا مناسب ہوگا۔ کریں گے۔ بدر عبداللہ کا شکریہ ادا کرکے ملکہ کے محل میں واپس آگیا۔ ملکہ نے اسکو چھاتی سے لگا کر پیار کیا۔ پھر پوچھا دیر کیوں کردی۔ بدر نے کہا اباجی کھانے کیلئے اصرار کرتے تھے لیکن مجھ سے تمہارے بغیر کھایا نہ جاتا تھا۔ اسلئے عذر وغیرہ کرکے اب بمشکل آیا ہوں۔ پھر بھی چچا نے اپنے ہاتھ سے پکائی ایک خمیری روٹی دی ہے۔ اور کہا ہے کہ اسکو ضرور کھا لینا۔ میرا جی خوش ہو جائیگا۔ ملکہ نے کہا بہت اچھا ہوا کہ تم نے کھانا نہیں کھایا۔ آج میں نے تمہارے واسطے اپنے ہاتھ سے ایک کلچہ تیار کیا ہے اسکو کھانا۔ پھر بدر کا ہاتھ پکڑ کر دسترخوان کیطرف جاتے ہوئے کہنے لگی کہ نہ جانے تم نے مجھ پر کیا جادو کر دیا ہے کہ ہر روز تم پر زیادہ سے زیادہ فریفتہ ہوتی جا رہی ہوں۔ اسکے بعد دونوں دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ ملکہ نے اپنے ہاتھ کی پکائی ہوئی روٹی بدر کو دی۔ بدر نے عبداللہ والی روٹی بھی نکالکر رکھدی۔ دونوں شکل و صورت میں یکساں تھیں۔ پھر ملکہ سے بدر نے کہا کہ ذرا پانی دیجیئے۔ ملکہ نے منہ پھیرا۔ بدر نے روٹی بدل لی اور نہایت اطمینان سے عبداللہ والی روٹی کھانے لگا۔ اور بڑے اصرار سے دوسری روٹی ملکہ کو کھلائی۔ جب دونوں روٹی کھا چکے تو ملکہ نے بدر پر پانی کا چھینٹا دے کر آواز دی کہ اندھے۔ لنگڑے بڈھے گھوڑے کی شکل بن جا لیکن بدر جوں کا توں کھڑا رہا۔ ملکہ بہت حیران ہوئی۔ اتنے میں بدر نے جیب سے شیشی نکالکر اس کا پانی ملکہ پر چھڑکا اور حکم دیا کہ ایک خوبصورت گھوڑی بن جا۔ ملکہ فوراً گھوڑی بن گئی۔ گھوڑی نے بدر کے پیروں پر سر رکھدیا گویا معاف کرانا چاہتی ہے۔ لیکن بدر کیا کر سکتا تھا۔ وہ گھوڑی کو لے کر عبداللہ کے پاس آیا۔ عبداللہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور گھوڑی کے منہ میں لگام دے کر زین کس دیا۔ پھر بدر سے کہا کہ اس پر سوار ہو کر اپنے وطن چلے جاؤ۔ لیکن میری یہ ہدایت یاد رکھنا کہ خواہ کوئی مرد ہو یا عورت گھوڑی کی لگام کسی کے ہاتھ میں نہ دینا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

بدر عبداللہ کا شکریہ ادا کرکے گھوڑی پر سوار ہوا اور ایران کی طرف روانہ ہو گیا۔ چند روز تک بڑے آرام سے سفر کرتا رہا۔ ایک روز ایک بوڑھا ملا۔ اور بدر سے ادھر ادھر کی بات چیت کرتا رہا۔ پھر دیر تک گھوڑی کی تعریف کی۔ اتنے میں ایک بڑھیا آئی اور بدر کے پاس کھڑی ہو کر رونے لگی بدر نے پوچھا کیا بات ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ میرے پوتے کے پاس بالکل ایسی ہی گھوڑی تھی۔ اتفاقاً

بدر اور بڑھیا

وہ مرگئی۔ اب بچہ کسی طرح نہیں مانتا۔ اور روئے جارہا ہے کہ ویسی ہی گھوڑی لونگا۔ اگر تم مہربانی کرو اور یہ گھوڑی فروخت کردو تو نوازش ہوگی۔ تمہیں اس سے بھی بہتر گھوڑی یہاں سے مل جائے گی۔ بدر نے اس خیال سے کہ کسی طرح یہ بلا ٹلے کہہ دیا کہ مائی اس گھوڑی کی قیمت دس ہزار اشرفی ہے۔ بڑھیا نے فوراً اشرفیاں نکالکر سامنے ڈالدیں اور کہنے لگی کہ روپیہ میرے بچہ سے زیادہ عزیز نہیں۔ تم اپنے منہ مانگے دام لو۔ بدر گھبرایا کہ یہ بڑی مصیبت ہوئی۔ چنانچہ اس نے کہا کہ میں تو فروخت نہیں کرتا۔ بڈھے نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ تم نے ایک قیمت مانگی اس نے دیدی۔ اب انکار کا کیا مطلب اگر تم بڑھیا کو گھوڑی نہیں دوگے تو ہم حاکم کے سامنے پیش کریں گے اور یہاں بدعہدی کی سزا موت ہے۔ بدر پریشان ہوا کہ اب کیا کروں۔ مجبوراً گھوڑی سے اترا۔ اور لگام بڑھیا کو پکڑادی۔ وہ گھوڑی کو لیکر چند قدم چلی پھر اس پر پڑھ کر کچھ دم کیا۔ وہ گھوڑی اپنی شکل میں آگئی۔ بدر شہزادی کو دیکھ کر کانپ گیا۔ ملکہ نے کہا کہ تم نے میرے ساتھ جو سلوک کیا اس کی سزا ضرور بھگتنی پڑے گی۔ پھر وہ بڈھا جن کی شکل بن کر تینوں کو اٹھا کر لے اڑا اور ہوا میں فراٹے بھرتا ہوا اس شہر کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں بدر ملکہ کے ساتھ چالیس روز تک داد عیش دے چکا تھا۔ بدر کو سب سے زیادہ پریشانی یہ تھی کہ یہ ظالم اب کسی جانور کی شکل بنا کر چھوڑ دے گی

جن تینوں کو لیکر ملکہ لاب کے محل میں اترا۔ جہاں شہزادہ رہتا تھا۔ بڑھیا نے جو ملکہ کی ماں تھی ملکہ کو بہت سخت سست کہا۔ کہ تیری لاپرواہی کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی اور بر وقت میں خبر

جن کا تینوں کو لیکر اُڑنا

نہ لیتی تو نہ جانے تیرا کیا حشر ہوتا۔ ملکہ نے اسی وقت بدر کو ایک اُلّو بنا کر پنجرے میں بند کر دیا اور خواصوں کو حکم دیدیا کہ اسکو دانہ پانی نہ دیں۔ ایک رحمدل خواص خاموشی سے دانہ پانی دیتی تھی۔ اس نے عبداللہ کو بدر کی گرفتاری کی اطلاع دیدی۔ اُسے سُن کر بہت صدمہ ہوا وہ جانتا تھا کہ اسوقت ملکہ سے کچھ کہنا سننا بیکار ہے۔ چنانچہ اس نے گھر آکر کچھ پڑھا۔ پھر زور سے زمین پر پیر مارا۔ اسی وقت ایک جن حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کہ کیا حکم ہے۔ عبداللہ نے کہا کہ ملکہ لاب کی فلاں کنیز کو اسی وقت ایران میں ملکہ گلنار کے پاس پہنچادو جن نے کہا بہت بہتر ہے۔ چنانچہ وہ خواص کو لیکر اڑا اور ملکہ گلنار کے سامنے لیجا کر حاضر کر دیا۔ خواص نے کل واقعات ملکہ کو سُنائے۔ ملکہ بدر کی اطلاع پاکر تو بہت خوش ہوئی لیکن اس کی مصیبت پر آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ملکہ گلنار نے اسی وقت دریا میں جاکر ملک صالح کو اطلاع دی۔ ملک صالح نے کہا کہ تم فکر نہ کرو میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ جنوں کی بہت بڑی فوج لیکر ملکہ لاب کے شہر پر چڑھ گیا۔ اور ایک خونریز جنگ کے بعد اسکو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ پھر بدر کا پنجرہ منگا کر اس کو اصلی حالت میں لایا اور سینہ سے لگا کر بہت دیر تک پیار کیا۔ عبداللہ کو بھاری خلعت دے کر اس ملک کا حاکم مقرر کر دیا۔ جس خواص نے اس شہزادے کی اسیری کے زمانہ میں خبر گیری کی تھی۔ اسکو بہت انعام و اکرام دیا اور شہر کے ان تمام لوگوں کو جو جانور بنے پھرتے تھے اصلی حالت میں لاکر اس عذاب سے نجات دی اس کے بعد ملک صالح نے ملکہ لاب اور اس کی والدہ کو قتل کیا۔ اور جشن مناتے ہوئے اپنے وطن کو واپس ہوئے۔ ملکہ گلنار بدر سے مل کر دیر تک خوشی کے آنسو بہاتی رہی۔

بدر کے اصرار پر ملک صالح نے ملک سمندال کو رہا کر دیا۔ شہزادے نے ہاتھ باندھ کر عرض

کیا۔ مجھ کو فرزندی میں قبول فرمایئے۔ ملک سمنداں نے بدر کو پیار کیا اور اعلان کر دیا کہ میں جواہر کی شادی بدر سے منظور کرتا ہوں۔ پھر ملک صالح نے سمنداں کا ملک اس کو واپس کر دیا۔ ملک سمنداں اپنے ملک میں پہنچا اور تلاش کر کے شہزادی جواہر کو بلایا۔ اور ایک سعید شادی کے لئے مقرر کر دی۔ چنانچہ ملک صالح اور ملکہ گلنار بڑی دھوم دھام سے بارات لے کر گئے اور جواہر کا بدر سے نکاح ہو گیا۔ حجلہ عروسی میں جواہر نے بدر سے معافی مانگی۔ بدر نے محبت سے گلے لگا کر معاف کر دیا اور پھر سب اپنے اپنے ملک میں عیش و عشرت سے رہنے لگے۔

الف لیلہ جلد دوم ختم ہوئی

الف لیلہ جلد سوم

فتنہ اور غانم کی کہانی

جواہر کی کہانی جب ختم ہوئی تو خلاف بادشاہ نے بھی تعریف کی۔ اور کہنے لگا۔ کہ شہرزاد انصاف پسند ہے۔ عورتوں کی بدکاریوں کا پردا بھی فاش کرنے سے نہیں رکتی۔ شہرزاد نے مسکرا کر عرض کیا کہ حضور نے عورت کی برائی پر غور فرمایا۔ لیکن وفادار عورتوں کی داد نہ دی۔ شہریار نے ہنس کر کہا۔ میں ان کی حالت پر بھی غور کر رہا ہوں۔ اس کے بعد شہرزاد نے کہانی شروع کی۔

کسی زمانے میں شہر دمشق کا ایک مشہور سوداگر ایوب تھا۔ بڑا مالدار اور صاحب حشمت اور شریف النفس اس کا لڑکا تھا غانم اور ایک لڑکی الکلنب۔ غانم کا آغاز جوانی ہی تھا کہ ایوب کا انتقال ہوگیا۔ ایام عزا گذرنے کے بعد غانم نے اپنے مال کا جائزہ لیا۔ اسمیں سو گٹھڑی عمدہ کپڑا تھا جس پر بغداد کے نام کی پرچیاں لگی ہوئی تھیں۔ غانم نے ماں سے ان کا حال پوچھا۔ تو وہ کہنے لگی کہ تمہارے والد بیماری سے پہلے بغداد جانے والے تھے اور ان کی عادت تھی کہ جدھر مال لے جانا ہوتا۔ یا جہاں کے لئے مال خریدتے اس پر اس مقام کے نام کی پرچی لگایا کرتے تھے۔ اب ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ تم یہ مال یہیں فروخت کر دینا۔ غانم نے اسوقت تو کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن دل میں تہیہ کر لیا کہ میں اس مال کو ضرور بغداد لے جاؤں گا۔ ایک روز جبکہ غانم کی والدہ خوش تھیں۔ اس نے مال لیکر بغداد جانیکی اجازت چاہی۔ ماں نے بیٹے کی عمر اور ناتجربہ کاری کی بنیاد پر روکنا چاہا۔ لیکن غانم بڑا اصرار کرتا رہا۔ مجبوراً اس نے اجازت دیدی اور غانم کپڑے کی وہ گٹھریاں لیکر بغداد روانہ ہوگیا۔ دمشق اس زمانے میں خلفائے عباسیہ کے ماتحت تھا اور امیر المومنین خلیفہ ہارون الرشید کی طرف سے محمد ابن زبینی ابن سلیمان وہاں حاکم مقرر تھا۔

غانم نے بغداد پہنچکر ایک معقول مکان کرائے پر لیا اور چند روز کی سفر کی کلفت دور کرنے کے لئے آرام کیا۔ اس کے بعد مال کا نمونہ لیکر بازار گیا۔ بغداد کے سوداگروں نے کپڑا بہت پسند کیا اور مناسب نرخوں پر خرید کیا۔ غانم ایک روز فروخت شدہ مال کی قیمت وصول کرنے کیلئے بازار پہنچا تو دیکھا اکثر کپڑے کی دوکانیں بند ہیں۔ دریافت حال پر معلوم ہوا کہ ایک مشہور کپڑے کا تاجر مر گیا ہے اور سب اسکی تجہیز و تکفین

کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ غانم بھی مرحوم سوداگر کے گھر پہنچا۔ اور جنازہ کیساتھ شریک ہو کر قبرستان تک گیا۔ اسکے بعد باقی لوگوں کیساتھ دوبارہ مرحوم کے مکان پر پہنچے۔ وہاں جاکر غانم کو معلوم ہوا کہ اور لوگ شب کو یہیں رہیں گے۔ اور فاتحہ خوانی وغیرہ ہوگی۔ غانم کو خیال آیا۔ کہ ایسا نہ ہو میری عدم موجودگی میں ملازم مال وغیرہ لیکر فرار ہو جائیں۔ اسلئے وہ اپنے مکان کیطرف واپس لوٹا لیکن جب شہر کے قریب آیا تو یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوا کہ شہر پناہ کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ مجبوراً ملحقہ قبرستان میں بنی ہوئی عمارت میں رات گذارنے کا ارادہ کرکے اندر چلا گیا۔ ابھی غانم کو لیٹے ہوئے کچھ دیر نہیں گذری تھی کہ تین آدمی ایک صندوق اٹھائے قبرستان میں داخل ہوئے۔ غانم نے یہ سمجھ کر کہ معلوم نہیں کون ہیں اور کیا لائے ہیں۔ ایک درخت کی آڑ میں چھپ گیا۔ ان آدمیوں نے جو بظاہر غلام معلوم ہوتے تھے۔ ایک قبر نما گڑھا کھودا اور اس صندوق کو اس میں دبا کر مٹی ہموار کردی اور خاموشی سے واپس چلے گئے۔ غانم کے دل میں رفع استعجاب کی خواہش اتنی بڑھی کہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس نے گڑھے کو مٹی سے صاف کیا۔ اور صندوق کو نکالکر کھولا۔ اُسے امید تھی کہ اس میں یا تو کسی شخص نے اپنا مال دفن کیا ہے۔ یا کسی مصیبت ناک جرم کو چھپانے کے لئے یہ کارروائی کی گئی ہے جسوقت صندوق کا ڈھکنا اٹھایا تو اس نے دیکھا کہ ایک نوجوان اور بیحد حسین زندہ عورت اسمیں بند ہے۔ یہ دیکھ کر اسے بہت تعجب ہوا اور عورت کو نکالکر کھلی ہوا میں لٹا دیا۔

جب اسکو ہوش آیا تو اس نے غالباً اپنی کنیزوں کا نام لیکر پکارنا شروع کیا۔ اور جب کوئی جواب نہ ملا تو حیران ہو کر اپنے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ پھر قبرستان کو پہچان کر بڑبڑائی۔ کیا قیامت کا دن

تین اجنبیوں کا صندوق گاڑنا

آگیا؟ اتنے میں غانم اسکے قریب آیا۔ اور تسلی تشفی دے کر جو کچھ واقعہ گذرا تھا۔ اس کو بتایا۔ عورت نے

اس کا بیحد شکریہ ادا کیا۔ اور کہنے لگی کہ میں اس دوبارہ زندگی کیلئے صرف آپکی ممنون ہوں۔ صبح سویرے شہر جا کر ایک گدھا لے آنا اور اسی طرح صندوق میں بند کر کے مجھے اپنے گھر لے چلنا۔ گو میں پیدل چل سکتی ہوں لیکن ممکن ہے اپنے لباس اور وضع قطع سے پہچان لی جاؤں۔ غانم نے جو اس کی صورت دیکھکر عاشق ہو چکا تھا۔ تعمیل ارشاد کا وعدہ کیا۔ چنانچہ علی الصبح اس عورت کو بدستور صندوق میں بند کر کے شہر سے ایک گدھا لایا۔ اور صندوق اس پر رکھ کر اپنے گھر لے آیا۔ پھر بازار سے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لاکر سامنے رکھیں دونوں نے ناشتہ کیا۔ دوران طعام میں غانم نے اس کا حال دریافت کیا۔ وہ کہنے لگی میرا نام فتنہ ہے اور خلیفہ ہارون الرشید کی کنیز ہوں۔ خلیفہ مجھ پر بہت مہربان تھے۔ زبیدہ خاتون کو یہ ناگوار تھا۔ اسی نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ بہرحال میں خدا کے بعد تمہاری شکرگزار ہوں کہ مجھے زندہ درگور ہونے سے بچایا۔ میں امید کرتی ہوں کہ تم فی الحال اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہیں کرو گے۔ کیونکہ اگر زبیدہ بیگم کو معلوم ہو گیا۔ غانم نے اسکو اطمینان دلایا کہ آرام کے ساتھ رہو۔ میں اس معاملہ میں بالکل خاموش رہوں گا۔ اس کے بعد وہ بازار گیا اور دو خادمائیں فتنہ کیلئے لایا۔ تاکہ اس کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ فتنہ نے کہا کہ مجھ پر تمہارے احسانات بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ اگر خدا کو منظور ہوا اور میرے حالات بدلے تو انشاءاللہ میں بھی کسی وقت تم سے کوتاہی نہیں کروں گی۔ ہر وقت کے قرب نے غانم کی آتش محبت کو تیز کر دیا۔ وہ بھی یہی سمجھتا تھا کہ فتنہ کا دل بھی سوزش سے خالی نہیں۔ لیکن اس نے ضبط سے کام لیا۔ کیونکہ فتنہ امانت تھی۔ ابھی اسکو کوئی حق نہیں تھا کہ فتنہ کو ہاتھ لگا سکتا۔

زبیدہ فتنہ کو زندہ دفن تو کرا بیٹھی لیکن بہت متفکر تھی کہ جب خلیفہ واپس آکر پوچھیں گے تو کیا جواب دوں گی۔ وہ جانتی تھی کہ خلیفہ کو فتنہ سے بہت لگاؤ ہے۔ آتے ہی طلب کریں گے۔ مجبور ہو کر زبیدہ نے اپنی دائی کو بلایا۔ جو بڑی ہوشیار اور لگائی بجھائی کے فن میں یکتا تھی۔ دائی تمام حالات سنکر بولی۔ کہ آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ میں ایک فرضی مردہ تیار کرتی ہوں۔ آپ اعلان کرا دیجئے کہ اچانک فتنہ مر گئی۔ پھر اس کی قبر پر ایک عمدہ مقبرہ بنوا دیجئے۔ تاکہ بعد میں کوئی دیکھ بھال نہ ہو سکے۔ یہ تجویز زبیدہ نے بھی پسند کی۔ بڑھیا نے ایک فرضی مردہ تیار کیا اور محلات میں مشہور کر دیا کہ فتنہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ دایہ نے چند رازدار کنیزوں کے ساتھ غسل و تکفین کا اہتمام خود ہی کیا۔ تاکہ کسی کو شبہ کا موقع نہ ملے جعفر کو اطلاع کرائی گئی اور بڑے تزک و احتشام سے فرضی فتنہ دفن کر دی گئی۔ زبیدہ نے خود اتنے رنج و ملال کا مظاہرہ کیا۔ گویا اس کی اپنی بڑی بہن مر گئی ہے ایک عمدہ قسم کے مقبرہ کا حکم دیدیا گیا۔ جس کی تعمیر میں زبیدہ نے خود دلچسپی لی۔ غرض کہ خلیفہ کی واپسی سے پہلے پہلے سب مراسم پورے کر دیئے گئے۔ جب خلیفہ اپنے سفر سے واپس آئے تو فتنہ کے مرجانے کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے۔ اور مقبرے پر جا کر خود فاتحہ پڑھا لیکن دوسرے ہی دن اپنے کاروبار سلطنت میں ایسے مشغول ہوئے کہ گویا کوئی خاص حادثہ نہیں ہوا تھا۔ فتنہ نے بھی یہ حالات غانم کی زبانی سُنے۔ وہ کہنے لگی۔ خدا کا شکر ہے۔ میں زندہ سلامت ہوں

اور خدا نے چاہا تو دشمنوں کی چالیں ان ہی کے خلاف مصیبت کا باعث بنیں گی۔ جب فتنہ کو خلیفہ کی آمد کا علم ہوا تو اس نے اپنی تجویز پر عمل درآمد شروع کیا۔ غانم کو ایک خط لکھ کر دیا کہ فلاں شخص کو دے آؤ۔

خلیفہ ہارون الرشید دوپہر کے کھانے کے بعد قیلولہ کے لئے لیٹے تو ایک مقرب خاص کنیز نورالنہار پنکھا کرنے لگی۔ جب ہر طرف سکون اور خاموشی ہو گئی تو اس نے خلیفہ سے عرض کیا کہ حضور فتنہ زندہ ہے خلیفہ نے کہا۔ تو بیوقوف ہو گئی ہے۔ اسکو تو مرے ہوئے کئی ہفتے ہو چکے ہیں۔ وہ بولی کہ حضور یہ خط ملاحظہ فرمائیں۔ آج ہی ایک عزیز کی معرفت مجھے ملا ہے۔ خلیفہ نے خط لیکر پڑھا۔ تو سکتے کی حالت میں رہ گیا دیر تک دماغ میں مختلف خیالات کا ہجوم رہا۔ اسکے بعد خلیفہ نے تنہائی میں زبیدہ کو بلایا اور خط دکھا کر اصل حالات دریافت کئے۔ ایک مرتبہ تو خط پڑھ کر زبیدہ سرد ہو گئی۔ لیکن وہ بیحد ذہین اور باحوصلہ عورت تھی۔ خط کے مطالعہ کے دوران ہی میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے کیا جواب دینا چاہیئے۔ اتفاقاً خط میں فتنہ نے اپنا غانم کے یہاں رہنا وغیرہ تو سب کچھ لکھ دیا لیکن زبیدہ کے متعلق صرف اس قدر لکھا تھا کہ ان کے بارے میں سب کچھ زبانی عرض کروں گی۔

خط پڑھ کر زبیدہ نے خلیفہ سے کہا کہ مجھے مدت سے فتنہ کے چال چلن کے بارے میں شکوک تھے آپ کے جانے کے بعد وہ شکوک بڑھے۔ میں نے اس کو روکنا چاہا تو وہ حرم سرا سے نکل گئی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ یہ خبر مشہور ہو۔ کیونکہ فتنہ کے متعلق بغداد کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ وہ آپ کی منظور نظر ہے۔ مجبوراً میں نے یہ سوانگ تیار کیا اور فرضی مقبرہ بھی بنوا دیا۔ جب آپ آئے تو میں نے اس واقعہ کا ذکر آپ سے نہیں کیا۔ کیونکہ آپ کو صدمہ پہنچتا۔ یہ صحیح ہے کہ میں نے شکوک کی بنا پر کچھ سختی کی لیکن اب وہ آپ سے ملکر میری کچھ شکایات کرنا چاہتی ہوگی۔ بلا کر سن لیجئے۔ کیونکہ وہ آپ کی محبوبہ ہے۔ کنیزی کا فخر تو مجھے حاصل ہے یہ دوسری بات ہے کہ ملکہ کہلاتے ہوئے بھی آپ کی نظروں سے گری ہوئی ہوں۔ اتنا کہہ کر زبیدہ نے رونا شروع کر دیا۔ ہارون الرشید جو حقیقتاً زبیدہ کا پرستار تھا۔ یہ سب حالات سنکر بہت برہم ہوا۔ زبیدہ کو بہت پیار سے تسلی دیکر رخصت کیا اور کہا۔ کہ اگر تم اس حالت میں اس کنیز کو قتل بھی کرا دیتیں۔ تو تمہیں اختیار تھا اس کے بعد باہر آکر حکم دیا کہ غانم سوداگر دمشق کو گرفتار کر کے اس کا مال واسباب ضبط کر لیا جائے۔ فتنہ کو لا کر محل شاہی میں زیر حراست رکھا جائے۔ اسوقت کوتوال شہر سپاہیوں کا ایک دستہ لیکر غانم و فتنہ کی گرفتاری کیلئے روانہ ہوا۔ اتفاقاً فتنہ کو خبر پہنچ گئی کہ کوتوال تمہاری گرفتاری کیلئے آتا ہے۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے غانم سے کہا کہ تم غلاموں کا لباس پہن کر نکل جاؤ میں اپنا انتظام کرا لونگی۔ جسوقت غانم ایک غلام کی وضع میں باہر نکلا تو سپاہیوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا تھا۔ لیکن اس کو غلام سمجھ کر جانے دیا۔ اس کے بعد کوتوال اندر آیا۔ فتنہ کو سلام کیا اور شاہی حکم سنایا فتنہ نے کہا میں تیار ہوں۔ کوتوال نے غانم کے متعلق دریافت کیا۔ فتنہ نے کہا وہ تو بہت روز سے باہر گیا ہوا ہے اور اسکا مال واسباب میری تحویل میں ہے۔ آپ اس کی حفاظت کا انتظام کیجئے۔ کوتوال نے کل سامان سربمہر کر کے بیت المال میں رکھنے

کیلئے بھیجدیا۔ فتنہ محل کے زنانہ مجلس میں قید کردی گئی۔ کوتوال نے سب واقعات دربار خلافت میں عرض کئے ہارون الرشید کو جب معلوم ہوا کہ غانم نہیں ملا تو بہت ناراض ہوا۔ جعفر کو حکم دیا کہ اس وقت والی دمشق کو حکم لکھو کہ غانم ابن ایوب کا کل مال و اسباب بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ اگر وہ خود موجود ہو تو گرفتار کر کے بغداد بھیجدو۔ وہ نہ ملے تو اہل خانہ کو شہر بدر کر دو۔

یہ حکم جسوقت زمین والیٔ دمشق کو ملا۔ اس نے افسران ماتحت کو اجراء فرمان شاہی کا حکم دے کر غانم کے گھر بھیجا۔ غانم کی ماں اور بہن اس کی کوئی اطلاع نہ ملنے کی وجہ سے بہت پریشان تھیں کہ سپاہی حکم شاہی لے کر پہنچے۔ سب سے پہلے غانم کے متعلق سوال کیا۔ وہ کہنے لگیں کہ وہ مال و اسباب لیکر بغداد گیا تھا اور مدت سے کوئی خبر اسکی نہیں ملی۔ ہم سخت پریشان ہیں۔ جو افسر تعمیل حکم کے لئے گیا تھا اس کو بہت افسوس ہوا کہ ان بے گناہوں پر کیوں ظلم کیا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ غانم نے کوئی سخت جرم کیا ہو لیکن اس کی سزا بھی اسی کو بھگتنی چاہیئے۔ لیکن دربار خلافت کے احکام ٹالنا بھی اس کے بس کی بات نہ تھی۔ مجبوراً ان عورتوں کو بغداد سے آیا ہوا حکم سنایا اور کہا گو میں جانتا ہوں کہ تم بے گناہ ہو۔ لیکن خلیفہ کا حکم ہے۔ اس کی تعمیل ضرور ہو گی۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں سے سیدھی بغداد چلی جاؤ۔ اور دربار امیرالمومنین میں عرض کرو کہ ہم بلا قصور زیر عتاب لائی گئی ہیں۔ مجھے یقین ہے۔ کہ دادرسی ہو گی اس عرصہ میں تمہارا مال و اسباب حکومت کی زیر نگرانی رہے گا۔ بس یہی وہ ممکن رعایت ہے جو میں تم سے کر سکتا ہوں۔

غانم کی والدہ اور ہمشیرہ حکم حاکم مرگ مفاجات کے مطابق بے یار و مددگار دمشق سے نکلیں

غانم کی ماں اور بہن کا دمشق سے اخراج

تمام شہر میں اس ظلم کا چرچہ تھا۔ آج تک امیر المومنین نے کبھی ایسا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ بڑی ہی زیادتی ہوئی ہے غریبوں کے لئے کوئی مامن ملجاء نہیں رہا تھا۔ کچھ زاد راہ لیکر روتی ہوئی بغداد کی طرف روانہ ہوئیں۔ خلیفہ ہارون الرشید فتنہ کو قید کر کے چند روز بہت غم و غصہ کی حالت میں رہا۔ لیکن زبیدہ نے بہت ہوشیاری اور عقلمندی سے اسکا رُخ اس طرف سے پھیر کر امور سلطنت کیطرف پھیر دیا۔ یہاں تک کہ چند روز بعد خلیفہ سب کچھ بھول کر امور ضروریہ کی انجام دہی میں منہمک ہو گیا۔ اسی طرح کچھ مدت گذر گئی۔ ایک روز ہارون الرشید زنانہ مجلس شاہی کی سمت سے گذرا تو اسے فتنہ کے رونے کی آواز آئی۔ تو دفعتہً پچھلے واقعات یاد آ گئے۔ چنانچہ اسی وقت محافظین کو حکم دیا کہ فتنہ کو حاضر کریں۔ فتنہ آئی تو بہت جوش کی حالت میں تھی۔ ہاتھ باندھ کر کہنے لگی۔ کہ آپ خلیفہ ہیں۔ اور آپ کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔ لیکن آپ جسکے خلیفہ ہیں وہ احکم الحاکمین تمام اعمال کا نگراں ہے۔ آپ نے غانم کے متعلق جو کچھ احکام صادر فرمائے ہیں۔ وہ بعید از انصاف ہیں۔ بغیر تحقیقات آپ نے اسکو مجرم قرار دیدیا۔ اور بالفرض وہ مجرم بھی ہو۔ لیکن اس کی ماں اور بہن کا کیا قصور تھا۔ وہ بیچاریاں کیوں شہر بدر کر دی گئیں اور ان کا مال و اسباب چھین کر بلا سہارا چھوڑ دیا گیا۔ مجھے ابتک یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ نے مجھے کس جرم میں قید کیا ہے۔ غانم ایک شریف اور دیانتدار آدمی ہے۔ اس نے مجھ پر احسان عظیم کیا۔ میری جان بچائی۔ عزت و آبرو کی حفاظت کی۔ معلوم نہیں اس غریب پر کیوں عتاب شاہی نازل ہوا۔

فتنہ نے غصہ کی حالت میں وہ سب کچھ کہدیا جو عام حالات میں کوئی بھی خلیفہ کے سامنے کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ خلیفہ نے کہا بیشک غانم کی والدہ اور بہن کے متعلق غلط حکم دیدیا گیا۔ لیکن تم محل سرائے سے باہر کیوں گئیں۔ فتنہ نے کل واقعات سنائے۔ خلیفہ اس سے بہت متاثر ہوا۔ ممکن تھا وہ زبیدہ سے کچھ پوچھ گچھ کرتا۔ لیکن فتنہ نے جس جوش کے ساتھ غانم اور اسکے گھر والوں کی وکالت کی تھی اس نے خلیفہ کے دل کے بعید گوشوں میں شک کی چنگاری کو روشن کر دیا۔ اس نے خیال کیا کہ ممکن ہے زبیدہ نے جوش رقابت میں اس کے ساتھ ظلم کیا ہو۔ لیکن بہر حال یہ غانم کی طرف مائل ہو چکی ہے۔ خلیفہ کا یہی شک زبیدہ کی ساری کارروائی کی چشم پوشی کا باعث بن گیا۔ اس نے غانم کا قصور معاف کر دیا اور ایک اعلان عام کے ذریعہ اس کو اور اس کی والدہ و ہمشیرہ کو دربار میں بلایا۔ لیکن غانم کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ فتنہ انتظار کرتی رہی کہ معافی کا اعلان سنکر وہ جہاں کہیں بھی ہو گا ضرور آجائیگا لیکن وہ نہ آیا تو مایوس ہو کر فتنہ خود غانم کی تلاش میں نکلی۔ فتنہ خیر خیرات کرتی ہوئی ایک راہ سے گذر رہی تھی کہ اسے ایک سوداگر ملا جو سخاوت میں بہت مشہور تھا۔ فتنہ نے اس کو ایک ہزار دینار دیئے کہ یہ میری طرف سے خیرات کر دینا۔ سوداگر نے فتنہ کا لباس فاخرہ دیکھ کر سمجھا کہ یہ کسی معزز خاندان سے معلوم ہوتی ہے اس لئے ادب کے ساتھ عرض کیا کہ حضور کل سے دو نو وارد عورتیں میرے مکان پر ٹھہری ہوئی ہیں جو بہت خستہ حال ہیں۔ اگر آپ کو بار نہ ہو تو غریب خانہ پر چل کر اپنے ہاتھ سے ان کو عنایت کیجئے۔ فتنہ نے انکا احوال دریافت

کرنا چاہا تو سوداگر نے عرض کیا کہ حضور میں نے ان کی زبون حالی دیکھ کر فی الحال ان کے حالات دریافت کرنے مناسب نہ سمجھے۔ چنانچہ فتنہ فوراً اس کے مکان پر روانہ ہوئی۔ سوداگر کی بیوی نے نہایت عزت و احترام سے بٹھایا اور خاطر تواضع کی۔ فتنہ نے کہا کہ مجھے ان نووارد عورتوں سے ملاؤ۔ سوداگر کی بیوی فتنہ کو ان کے پاس لے گئی۔ اور وہ نووارد عورتیں بیٹھی ہوئی رو رہی تھیں۔ فتنہ نے ان کو تسلی تشفی دی اور کچھ دینار پیش کر کے ان کا حال دریافت کیا۔ غانم کی ماں نے کہا۔ کہ ہماری مصیبت کا باعث خلیفہ کی محبوبہ فتنہ ہے میں ایوب نامی سوداگر کی بیوی ہوں۔ میرا بیٹا غانم یہاں مال تجارت لیکر تجارت کی غرض سے آیا تھا۔ اس پر کسی ظالم نے فتنہ کے اغوا کا الزام لگایا اور گرفتار کرا دیا۔ نہ معلوم میرے بیٹے کا کیا حال ہے اور کس جگہ ہے اور اسکے بعد حاکم دمشق کے تمام مظالم بیان کر کے زار وقطار رونے لگی۔ اور کہنے لگی کہ اگر اب بھی غانم صحیح سلامت مل جائے تو ہمارا رنج وغم سب دور ہو جائے۔ یہ سنکر فتنہ بولی کہ تمہاری مصیبت کا باعث میں ہوں۔ اب خلیفہ نے غانم کا گناہ معاف کر کے اسکا تمام مال واسباب اصل سے دوگنا کر کے عطا کر دیا ہے اور تمہاری طلبی خلیفہ کے یہاں ہے۔ کئی دن سے تمہاری تلاش میں منادی ہو رہی ہے۔ اس کے بعد فتنہ پر جو واقعات پیش آئے تھے بیان کئے۔ ابھی یہ عورتیں غانم کی تلاش کا آئندہ پروگرام سوچ ہی رہی تھیں کہ وہ ہی سوداگر اندر آیا۔ اور کہنے لگا کہ دیہات سے میرے شفاخانہ میں ایک نوجوان مریض آیا ہے۔ حال پوچھتے ہیں تو روتا ہے۔ حال نہیں بتاتا۔ فتنہ سب کو تشفی دے کر سوداگر کے ساتھ مریض کے پاس آئی یہاں آکر دیکھا تو وہ غانم تھا۔ لیکن بہت کمزور اور لاغر ہو گیا تھا۔ فتنہ نے قریب بیٹھ کر آواز دی اور پوچھا کہ کیا حال ہے۔ غانم نے آنکھیں کھول کر اسکو دیکھا۔ وہ ایک آہ سرد کے ساتھ بیہوش ہو گیا۔

غانم کے بستر علالت پر فتنہ کا آنا

سوداگر نے لخلخہ سنگھایا۔ کچھ دیر بعد غانم کو ہوش آیا۔ تو اس نے فتنہ کے متعلق پوچھا۔ سوداگر نے کہا۔ وہ عنقریب آئے گی۔ خلیفہ نے تمہارا قصور معاف کر دیا ہے۔ جب تم تندرست ہو جاؤ گے تو اطمینان سے سب حالات سن لینا۔

فتنہ اندر آئی اور غانم کی والدہ کو مبارکباد دی۔ کہ غانم مل گیا ہے۔ لیکن اسوقت بیمار ہے۔ وہ بیتاب ہو کر اٹھی۔ کہ چلو مجھ کو ملاؤ۔ فتنہ نے کہا کہ اسوقت آپ لوگوں کا اس سے ملنا مناسب نہیں ہے کہیں شادی مرگ نہ ہو جائے۔ جب اس میں توانائی آجائے گی۔ اسوقت آپ دونوں اس سے ملیں۔ ماں بہن نے خدا کا شکر ادا کیا اور سوداگر ہی کے یہاں رہنے لگیں۔ چند روز کے معالجہ اور پر مسرت ماحول نے غانم کو تندرست کر دیا۔

غانم کے صحتیاب ہو جانے کے بعد فتنہ نے اسکو بہن اور والدہ کیساتھ خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا ہارون الرشید ان کو دیکھ کر بہت مسرور ہوا۔ پھر غانم کی سرگذشت سنی۔ اس نے عرض کیا کہ اگرچہ گرفتاری کا حکم سنکر میں دیہات میں بھاگ گیا تھا۔ وہاں اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ اسی دوران میں بیمار ہو گیا۔ جب

دربار خلافت میں سب کا حاضر ہونا

حالت زیادہ خراب ہو گئی تو ایک رحمدل شخص نے بغداد لا کر ایک معزز تاجر کے شفاخانے میں داخل کر دیا۔ یہاں آکر مجھے معلوم ہوا کہ میری گرفتاری کا حکم منسوخ ہو گیا ہے اور یہیں مجھ سے میری والدہ اور بہن ملیں۔

خلیفہ نے کل ضبط شدہ مال و اسباب واپس کرا دیا۔ اور بہت کچھ مزید عطا کیا۔ اس کے بعد

فتنہ کو آزاد کر کے غانم نے شادی کر لی۔ غانم کی بہن کی اپنے بہت بڑے درباری سے شادی کرا کر اس توہین اور ذلت کی تلافی کر دی۔ جو ان بے قصور عورتوں پر ہوئی تھی۔

یہ قصہ ختم کر کے شہرزاد نے کہا کہ انشاء اللہ کل شاہ جنات اور زین الصنم کی حکایت سناؤں گی جو اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہوگی۔

زین الصنم اور شاہ جنّات کا قصّہ

دوسری شب کو شہرزاد نے یوں کہانی شروع کی۔

زمانہ قدیم میں شہر بصرہ کا ایک عادل نیک مزاج اور غریب پرور بادشاہ تھا۔ دنیا کی سب ہی نعمتیں اس کو حاصل تھیں۔ دولت۔ شرافت۔ ثروت۔ عزت۔ حکومت سب ہی کچھ تھا۔ لیکن اولاد کوئی نہ تھی۔ اسی وجہ سے دل اکثر شکستہ و مایوس رہا کرتا تھا۔ بہت کچھ تدبیریں کیں لیکن نخل آرزو بار آور نہیں ہوا۔ آخر درویشوں اور فقرا سے رجوع کیا۔ ایک مدت تک ان کی خدمت کرتا رہا۔ آخر اس کی دعا قبول ہو گئی اور ایک نہایت حسین و جمیل لڑکا پیدا ہوا۔ باپ نے اسکا نام زین الصنم رکھا۔ شاہزادہ جب ہوشیار ہوا تو قابل استادوں کے سپرد کر دیا گیا۔ جو رات دن محنت و مشقت سے اس کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہے۔ پندرہ سولہ سال کی عمر میں زین الصنم تعلیم حاصل کر کے امور سلطنت میں بادشاہ کی معاونت کرنے لگا۔ اس طرح سال دو سال میں حکومت کے سب امور و اسرار سے بھی واقف ہو گیا۔ بادشاہ نے اپنی عمر طبعی پوری کر کے وفات پائی۔ اور عنان مملکت زین الصنم کے ہاتھ آئی۔ باوجود اسقدر تعلیم و تربیت کے وہ عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ ملکی انتظام بگڑنے لگا۔ بہت سے ماتحت حاکم خودسر ہو گئے۔ رعایا نااہل اعمال کے ہاتھوں نالاں رہنے لگی۔ خزانہ خالی ہو گیا۔ اسی زمانے میں شاہزادے نے ایک بزرگ کو دیکھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ بیٹا یہ کیا کر رہے ہو۔ تمہاری تو سلطنت تباہ و برباد ہو رہی ہے۔ ہوش میں آؤ۔ پہلے کام سنبھالو۔ جب نظم و ضبط ٹھیک ہو جائے تو قاہرہ دارالحکومت مصر میں جاؤ۔ تمہیں وہاں بہت فائدہ ہوگا۔ صبح کو شہزادہ بیدار ہوا۔ تو اپنی حرکات پر غور کر کے بہت شرمندہ ہوا اور عہد کر لیا کہ جلد سے جلد امور سلطنت کی اصلاح کرونگا۔ باپ کے زمانے کے تجربہ کار افسروں کو ذمہ دار عہدوں پر مقرر کیا۔ نااہل عمال نکال دیئے۔ قابل افسران فوج واپس بلائے۔ اخراجات کو اعتدال پر لایا۔ سال ہی میں پھر حالت بدلنے لگی۔ جب خزانہ میں کافی روپیہ جمع ہو گیا۔ تو وزیر اعظم اور سپہ سالار افواج سے مشورہ کر کے جدید سپاہ بھرتی کی اور ان تمام حاکموں کی سرکوبی کا حکم جاری کیا۔ جو خود مختاری کا دعویٰ کرنے لگے تھے۔ دوسرے سال تمام ملک میں امن قائم ہو گیا۔ سب اضلاع قبضے میں آ گئے اور زین الصنم کو چین کا سانس میسر ہوا۔ ان ہی دنوں میں اس نے پھر خواب میں ان بزرگ کو دیکھا۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ تم نے اپنے فرائض بہت اچھی طرح پورے کر دیئے ہیں۔ اب قاہرہ جاؤ۔ تمہیں بہت فائدہ ہوگا۔

اور جو باقی پریشانیاں ہیں وہ بھی دور ہو جائیں گی۔ زین الصنم نے ماں سے خواب کا ذکر کیا۔ اور قاہرہ جانے کی اجازت مانگی۔ ماں نے کہا۔ خواب خیال کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیئے۔ تم اپنی حکومت کو سنبھالو۔ یہ ہی کافی ہے لیکن زین الصنم نہ مانا۔ اور کچھ ملازم ساتھ لیکر قاہرہ روانہ ہو گیا۔ قاہرہ پہنچکر ایک مناسب موقع کی جگہ ٹھہرا۔ سوچنے لگا کہ اب کیا کروں۔ اسی پریشانی میں رات کو آنکھ لگ گئی۔ تو وہ ہی بزرگ نظر آئے اور کہنے لگے کہ بیشک تم مستقل مزاج شخص ہو اور ضرور کامیابی حاصل کرو گے۔ اب پھر بصرہ واپس جاؤ۔ وہیں تم کو ایک نایاب خزانہ ملیگا۔ جب صبح کو زین الصنم بیدار ہوا تو بڑا اجز بز ہوا کہ اگر کام بصرے ہی میں ہونا تھا تو یہاں تک بلانے سے کیا فائدہ تھا۔ بہرحال مجبوری تھی۔ بصرے واپس آگیا اور ماں سے کل حال بیان کیا۔ وہ کہنے لگی کہ میں نے شروع ہی میں سمجھایا تھا کہ خواہ مخواہ کیوں سفر کرتے ہو۔ عدل و انصاف سے حکومت کرو خدا اسی میں برکت اور کامیابی عطا کریگا۔

اسی رات اس نے پھر خواب میں ان بزرگ کو دیکھا۔ کہ وہ کہہ رہے تھے کہ اب تمہارا کامیابی کا وقت آگیا ہے۔ اپنے والد کی خلوص گاہ کی زمین کھودو۔ موعود خزانہ ملیگا۔ صبح کو اٹھکر زین الصنم نے ماں سے خواب کہا وہ کہنے لگی کہ تم اس خیال کو چھوڑ دو معلوم نہیں۔ کون تم کو بہکاتا ہے۔ لیکن زین الصنم کہنے لگا کہ اماں اس میں تو کوئی زیادہ محنت و دقت بھی نہیں ہے۔ تجربہ ضرور کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے خود ہی زمین کھودنی شروع کی۔ دور تک کھودنے کے باوجود جب کچھ آثار ظاہر نہیں ہوئے تو اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ واقعی کہیں یہ خواب میرے ہی زور تخیل کا نتیجہ تو نہیں ہیں۔ اور قریب تھا کہ وہ کام بند کردے لیکن پھر خیال آیا کہ تھوڑی کھدائی کر کے اور دیکھنا چاہیئے۔ چنانچہ مستقل مزاجی سے پھر کوشش میں مصروف ہو گیا۔ جب دو گز کے قریب زمین کھد چکی تو ایک لمبا پتھر نظر آیا۔ زین الصنم نے نئے ولولے سے پھر کھدائی شروع کردی۔ تھوڑی دیر میں دروازے کے آثار نظر آنے لگے۔ کچھ اور مٹی ہٹی تو ایک دروازہ نمودار ہو گیا۔ شاہزادے نے اسکو کھولا تو اندر ایک تہہ خانہ نظر آیا۔ اس نے اپنی ماں کو بلا کر دکھایا تو وہ بھی بہت متعجب ہوئی۔ دونوں شمع لیکر اندر گئے تو بڑے بڑے مٹکے رکھے ہوئے نظر آئے۔ جب ان کو کھول کر دیکھا تو اشرفیوں سے پر تھے۔ زین الصنم اور اس کی والدہ لاتعداد دولت دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔ جب کل مٹکوں کو گنا تو وہ ایک سو بیس تھے اور ان کے اندر کی مجموعی دولت ساری سلطنت کی قیمت سے بھی زیادہ تھی۔ پھر اس تہہ خانے کے کمرے سے باہر نکلے تو برامدے میں ایک خم نظر آیا اسکو کھولا تو اس میں سے ایک سونے کی کنجی ملی لیکن ایسی کوئی چیز نظر نہ آئی جو اس سے کھولی جاتی۔ دونوں پھر اندر آئے اور کمرے کی ایک ایک دیوار کا جائزہ لیا۔ آخر ایک دیوار میں دروازہ کا نشان دیکھ کر کنجی کی مدد سے کھولا تو ایک وسیع میدان سا نظر آیا۔ دونوں اس میدان میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک بڑا تخت تھا جس میں نو پائے نصب تھے۔ پائے خالص سونے کے تھے اور ہر پائے پر ایک الماس کی تصویر قائم تھی اور تمام میدان ان الماسوں کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ صرف ایک پایہ خالی تھا

ماں اور بیٹا ایسا لاجواب تخت دیکھ کر نقش حیرت بن گئے۔

قریب جاکر دیکھا تو خالی پائے پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ آٹھ الماس کی تصویریں جن کی قیمت کا کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ بڑی محنت سے حاصل ہوئی ہیں۔ نویں تصویر بھی اگر تم حاصل کرنا چاہتے ہو تو قاہرہ جاکر میرے غلام مبارک کو تلاش کرو۔ جو وہاں کا مشہور تاجر ہے اور اس سے کہو۔ کہ میں نویں تصویر لینے آیا ہوں۔

زین الصنم وہاں سے اچھی طرح دیکھ بھال کر کے واپس آیا اور ماں سے اجازت لیکر قاہرہ روانہ ہوگیا۔ قاہرہ پہنچکر اس نے سوداگروں سے دریافت کیا کہ مبارک سوداگر کون ہے۔ ان لوگوں نے بتایا کہ یہاں کا ایک مشہور شخص ہے۔ اور فلاں جگہ رہتا ہے۔ زین الصنم اس کے مکان پر پہنچا اور اطلاع کرائی کہ ایک شخص ملنے آیا ہے۔ مبارک نے اس کو اندر بلایا اور پوچھا کہ فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ زین الصنم نے اپنے والد کا نام بتایا اور کہا کہ میں ان کا لڑکا ہوں۔ اور ایک کام کے لئے آیا ہوں۔ مبارک نے کہا۔ کہ بیشک میں بصرے سے آیا ہوں۔ لیکن اسوقت تک تو بادشاہ بصرے کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اور بظاہر کوئی امید بھی نظر نہ آتی تھی۔ زین الصنم نے کہا آپکو میری شخصیت پر شک ہے۔ تو میں

نو پایوں کا تخت اور آٹھ تصویریں
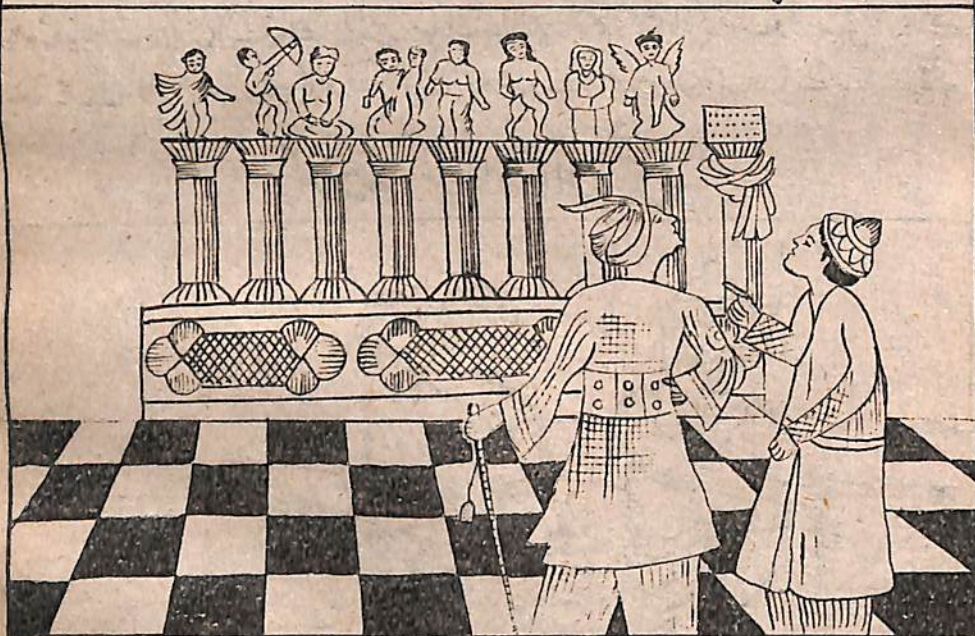
آپ کے اطمینان کے لئے یہ بتا سکتا ہوں کہ میں نو پایوں والے تخت کو دیکھ آیا ہوں اور آٹھ تصویریں بھی وہاں موجود ہیں۔ نویں پائے پر یہ ہدایت ہے کہ قاہرہ میں مبارک سے ملو اور اس سے کہو کہ نویں

پائے کی تصویر لینا چاہتا ہوں۔ یہ سنتے ہی مبارک ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ بیشک آپ میرے آقازادے ہیں اور میں آپکا غلام۔ آپ چند بے آرام فرمایئے۔ تکان سفر رفع ہو جائے تو میں آپ کو شاہ جنات کے پاس لے چلونگا۔ آگے آپ کی قسمت۔ پھر اس نے بہت اعزاز و اکرام سے زین الصنم کو ایک عالی شان مکان میں ٹھہرایا۔ اور ہر قسم کے سامان راحت فراہم کر دیئے۔ جب دو تین روز میں شاہزادہ اچھی طرح آرام کر چکا تو ایک روز مبارک نے قاہرہ کے بڑے بڑے سوداگروں کو اپنے یہاں مدعو کیا کھانے سے پہلے شاہزادے کو صدر مقام پر بٹھایا اور خود ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اسکے بعد حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ یہ نوجوان میرے آقا شاہ بصرہ کا نور نظر ہے۔ ان کا وصال ہو گیا اور اب یہ ہی میرے آقا کے جانشین ہیں۔ میں ان کا زرخرید غلام تھا۔ اور اب بطور وراثت شاہزادے کا غلام ہوں آپ سب حضرات کو اس لئے تکلیف دی ہے تا کہ اپنے آقازادے سے تعارف کراؤں۔ یہ سنکر سب بہت متعجب ہوئے۔ اس کے بعد زین الصنم کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا کہ میں آپ لوگوں کی موجودگی میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ اس کام کو پورا کرنے کے بعد جو مبارک سے متعلق ہے یہ آزاد ہونگے اور میں اپنے حق ملکیت سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ اور یہ تمام مال و اسباب مبارک کو بخشتا ہوں۔ مبارک نے نیم قدم ہو کر شاہزادے کا شکریہ ادا کیا۔ پھر دسترخوان بچھایا گیا اور سب نے کھانا کھایا۔

دوسرے روز مبارک زین الصنم کو لیکر ایک سمت روانہ ہوا۔ کچھ مسافت طے کر کے ملازموں کو بھی چھوڑ دیا۔ صرف دونوں آگے بڑھے۔ راستہ میں مبارک نے زین الصنم کو سمجھایا۔ کچھ عجیب و غریب چیزیں دیکھنے میں آئیں گی۔ دل مضبوط رکھئے گا اور قطعاً خوف زدہ نہ ہوئیے گا۔ پھر دونوں ایک دریا کے کنارے پہنچے

کریہہ منظر ملاح اور کشتی

مبارک نے کہا تھوڑی دیر میں ایک خوبصورت کشتی اور نہایت ہیبتناک ملاح آئیگا۔ آپ اس دیکھ کر پریشان

نہ ہونا۔ بلکہ بلا تکلف میرے ساتھ کشتی میں سوار ہو جانا۔ لیکن ملاح سے کوئی بات چیت نہ کرنا۔ ورنہ کشتی عود و صندل کی بنی ہوئی جس کو ایک عجیب اور خوفناک ملاح چلاتا آرہا تھا آئی۔ دونوں خاموشی سے اس میں سوار ہو گئے اور کشتی چلدی۔

تھوڑی دیر میں کشتی نے ان کو دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔ یہ اتر کر خشکی پر آئے اور کشتی دفعتاً غائب ہو گئی۔ زین الصنم نے دیکھا کہ بڑا ہی خوبصورت جزیرہ ہے۔ ہر طرف سرسبزی و شادابی کی علامات نظر آتی ہیں۔ مبارک نے کہا کہ روئے زمین پر اتنا خوبصورت دوسرا جزیرہ نہیں ہے۔ یہ شاہ جنات کی رہائش گاہ ہے چند قدم آگے بڑھے تو ایک قلعہ نظر آیا جس کے چاروں طرف پر از آب بڑی خوبصورت خندق تھی۔ اِرد گِرد بڑے بڑے تناور درخت تھے جن کے سائے میں قلعہ حقیقتاً پریوں کی آرام گاہ معلوم ہوتا تھا۔ قلعہ کے سامنے خندق پر نہایت خوبصورت جواہرات سے مرصع عود و صندل کی لکڑی کا بنا ہوا پل تھا۔ جس پر جنوں کا پہرہ تھا۔ مبارک یہیں ٹھہر گیا۔ اور کہنے لگا اس سے آگے بڑھنا موت کو دعوت دینا ہے۔ پھر اس نے چار جوشن نکالے۔ دو خود رکھے اور دو شاہزادے کو دے کر کہا۔ کہ ان کو پہن لو۔ اسکے بعد کوئی خطرہ نہیں رہیگا۔ اب میں شاہ جنات کو بلانے کیلئے افسوں پڑھتا ہوں۔ اس کی آمد سے پہلے کڑک گرج اندھیرا زلزلہ محسوس ہوگا۔ لیکن تم خوف زدہ نہ ہونا۔ اسکے بعد شاہ جنات آئیگا اگر خوش رو مسکراتا ہوا آئے تو سمجھنا کہ مہربان ہے اور تم سے ملکر اسکو مسرت ہوگی۔ اور اگر کسی ہیبت ناک شکل میں آئے تو یہ غصہ کی علامت ہے۔ اسوقت عرض مطلب نہ کرنا۔ بلکہ سلام کے بعد اتنا کہدینا کہ میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور اب میں آپ کی شفقت کی امید لیکر آیا ہوں۔ اگر وہ خوش ہو تو عرض کرنا کہ میں اسی مہربانی کا طالب ہو کر آیا ہوں جو آپ میرے والد پر کیا کرتے تھے۔ یہ سب کچھ زین الصنم کو سمجھا کر مبارک نے افسوں پڑھنا شروع کیا۔ ایکدم زلزلہ آیا اور چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ کڑک سے جی ڈھلا جاتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مطلع صاف ہو گیا۔ اور ایک نہایت ہی خوبصورت جوان مسکراتا ہوا ان کی طرف آیا۔ زین الصنم نے نہایت ادب سے جھک کر سلام کیا اور دست بستہ کھڑا ہو گیا۔

شاہ جنات نے زین الصنم کی طرف دیکھا اور کہنے لگا کہ عزیز لڑکے جسطرح مجھے تمہارے والد سے محبت تھی۔ اسی طرح میں تم کو بھی چاہتا ہوں۔ بلکہ دوست کا لڑکا ہونیکی حیثیت سے تم میرے بھی بچے ہو۔ تمہارے والد جب میرے پاس آیا کرتے تھے تو کچھ تحفہ لایا کرتے تھے اور میں ان کو الماس کی تصویر دیا کرتا تھا۔ آٹھ تصویریں وہ لے چکے تھے کہ حکم قضا آگیا اور ان کا انتقال ہو گیا۔ میں نے عہد کر لیا تھا کہ نویں الماس کی تصویر جو سب سے زیادہ قیمتی ہے تمہیں دونگا۔ چنانچہ میں نے بزرگ بن کر جوں ہی میں تمہاری کوتاہیوں پر تمہیں تنبیہ کیا۔ اور تمہارے استقلال و ہمت کا امتحان لینے کے لئے پہلے قاہرہ بلوایا اور پھر بصرے واپس کیا۔ جس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ تم مستقل مزاج ہو۔ اسکے بعد میں نے تمہیں خزانہ کا پتہ بتایا اور نویں پائے پر وہ عبارت بھی لکھدی جسے دیکھکر تم میرے پاس آئے ہو میں اپنے عہد پر قائم ہوں اور

تمہیں وہ تصویر دونگا۔لیکن شرط یہ ہے کہ ایک نہایت خوبصورت بے عیب پندرہ سولہ سال کی دوشیزہ میرے لئے لاؤ لیکن اسکا باطن بھی اتنا ہی حسین اور پاک ہونا چاہیئے جتنا کہ ظاہر۔اور جب تم میرے لئے کوئی

شاہ جنات کی آمد

دوشیزہ منتخب کرو تو اس کے متعلق دوسرا ارادہ نہ کرنا۔ ورنہ نقصان کے ذمہ دار تم ہونگے۔زین الصنم نے سر تسلیم خم کیا۔ اور کہا کہ تعمیل ارشاد کرونگا۔لیکن یہ فرمایئے کہ اسکے باطن کو میں کیسے دریافت کرونگا۔ شاہ جنات نے ایک آئینہ دیا۔ ادر کہا کہ جب اس کی صورت اسمیں دیکھو گے تو کل اندرونی راز معلوم ہو جائیں گے۔اسکے بعد ان دونوں کو رخصت کردیا۔جسوقت یہ دریا کے کنارے آئے تو وہی کشتی آئی اور دونوں کو دوسری طرف اتار کر غائب ہو گئی۔ مبارک اور زین الصنم اپنے مکان پر واپس آئے اور لڑکی کی تلاش شروع کی۔بہت سی لڑکیاں دیکھیں جو اپنے حسن وجمال کا نظیر نہ رکھتی تھیں۔لیکن جب آئینہ سیرت نما میں دیکھا تو کسی کا دامن پاک نہ نظر آیا۔مجبور ہو کر دونوں حسب مرضی حسینہ کی تلاش میں شہر بشہر پھرتے ہوئے بغداد پہنچے اور ایک عالیشان مکان کرایہ پر لیکر رہنا شروع کر دیا۔غربا۔ اور یتیموں کی خبر گیری فقیروں اور درویشوں کی تواضع کرتے ہوئے ان کو ہفتوں گذر گئے۔آخر تمام بغداد میں زین الصنم کی سخاوت و ریاست کا شہرہ ہو گیا۔بڑے بڑے امرار اور رؤسا سے ملنا جلنا ہو گیا۔اسی دوران میں اس نے امیر گھروں کی لڑکیوں کو بھی دیکھا۔جو بہت حسین اور نازک اندام تھیں۔لیکن جب آئینہ سامنے آیا تو معلوم ہوا کہ کسی کا دامن گناہ کی آلودگی سے پاک نہیں۔زین الصنم مایوس ہو چلا تھا کہ اتفاقاً اسی زمانے میں اس نے

سابق وزیر اعظم بغداد کی لڑکی کی تعریف سنی۔ بڑی مشکلات جھیل کر اسکو دیکھا۔ واقعی اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ اسکا حسن وجمال دیکھ کر زین الصنم دل سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اسکے بعد آئینہ سیرت نما سے امتحان کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی سیرت اتنی ہی پاک اور مطہر ہے جتنی ایک معصوم بچے کی۔ چنانچہ زین الصنم نے پیغام شادی بھیجا جو منظور ہو گیا اور چند ہی روز بعد نکاح کر دیا گیا۔ نکاح کے بعد مبارک نے کہا کہ بس اب یہاں سے چلئے۔ اور اس کو شاہ جنات کی خدمت میں پیش کر دیجئے۔ تاکہ جو وعدہ کیا ہے۔ وہ پورا ہو جائے۔ زین الصنم نے کہا۔ کہ مبارک اس پر تو میں جان دینے لگا ہوں۔ کس طرح اسکو شاہ جنات کے حوالے کر دوں۔ ایسی پارسا نیک طینت اور حسین بیوی پھر مجھے کہاں ملے گی۔ مبارک نے کہا۔ آپ غضب کرتے ہیں۔ کیا شاہ جنات نے نہیں کہدیا تھا۔ کہ جو لڑکی میرے لئے منتخب کرلو۔ اس میں کوئی خیانت نہ کرنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ کیا آپ اپنی جان سے بیزار ہیں جو ایسا ارادہ کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ کیا شرافت نفس اسکی اجازت دیتی ہے کہ وعدہ خلافی کیجائے۔ بڑی مشکل سے شہزادہ راہ راست پر آیا۔ پھر سب قاہرہ کیطرف روانہ ہوئے۔ مبارک نے ایسا انتظام کیا تھا کہ راستے میں زین الصنم کو دلہن کے پاس نہیں جانے دیا۔ اور وزیرزادی کو بھی مختلف حیلے بہانوں سے مطمئن کرتا رہا۔

آخر یہ لوگ قاہرہ پہنچ گئے۔ اور عروس نو کو لیجا کر شاہ جنات کے سامنے پیش کیا۔ اور وہ بہت خوش ہوا۔ اور کہنے لگا کہ بیشک یہ لڑکی میرے حسب منشا ہے۔ اب تم بصرے واپس جاؤ نویں تصویر تمہیں وہیں ملجائے گی۔ زین الصنم اور مبارک واپس آئے اور دو روز قاہرہ میں قیام کر کے زین الصنم بصرے روانہ ہو گیا۔ لیکن راستے بھر پھر وزیرزادی کا تصور آتا رہا۔ اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا رہا۔ کیوں ایک الماس کی تصویر کیلئے تو نے ایسی حسین اور پاک باطن لڑکی کھو دی۔ بہر حال جوں توں کر کے اپنے ملک میں پہنچا۔ اور والدہ سے ملکر کل واقعات سنائے۔ لیکن زین الصنم کو دلہن کی جدائی کا اتنا رنج ہوا کہ تصویر حاصل کرنے کی کوئی خوشی باقی نہیں رہی۔ چنانچہ وہ کئی روز تک تہ خانہ میں بھی نہیں گیا۔ ایک روز شب کو اس نے شاہ جنات کو خواب میں دیکھا۔ کہ وہ اصرار کر رہا ہے کہ صبح کو تہ خانہ میں جاکر تصویر کو ضرور دیکھو تمہیں خوشی حاصل ہو گی۔ دوسرے روز بیدار ہو کر شاہزادہ والدہ کے ساتھ بادل ناخواستہ تہ خانے میں گیا جب وہ تخت کے پاس پہنچا تو دیکھا نویں تصویر کی جگہ اس کی دلہن بیٹھی ہے۔ شہزادہ بے اختیار دوڑ کر اس سے لپٹ گیا اور دیر تک اس طرح سینے سے لگائے رہا گویا اسے خطرہ تھا کہ کہیں یہ پھر جدا نہ ہو جائے۔ ابھی شاہزادہ وزیرزادی سے معذرت بھی نہ کرنے پایا تھا کہ تہ خانے میں زلزلہ آیا پھر زمین شق ہوئی اور شاہ جنات مسکراتے ہوئے آئے۔

پہلے شاہزادے کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار کیا۔ اسکے بعد کہنے لگے کہ مجھے معلوم تھا کہ تم اپنی دلہن پر عاشق ہو گئے ہو لیکن تمہیں اس سلسلہ میں میں نے خود ہی غلط فہمی میں مبتلا رکھا تھا کہ مزید امتحان کر لوں۔ تم پھر کسی وقت غیر مستقل مزاجی کا شکار تو نہ ہو جاؤ گے۔ اور اس پاک باطن لڑکی کی تلاش بھی

میں نے اپنے لئے نہیں کرائی تھی۔ بلکہ میں چاہتا تھا کہ تمہیں ایسی دلہن ملے جو ہمہ صفت موصوف ہو۔ اور خدا کا شکر ہے کہ میں اس میں کامیاب ہوگیا اور اپنے مرحوم دوست کے حق دوستی سے عہدہ برآ ہو گیا۔ تمہاری دلہن تمہیں مبارک ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم اسی پارسا لڑکی کے ساتھ ہمیشہ خرم و مسرور زندگی بسر کرو گے۔ اس کے بعد نویں الماس کی تصویر دیکر زین الصنم سے کہا کہ یہ میں اپنا دوسرا وعدہ بھی پورا کرتا ہوں۔ اب میں جاتا ہوں۔ خدا تمہیں برکت دے۔ اگر کسی وقت میری امداد کی ضرورت ہوئی۔ تو ضرور آؤنگا۔ میں تمہارے حالات سے باخبر رہوں گا۔ اس کے بعد شاہ جنات روانہ ہوگیا۔

زین الصنم اپنی محبوبہ دلہن کو لیکر باہر آیا۔ اور اسی وقت جشن شاہانہ منانے کا حکم دیا گیا وزیرزادی ملکہ بصرہ کے لقب سے مشہور ہوئی اور سب امن و سکون سے رہنے سہنے لگے۔

یہ کہانی ختم کر کے شہرزاد نے بادشاہ کیطرف دیکھا اور عرض کیا۔ کل انشاء اللہ خداداد اور شہزادی دریا بار کی کہانی سناؤں گی۔ دنیازاد نے اس کہانی کی بہت تعریف کی اور دوسری کہانی کے بارے میں بھی اشتیاق ظاہر کیا۔ شہریار گو منہ سے کچھ نہ بولا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں اشتیاق کی چمک موجود تھی۔ جس سے شہرزاد نے اندازہ لگایا کہ حکم قتل آج بھی ملتوی رہیگا

شہزادی دریا بار کی کہانی

دوسرے روز شہرزاد نے شہزادی دریا بار کی کہانی شروع کی۔

پچھلے زمانے میں ایران کے مغربی حصے میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا جسکا نام ملک ہیرن تھا۔ باوجودیکہ اس نے پچاس شادیاں کیں۔ لیکن کسی بیوی سے بھی اولاد نہیں ہوئی۔ بادشاہ ہر وقت مغموم رہنے لگا تو امرار وزرار نے سمجھایا۔ کہ حضور یہ خدا کی دین ہے۔ چاہا دیا۔ چاہا نہ دیا۔ اس میں رنج و غم کے بجائے دعا کرنی چاہئیے۔ جبتک اسکا حکم نہ ہوگا۔ یہ آرزو پوری نہیں ہو گی۔ ملک ہیرن کی بھی بات سمجھ میں آئی چنانچہ اس نے فقرار اور درویشوں کے پاس جانا شروع کر دیا۔ اور خود بھی بارگاہ خداوندی میں تضرع و زاری کرتا رہا ایک روز اسی پریشانی میں سویا تو خواب میں ایک بزرگ نظر آئے اور انہوں نے کہا کہ صبح کو اٹھ کر باغ میں جانا اور ایک انار کھالینا۔ انشاء اللہ تمہارا گھر اولاد سے روشن ہو جائیگا۔ صبح کو بادشاہ کی آنکھ کھلی تو عبادت سے فارغ ہو کر باغ میں آیا اور ایک انار توڑ کر کھایا۔ اس کے بعد بیگمات سے ہمبستری کی۔ خدا کی قدرت کاملہ سے سب بیویاں حاملہ ہوگئیں۔ دو تین ماہ بڑے بیم و رجا میں گذرے۔ آخر آثار حمل ظاہر ہونے لگے۔ تو ملک ہیرن شاہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ لیکن ایک بیوی ملکہ فیروزہ کے یہاں کوئی حمل علامت ظاہر نہ ہوئی۔ بادشاہ نے منحوس سمجھ کر دوسری بیویوں سے الگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ پہلے تو یہ ارادہ ہوا کہ اس کو طلاق دیکر نکال دیا جائے۔ لیکن وزیر نے سمجھایا کہ آپ جلدی نہ کیجئے۔ ممکن ہے اسکو بھی حمل ہو۔ اور ابھی علامات ظاہر نہ ہوئی ہوں۔ اس کے علاوہ اس میں اس غریب کا کیا قصور ہے۔ آپ کے

محل میں پچاس عورتیں تھیں لیکن آجتک نخل آرزو بارآور نہیں ہوا تھا۔ اب خدا نے فضل کیا تو آپ کو کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیئے۔ جس میں کسی کا دل دکھے۔ اور وہ بد دعا کرے۔ خدا کے یہاں سب کی سنی جاتی ہے معلوم نہیں آئندہ کیا ہو۔ یہ سُن کر بادشاہ خوف الٰہی سے ڈر گیا۔ لیکن پھر بھی ایک دور دراز حصہ ملک میں جہاں ملک ہیرن کا بھتیجا حکمران تھا۔ ملکہ فیروزہ کو بھیجدیا اور ایک ایک دن گن گن کر مدت حمل پوری ہوئی۔ اور ہر بیوی کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا۔ بادشاہ نے بہت کچھ مال و زر خیرات کیا۔ ہفتوں تک جشن مسرت منایا جاتا رہا۔ ملک ہیرن نے اپنے بھتیجے کو لکھا کہ لڑکے کا نام خداداد رکھو۔ اور ابھی سے اچھی تعلیم و تربیت کا انتظام کردو۔ جب لڑکا بڑا ہو جائے گا تو بلالوں گا۔ چنانچہ باپ کی زیرنگرانی اڑنچاس لڑکے اور چچازاد بھائی کی زیرنگرانی خداداد خوبصورت جوان بن گیا۔ بھائی کی توجہ اور ماں کی کوششوں سے اس کی تعلیم و تربیت اتنی اچھی ہوئی کہ بڑے بڑے بادشاہوں کے شاہزادوں کو نصیب نہیں ہوتی۔ خصوصاً فنون جنگ میں تو خداداد ید طولےٰ رکھتا تھا۔

اسی زمانے میں ملک ہیرن کے ملک پر ایک غنیم نے حملہ کردیا۔ بڑے زور شور سے لڑائی ہو رہی تھی۔ کہ یہ اطلاع خداداد کو بھی پہنچی۔ اس نے ماں اور بڑے بھائی سے اجازت چاہی کہ اسوقت باپ کی خدمت کرنا عین سعادت ہے۔ ماں نے تو اجازت دیدی لیکن بھائی نے جو خداداد سے بہت محبت کرتا تھا منع کردیا کہ جب ان کو ہی تمہاری ضرورت نہیں تو تمہیں جانے کی کیا حاجت ہے۔ لیکن خداداد کا دل نہ مانا اور ایک روز شکار کے بہانے گھر سے نکل کر اپنے باپ کے دارالسلطنت میں جا پہنچا۔ رات کو ایک کاروان سرائے میں قیام کیا۔ صبح کو دربار شاہی میں جاکر آداب بجالایا۔ اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ اس کے حسن و جوانی اور ادب قاعدہ کو دیکھکر متوجہ ہوا۔ اور بڑے اخلاق سے پوچھا۔ کہ تم کون ہو۔ اور کیا چاہتے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ میں عراق کے ایک امیر کا لڑکا ہوں۔ کچھ روز سے آپ کے زیرسایہ پڑا ہوں۔ سیر و شکار کا مشغلہ ہے۔ آج کل اس ملک پر دشمنوں کا نرغہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے بھی خدمت کا موقع دیا جائے۔ تاکہ حق نمک ادا کرسکوں۔

ملک ہیرن شاہ اس کی گفتگو سن کر بہت خوش ہوا۔ اور فوج کے ایک رسالہ کا افسر مقرر کردیا گیا۔ خداداد فوج میں شریک ہو کر محاذ جنگ پر پہنچا۔ ملک ہیرن بھی بذات خود جنگی صورت حال کو دیکھنے آیا تھا۔ ایک روز معرکہ جنگ میں اس نے خداداد کی بہادری دیکھی تو حیران رہ گیا۔ چند ہی دنوں میں اس نئے افسر کے تابڑتوڑ حملوں نے دشمن کو فرار پر مجبور کردیا اور ملک ہیرن شاہ کی فوج فتح کے شادیانے بجاتی ہوئی واپس آئی۔ سپہ سالار افواج نے سر دربار خداداد کی ان لفظوں میں تعریف کی کہ دراصل اس جنگ کا سہرہ اس نوجوان افسر کے سر ہے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور فوج میں ایک بڑا عہدہ اسکو دیدیا۔

قضا الٰہی سے چند ہی مہینہ بعد شاہی سپہ سالار کا انتقال ہو گیا۔ ملک ہیرن خداداد کی قابلیت اور بہادری سے متاثر تھا کہ اس کو سپہ سالار مقرر کردیا۔ دوسرے شاہزادوں کو یہ بہت ناگوار گذرا۔ کہ ایک اجنبی غیر ملکی کو بادشاہ نے ہمارا افسر مقرر کردیا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے تو یہ ارادہ کیا کہ خداداد کو کسی روز بہانے سے

جنگل میں لیجا کر قتل کر دیا جائے۔ لیکن اس صورت میں بادشاہ کی جواب طلبی کا خطرہ تھا۔ دوسرے خداداد بھی ایسا تر لقمہ نہ تھا جو آسانی سے نگلا جا سکتا۔ سب شاہزادے اس کی جرأت اور ہوشیاری میدان جنگ میں دیکھ چکے تھے۔ آخر بہت غور و خوص کے بعد یہ طے پایا کہ یہاں سے سیر و شکار کے بہانے چلو۔ اور پھر چند روز کے لئے واپس نہ آؤ۔ بادشاہ پریشان ہو کر سپہ سالار سے جواب طلب کریگا۔ کیونکہ آجکل ہم اسکی تحویل میں ہیں۔ اور جب وہ ہمارا سراغ نہ پا سکے گا تو بادشاہ کے عتاب کا شکار ہو کر قتل کر دیا جائیگا۔ یا نکال دیا جائیگا۔ اس کے بعد کوئی نتیجہ برآمد ہو چکے گا۔ تو ہم سب لوگ کسی بہانے سے واپس آ جائیں گے۔ تجویز مکمل ہو گئی اور اوڑنچاس بھائی خداداد کے پاس آئے اور شکار کے لئے جانے کی اجازت چاہی۔ خداداد نے کہا ضرور جائیے لیکن جلد واپسی کی کوشش کیجئے گا۔ ورنہ بادشاہ کو پریشانی ہو گی۔ سب نے وعدہ کیا اور شکار کے لئے روانہ ہو گئے۔ تین چار روز گذر گئے لیکن شاہزادوں کا کوئی پتہ نہ چلا۔ بادشاہ نے خداداد کو بلایا اور پوچھا کہ شاہزادوں کی کوئی اطلاع نہیں آئی۔ اسکا کیا سبب ہے کہ تم نے ایسی غفلت کیوں برتی۔ اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ شاہزادے جوان اور صاحب علم و عقل ہیں۔ تنہا نہیں ماشاء اللہ سارے بھائی گئے ہیں۔ بظاہر کوئی خطرہ نہیں۔ لیکن تعمیل ارشاد کے لئے میں خود جاتا ہوں۔ اگر میں واپس نہ آ سکوں تو آپ سمجھ لیجئے گا کہ یہ گمشدگی مجھے آپ کی نظروں سے گرانے کیلئے ہے۔ ورنہ ایک کم پچاس بھائی نہ راہ بھول سکتے ہیں اور نہ سب دشمنوں میں گھر سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر اور بغیر جواب کا انتظار کئے ہوئے خداداد شاہزادوں کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔

کئی روز تک وہ شاہزادوں کی تلاش میں سرگرداں شہر اور دیہات میں پھرا۔ لیکن ان کا کوئی پتہ نہ چلا۔ ایک روز ایسے جنگل سے گذر رہا تھا کہ جہاں کسی پرانے شکستہ برباد شہر کے نشانات اب تک موجود تھے اور لوگ، ان مقامات کو غول بیابانی کا مسکن سمجھتے تھے گھنے درختوں کے جب قریب پہنچا تو اوپر کی کھڑکی میں ایک نہایت خوبصورت جوان عورت کھڑی ہوئی نظر آئی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا شدت رنج والم سے نیم جاں ہو رہی ہے۔ جوں ہی اس کی نظر خداداد پر پڑی اس نے پکار کر کہا کہ خدا کیلئے یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ورنہ زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ یہاں ایک دیو صفت آدم خور زنگی رہتا ہے۔ اور عنقریب آنیوالا ہے۔ شاہزادے نے کہا کہ تم اس کے آنے کی فکر نہ کرو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم یہاں کس طرح آئی ہو۔ اور کیا میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہوں۔ وہ کہنے لگی کہ میں قاہرہ کی رہنے والی ہوں۔ سفر کر رہی تھی۔ ملازموں کے سمیت اس دیو صفت زنگی نے گرفتار کر لیا۔ ملازموں کو کھا گیا اور مجھے قید کر رکھا ہے۔ بس یہ ہی میرا قصہ ہے۔ اور اب خدا کیواسطے تم یہاں سے بھاگ جاؤ۔ خداداد نے کہا۔ میں تمہیں اس مجبوری کی حالت میں ہرگز چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اگر وہ آدم خور سیاہ رو آتا ہے تو آنے دو۔ ابھی اتنی ہی گفتگو ہوئی تھی کہ وہ شیطان نما زنگی گھوڑے پر سوار آ گیا۔ اور غصہ میں بیہودہ بکتا ہوا خداداد پر حملہ آور ہوا۔ شہزادہ صرف چالاکی سے اسکے وار خالی دیتا رہا۔ لیکن خود کوئی جوابی حملہ نہیں کیا۔ اس میں شک نہیں کہ زنگی بہت ہی قوی ہیکل اور فنون جنگ سے آگاہ تھا۔ لیکن وہ قوت کے زعم میں مسلسل حملے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ خداداد نے محسوس کیا کہ اب زنگی سست ہونے لگا ہے

تو اس کو عبرت دلانی شروع کردی کہ او نامرد بس اتنا ہی زور و قوت تھی۔ یہ سن کر مجنونانہ غصہ میں زنگی پھر تابڑ توڑ

تصویر جنگ خداداد اور حبشی

حملے کرنے لگا۔ غرض چند ہی ساعت کی تھکا دینے والی لڑائی کے بعد زنگی بالکل بے دم ہو گیا۔ تو خداداد نے اپنی تلوار بلند کی اور اس سے پیشتر کہ زنگی بچاؤ کا کوئی فیصلہ کر سکے ایک تلا ہوا ہاتھ مارا۔ ساتھ ہی بدنصیب کی گردن کٹ کر سر قدموں میں آ رہا۔ عورت نے اوپر سے خوشی کا نعرہ بلند کیا اور خدا کے حضور میں ادائے شکر کے لئے سر جھکا دیا۔ پھر خداداد کو اس نے بتایا کہ مکان کی کنجی جیب میں ہو گی۔ اب آپ اطمینان سے اندر آجایئے۔ خداداد نے کنجی نکال کر قفل کھولا۔ اور مکان کے اندر آیا۔ وہ عورت دوڑ کر قدموں سے لپٹ گئی۔ اور مسرت کے آنسو بہاتی رہی۔ بمشکل خداداد نے اس کو اٹھایا تسلی دی۔ کہ اب تم اطمینان رکھو آئندہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ اسی دوران میں اس نے کسی کے کراہنے کی آواز سنی۔ تو عورت سے پوچھا۔ یہ کون روتا ہے۔ وہ کہنے لگی۔ اس مردود زنگی کے قیدی ہیں۔ جن کو مار کر کباب بنا کر کھایا کرتا ہے۔ خداداد نے ان سب کو رہا کیا۔ ملک ہیرن کے شاہزادے بھی انہیں قیدیوں میں موجود تھے فوراً ان سب کو رہا کیا اور عزت کے ساتھ الگ کر دیا۔ اور نہلا کر پوچھا۔ آپ یہاں کیسے آپھنسے۔ بادشاہ نے سارے ملک میں تلاش کر ڈالا۔ یقیناً آپ سب کسی فریب میں مبتلا ہو کر زنگی کی قید میں آگئے ہونگے۔ خیر خدا کا شکر ہے کہ میں نے آپ کو صحیح و سلامت پالیا۔ ورنہ بادشاہ کو کیا منہ دکھاتا۔ گو شاہزادوں کو قید سے رہائی کی خوشی تھی لیکن خداداد کی برتری کے احساس نے ان کے دل جلا کر کباب کر دیئے۔

چونکہ شام ہو چکی تھی۔ اسلئے رات وہیں گذارنے کا فیصلہ ہوا۔ اور کھانے پینے سے فارغ ہو کر سب اطمینان سے بیٹھ گئے۔ تو خداداد نے اس عورت سے مفصل حالات معلوم کئے اور کہنے لگا صبح کو آپ جہاں چاہیں گی پہنچا دیا جائیگا۔ وہ عورت بولی کہ میری داستان مصیبت سنکر صرف رنج و غم ہی آپ کو ہوگا۔ لیکن چونکہ آپ کو اصرار ہے تو سنئے۔

شہزادی دریابار کی داستان زندگی

میں دراصل جزیرہ دریابار کے بادشاہ کی لڑکی ہوں۔ میرے والد کے یہاں شروع میں کوئی اولاد نہ تھی۔ جس کی وجہ سے وہ پریشان رہا کرتے تھے۔ بڑھاپے کے قریب جب وہ مایوس ہو چکے تھے ایک درویش کی دعاؤں کی بدولت میں آشفتہ بخت پیدا ہوئی۔ میرے والد بڑے خوش ہوئے اور بڑے جشن منائے گئے جب میری عمر پانچ سال کی ہوئی تو میرے والد نے میری تعلیم کا انتظام اس طرح کیا جیسے عام بادشاہ اپنے لڑکوں کے لئے کرتے ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میرے بعد وارث تخت و تاج میری بیٹی ہی ہوگی۔ اسی زمانے میں والد ایک روز شکار کھیلنے گئے ہوئے تھے۔ وہاں ایک ہرن پر انہوں نے تیر چلایا۔ وہ زخمی ہو کر بھاگا والد نے اس کا تعاقب کیا۔ اور خدا جانے کہاں سے کہاں نکل گئے۔ آگے جا کر ہرن گھنے جنگل میں گم ہو گیا۔ اب میرے والد بہت پریشان ہوئے۔ کیونکہ راستہ معلوم نہ تھا۔ اور رات سر پر آ چکی تھی۔ مجبوراً وہ گھوڑے کی لگام پکڑ کر کسی مامن کی تلاش میں ایک سمت چلے۔ تھوڑی دور جا کر انھوں نے ایک روشنی دیکھی۔ اور یہ خیال کر کے کہ یہاں کوئی ضرور رہتا ہوگا۔ اسی طرف چلے۔ قریب جا کر ایک مکان نظر آیا جس میں ایک زنگی بیٹھا تھا اس کے قریب ایک حسین عورت ایک چھوٹے بچے کو لئے ہوئے زار زار رو رہی تھی۔ زنگی کے قریب ایک انسان کی ٹانگ پڑی تھی جس سے وہ گوشت کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر سینک رہا تھا یہ منظر دیکھ کر میرے والد خوف سے کانپ گئے۔ لیکن انہوں نے بڑے ضبط سے کام لیا اور اس بے کس عورت کی حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ زنگی نے انسانی گوشت کے بھنے ہوئے چند ٹکڑے کھا کر عورت کی طرف توجہ دی اور اس کو اپنے ساتھ ہم بستر ہونے کیلئے مجبور کرنے لگا۔ والد نے جب اندازہ کر لیا کہ یا تو اس عورت کی عصمت تباہ ہو جائے گی یا اس کو بھی قتل کر دیگا تو انھوں نے خدا کا نام لیکر ایک تیر مارا جو زنگی کے سینے میں ترازو ہو گیا اور وہ ایک ہیبت ناک چیخ کے ساتھ پیچھے کی طرف گر کر ایڑیاں رگڑنے لگا۔ جب تک والد اندر پہنچے حبشی ٹھنڈا ہو چکا تھا اور وہ عورت حیران چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

میرے والد نے اس کو اطمینان دلایا کہ اب تم کوئی فکر نہ کرو اور مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں کس طرح آئیں اس نے میرے والد کا بہت شکریہ ادا کیا اور کہنے لگی کہ میں قریب کے چھوٹے سے جزیرے کے سرہنگ قبیلہ کے سردار کی بیوی ہوں۔ یہ زنگی مدت سے مجھے حاصل کرنے کی فکر میں تھا۔ ایک روز اتفاقاً میں اس کو مل گئی اور یہ مجھ کو زبردستی پکڑ لایا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپکی بدولت عزت سلامت رہ گئی۔

تصویر زنگی کا قتل
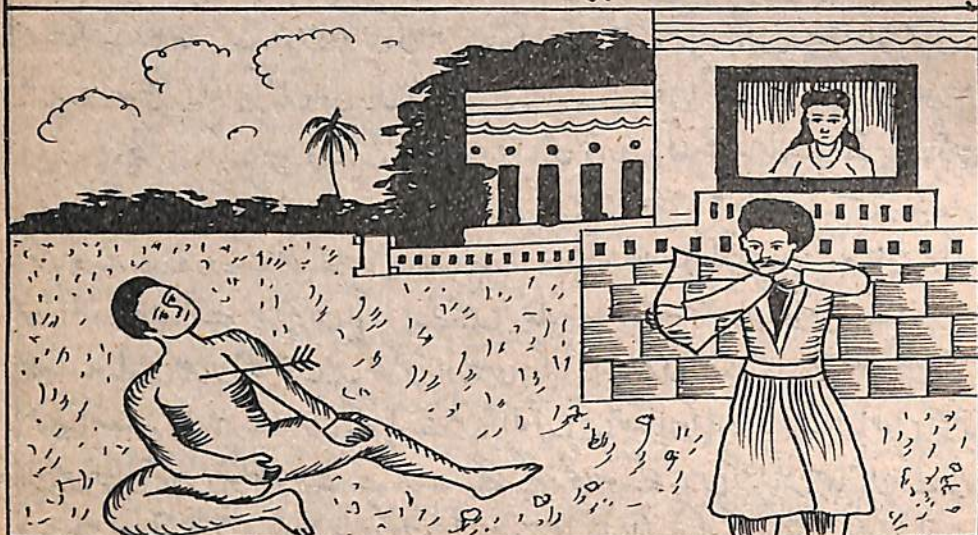
وہ رات میرے والد نے اس مکان میں گذاردی اور صبح کو اس عورت کو ساتھ لیکر تلاش بسیار کے بعد اپنے آدمیوں سے آملے۔ وہاں سے وہ اپنے محل میں آگئے اور اس عورت کے رہنے سہنے کا بھی انتظام کردیا۔ اس کا لڑکا بھی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ میرے والد نے چاروں طرف اسکے شوہر کو تلاش کرایا لیکن آٹھ دس سال گذرنے کے باوجود بھی اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ اس کے بعد میرے والد نے اس عورت سے شادی کرلی لیکن اس نے یہ شرط رکھی تھی دوسری شادی اس کے لڑکے سے کردی جائے اس شرط کو منظور کرلیا مگر یہ قید لگادی کہ پھر یہ لڑکا اور کوئی شادی نہیں کریگا۔ لڑکے نے اس شرط کو اپنی ذلت سمجھا۔ اور درپردہ وہ میرے والد کا دشمن بن گیا۔ میری دوسری ماں کے زیراثر وہ فوج کا افسر بن گیا تھا۔ چنانچہ ایک روز موقع پاکر اس نے والد کو قتل کردیا اور اس فوج کی مدد سے ملک پر قبضہ کرلیا۔ وزیر نے خفیہ طور پر مجھے محل سے نکالکر چند قابل اعتماد ملازموں اور ایک خادمہ کے ساتھ قریب کے ایک بادشاہ کے پاس بھیجدیا۔ جو میرے والد کے دوست تھے لیکن قسمت کی گردش باقی تھی۔ میں جب جہاز میں سفر کررہی تھی وہ طوفان کی زد میں آکر تباہ ہوگیا سب ساتھی غرق ہوگئے۔ لیکن میں دنیا کی اور مصیبتیں برداشت کرنے کو ایک تختے کے سہارے ایک کنارے پر جالگی۔ بھوک اور پیاس سے میں نیم جان ہورہی تھی۔ کچھ پتے کھاکر پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کرکے بیٹھ گئی۔ اپنی بے کسی اور بے بسی میرا جی بھر آیا۔ اور میں رونے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد چند آدمی میرے پاس آئے اور ایک جو اُن میں افسر معلوم ہوتا تھا۔ کہنے لگا کہ تم کون ہو۔ اور یہاں بیٹھی کیوں رو رہی ہو۔ دیر تک میرے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ کیونکہ اسوقت شدت یاس سے میں ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ آخر اس کے تشفی دینے سے میری طبیعت ٹھکانے

آئی تو میں نے انھیں اپنی داستان مصیبت سُنائی۔ وہ رحم کھا کر مجھے اپنے گھر لے گیا اور اپنی والدہ کے سپرد کر دیا۔ وہاں جا کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک چھوٹے سے علاقہ کا حاکم ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے قیام میں وہ مجھسے محبت کرنے لگا تھا۔ ایک روز اپنی والدہ کی معرفت نکاح کے متعلق اس نے میری مرضی معلوم کرائی۔ میں نے یہ سوچ کر کہ بظاہر اسمیں کوئی برائی نہیں ہے اور میرا ابھی کہیں دوسرا ٹھکانہ نظر نہیں آتا۔ منظوری دیدی۔ چنانچہ قریب ایک مہینہ کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ ابھی کئی روز باقی تھے کہ ہمارے علاقہ پر ایک دشمن نے حملہ کر دیا۔ شکست کھا کر میں اور وہ حاکم علاقہ جس سے میری شادی ہونیوالی تھی ایک کشتی میں بیٹھ کر فرار ہوئے اور دو روز کے سفر کے بعد ہمیں ایک جہاز مل گیا۔ جب ہم اس کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ ڈاکوؤں کا جہاز ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ہمیں گرفتار کر لیا اور میرے منسوب کو قتل کر کے سمندر میں پھینک دیا۔ میں پھر ان مصیبتوں میں گھر گئی۔ اور یقین ہو گیا کہ اب میری عصمت نہیں بچ سکتی لیکن قدرت کو ایسا منظور نہ تھا۔ میرے حصول کے بارے میں ڈاکوؤں میں جھگڑا ہو گیا اور معاملہ نے اتنا طول پکڑا کہ ان میں لڑائی شروع ہو گئی۔ بہت سے مارے گئے۔ کچھ زخمی ہو گئے۔ اس گڑبڑ میں جہاز ان کے قابو سے باہر ہو گیا۔ معلوم نہیں کون بچا اور کون غرق ہوا۔ بہر حال میں ایک ڈاکو کے ساتھ ایک تختہ جہاز پر تیرتی ہوئی کنارے پر آ لگی۔ خشکی پر پہنچکر ہم دونوں شہر میں آئے اور ایک جگہ قیام کیا۔ وہ ڈاکو بھی میرا طلب گار تھا۔ میں نے بڑی خوشامد سے اس کو سمجھایا کہ تمہارا گروہ تو ختم ہو ہی گیا تو ابھی اس زندگی سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کسی دوسرے شہر میں چل کر کچھ کاروبار کر لو۔ پھر مجھ سے نکاح کر لینا۔ خواہ مخواہ حرام کاری سے کیا فائدہ۔ بارے وہ راضی ہو گیا۔ کچھ جواہرات اس کے پاس تھے ان کو فروخت کر کے اس نے ایک غلام اور ایک لونڈی خریدی اور مجھے ساتھ لیکر قاہرہ کا رُخ کیا۔ راہ میں اس آدم خور زنگی کے ہاتھوں غلام کنیز اور وہ ڈاکو مارے گئے۔ تو میں قید ہو گئی۔ یہاں آئے ہوئے مجھے چند ہی روز ہوئے تھے کہ آپ آ گئے اور اس مردود کو جہنم داخل کر دیا۔

خداداد شہزادی دریا بار کی کہانی سنکر بہت متاثر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ آپ آئندہ کیلئے بالکل پریشان نہ ہوں۔ جس طرح آپ چاہیں انتظام ہو جائیگا۔ یہ ملک ہیرن کے شاہزادے ہیں اگر تم پسند کرو تو ان میں سے کسی کے ساتھ شادی ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر مجھے تم یہ عزت بخشنا چاہو تو میں بھی حاضر ہوں۔ شہزادی دریا بار نے سر جھکا لیا۔ پھر کہنے لگی کہ آپ نے میری جان عزت بلکہ ہر چیز بچائی ہے اگر آپ بھی مجھے اس کی اجازت دیں کہ میں زندگی بھر آپ کی خدمت کر کے کچھ بار احسان اتار سکوں تو مہربانی ہوگی۔ خداداد نے بخوشی منظور کر لیا اور یہ طے ہو گیا کہ شہر پہنچ کر نکاح کر لیا جائیگا۔

رات کو جب سب آرام سے لیٹے تو خداداد نے باتوں ہی باتوں میں بھائیوں کو یہ بتا دیا کہ میں ملکہ فیروزہ کا لڑکا ہوں اور تمہارا حقیقی بھائی ہوں۔ میں ملک سمین کے یہاں زیر پرورش تھا۔ والد اور تم سب بھائیوں کو دیکھنے چلا آیا تھا۔ بظاہر تو سب بھائی بہت خوش ہوئے لیکن دلوں میں کدورت اور بڑھ گئی

موقع پاکر سب نے مشورہ کیا کہ اسوقت اجنبی سمجھتے ہوئے ہمارے والدین اس کی اتنی عزت و توقیر اور ہماری گرفتاری اور اس کے ذریعہ رہائی کے حالات سنیں گے تو اس کی قدر و منزلت اتنی بڑھ جائے گی کہ ہم کسی شمار و قطار ہی میں نہیں رہیں گے۔ اسلئے اسکا قصہ پاک کر دینا چاہیئے۔ یہ رائے پیش کی اور منظور ہوگئی خداداد بھائیوں کی مکر سے لاعلم دل پسند دلہن کے حصول کے دل خوش کن خیالات میں مزے سے سو رہا تھا کہ فتنہ خوابیدہ بیدار ہوا۔ ظالم بھائیوں نے اپنے نزدیک اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈالدیا اور گھبراہٹ میں شاہزادی دریابار کو بھول گئے۔ یہ سب بھاگ گئے۔ صبح کو جب شاہزادی کی آنکھ کھلی تو مکان سنسان تھا۔ گھبرا کر اٹھی اور سب طرف پھر کر دیکھنے لگی۔ جب خداداد کے کمرے میں پہنچی تو اس کے منہ سے دردناک چیخیں نکل گئیں۔ شہزادہ خون میں نہایا ہوا زخموں سے چور بیہوش پڑا تھا۔ شہزادی دریابار کی چیخوں سے غالباً کچھ حواس قائم ہوئے ہونگے اس کے منہ سے صرف کراہنے کی آواز نکلی۔ اس نے قریب جا کر دیکھا۔ تو زندگی کی رمق باقی تھی۔ چنانچہ شہزادی اس کو غیر محفوظ ہی چھوڑ کر کسی امداد کی تلاش میں نکلی۔ اندھا دھند ایک سمت چلتی رہی۔ اتفاقاً ایک بوڑھے جراح کے مکان پر گئی۔ اور رو رو کر کل حال اسکو سنایا۔ جراح بڑا نیک نفس اور خدا ترس آدمی تھا۔ اسی وقت دوائیں وغیرہ لیکر شہزادی کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ واپس آ کر دیکھا تو شہزادے کا کہیں پتہ نہ تھا۔ شہزادی دریابار زار و قطار رونے لگی۔ نیک دل جراح نے اسکو تسلی دی اور اپنے ساتھ گاؤں میں لے گیا۔ وہاں اپنی بیوی کو کل حالات بتاکر مجھے اس کے سپرد کر دیا۔ چند روز تک شاہزادی دریابار بالکل بدحواس رہی۔ آخر مرور وقت اور جراح کی بیوی کی دلجوئی سے قدرے طبیعت بحال ہوئی تو جراح اور اس کی بیوی نے مشورہ دیا کہ ملک ہیرن کا دارالسلطنت یہاں سے قریب ہے تم اس کے پاس چلو اور اپنی داستان مصیبت سناؤ۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ دادرسی کریگا۔ اور اگر شاہزادہ زندہ موجود ہوگا تو ضرور تلاش سے مل جائیگا۔ یہ تجویز بہت معقول تھی۔ چنانچہ جراح اور شاہزادی دو اونٹوں کا انتظام کر کے شہر ہیرن کی طرف روانہ ہوگئے۔ تیسرے دن وہاں پہنچکر ایک کاروان سرائے میں قیام کیا۔ جراح نے شہزادی کو سمجھا دیا تھا کہ ہر کس و ناکس سے اپنا حال بیان نہ کرنا کیونکہ خداداد کے قاتل بھائی یہیں ہیں اگر ان کو تمہاری آمد کا علم ہوگیا تو کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا کر دیں گے۔ چنانچہ پہلے جراح نے شہر میں جا کر حالات معلوم کرنے شروع کئے۔ تاکہ دریافت ہو سکے کہ شہزادگان ہیرن نے یہاں آ کر کیا قصہ مشہور کیا ہے۔ مختلف لوگوں سے پوچھ گچھ کرتے ہوئے اسے علم ہوا کہ شہزادہ خداداد کی والدہ ملکہ فیروزہ بھی یہیں آگئی ہیں۔ اور اپنے بیٹے کی طرف سے بیحد فکرمند ہیں۔ ملک ہیرن کو جب یہ معلوم ہوا کہ خداداد سپہ سالار افواج اس کا اپنا بیٹا تھا۔ ہر طرف اس کی تلاش کرا رہا ہے۔ لیکن اب تک اسکا کہیں پتہ نہیں چلا۔ اور بادشاہ بہت رنجیدہ ہے۔ یہ سب حالات معلوم کر کے جراح سرائے میں واپس آیا اور شہزادی کو کل واقعات سنا کر کہنے لگا۔ کہ میری رائے ہے کہ تم کسی نہ کسی طرح پہلے ملکہ فیروزہ سے ملو۔ اور اسکا سارا ماجرا سناؤ اس کے بعد بادشاہ تک رسائی آسان ہوگی۔ شہزادی دریابار نے بھی یہ تجویز پسند کی۔ چنانچہ نقاب اوڑھ کر محل سرائے پہنچی اور دربانوں سے

مختلف حیلے بہانے کر کے اندر جانے میں کامیاب ہوگئی۔ ایک کنیز نے اسکو ملکہ فیروزہ کی خدمت میں پہنچادیا۔ وہاں پہنچکر اس نے تخلیہ کی درخواست کی۔ ملکہ فیروزہ نے بڑے تعجب کے ساتھ الگ لیجاکر آنے کا سبب دریافت کیا۔ شہزادی دریابار نے رو رو کر شہزادہ خداداد کی کل داستان سنائی۔ اور جسطرح جراح کی امداد سے یہاں تک پہنچی تھی واقعات بھی عرض کیے۔ ملکہ فیروزہ یہ حالات سنکر بہت روئی۔ اسکے بعد اس نے ملک ہیرن شاہ کو محل سرائے میں بلاکر سب حال سنایا۔ بادشاہ دیر تک شاہزادی سے مختلف سوالات کرتا رہا۔ اس کے بعد سخت غصے کی حالت میں باہر گیا اور تمام شاہزادوں کو بلاکر اصلی واقعات بتانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ اگر تم نے غلط بیانی کی تو قتل کرادونگا۔ ایک کمزور دل شاہزادے نے سب ماجرا سنادیا۔ اسطرح شہزادی دریابار کے بیان کی مکمل تصدیق ہوگئی۔ چنانچہ ملک ہیرن نے تمام شاہزادوں کو قید کردیا اور خداداد کو مردہ سمجھ کر ایک مقبرہ بنوایا۔ جہاں روزآنہ خود جاکر فاتحہ خوانی کرتا اور اپنے قابل اور ہونہار لڑکے کو یاد کرکے روتا۔

خداداد کے مقبرے پر فاتحہ خوانی
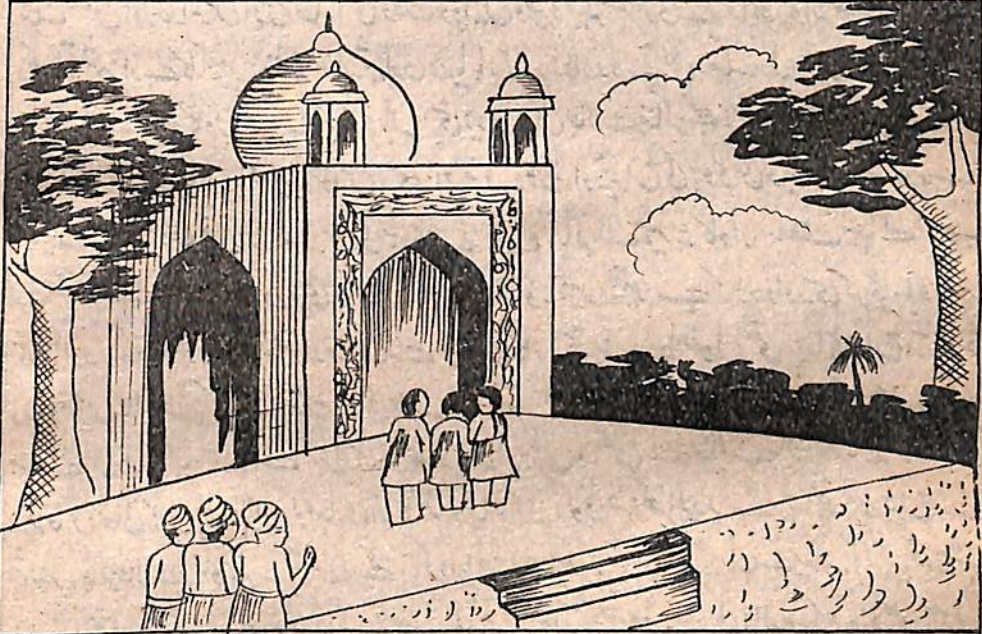
ابھی بادشاہ کا رنج و غم بھی کم نہیں ہوا تھا کہ قریب کے ایک دوسرے بادشاہ نے جسے معلوم ہوگیا تھا کہ خداداد سپہ سالار افواج قتل ہوگیا ہے۔ اور دوسرے شاہزادے بھی قید ہیں ملک ہیرن کے ملک پر حملہ کردیا۔ بادشاہ نے جو کچھ فوج تھی۔ اس کی امداد سے مقابلہ شروع کیا۔ لیکن وہ دل شکستہ ہوچکا تھا جم کر مقابلہ نہ کرسکا۔ یہاں تک کہ ملک ہیرن کی فوج ایک دن میں پسپا ہوکر دارالسلطنت کے قریب پہنچ گئی۔ اور یقین تھا۔ کہ چند سوار بے تحاشہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں آئے۔ اور عرض کیا کہ مبارک ہو

شہزادہ خداداد مع فوج کے آگئے ہیں اور اسوقت شہر میں داخل ہو چکے ہونگے۔ ہم حضور کو اطلاع دینے آئے ہیں
بادشاہ جوش مسرت میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے ہونہار بیٹے کے استقبال کو
چلا۔ شہر کے دروازے کے قریب خداداد مل گیا۔ باپ کو دیکھ کر گھوڑے سے کود پڑا اور دوڑ کر رکاب تھام
لی۔ ملک ہیرن نے بھی گھوڑے سے اتر کر بیٹے کو سینے سے لگایا۔ اور دیر تک محبت کے آنسو بہاتا رہا۔ پھر
شہزادے کو لیکر محل سرائے میں پہنچا اور اس کی والدہ کو اطلاع دی۔ ملکہ فیروزہ نے آکر بیٹے کو پیار کیا اور
شاہزادی دریابار کے آنے کی خوشخبری بھی دی۔ شاہزادہ سب سے ملکر دربار میں آیا اور اسی وقت افسران
فوج کو بلا کر صورت حالات کے متعلق مشورہ کیا اور یہ تجویز ہوئی کہ دشمن پر ایک شب خون مارنا چاہیئے۔ چنانچہ
خداداد کی زیر کمان مضبوط دستہ تیار ہوا اور ان لوگوں نے بڑی بے جگری سے دشمن کی فوج کے مختلف حصوں
پر کئی شب خون مارے گئے۔ پھر شاہزادہ واپس آگیا۔ تمام فوج میں مشہور ہو گیا کہ سپہ سالار افواج شہزادہ
خداداد آگیا ہے۔ اس سے فوج کا حوصلہ بلند ہو گیا۔ حسب معمول جنگ شروع ہوئی لیکن شب خون نے
دشمن کے حواس پراگندہ کر دیئے تھے۔ چنانچہ وہ خداداد کے حملہ کی تاب نہ لا کر فرار ہوئے۔ خداداد نے تعاقب
کر کے تمام فوج کو تتر بتر کر دیا اور بفتح فیروزی واپس آیا۔ تمام ملک میں فتح کا اعلان کر دیا گیا۔ دوسرے روز
بادشاہ نے خداداد کی شادی شہزادی دریابار سے کر دی۔ شادی کے روز خداداد کے اصرار سے ملک ہیرن نے
سب شاہزادوں کو بھی آزاد کر دیا۔ بھائی خداداد کی سیر چشمی دیکھ کر گرویدہ ہو گئے اور عہد کر لیا جہاں خداداد کا
پسینہ گریگا۔ ہم اپنا خون بہادیں گے۔ بادشاہ نے جراح کو بہت کچھ انعام دیکر رخصت کیا۔ خداداد نے اپنا
حال بادشاہ سے عرض کیا کہ شاہزادی دریابار مجھے چھوڑ کر جراح کی تلاش میں گئی تو اس کے بعد ایک ساڈنی
سوار ادھر سے گذرا اور مجھے زخمی دیکھ کر اپنے ساتھ لے گیا۔ وہاں بڑی محنت سے علاج کرایا۔ جب میں تندرست
ہو گیا تو اس زمانے میں یہ جنگ چھڑ گئی۔ وہ علاقہ بھی ہماری سلطنت میں تھا۔ میں نے کچھ سپاہی اکٹھے کئے اور
آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے اس شخص کو بلا کر جس نے شاہزادے کا علاج کرایا تھا اتنا انعام و
اکرام دیا کہ سات پشت تک کو کافی ہو گیا۔

سب لوگ ہنسی خوشی رہنے لگے۔ اور پھر کوئی مصیبت انہوں نے نہیں دیکھی اور آرام کی زندگی بسر کی۔

یہ کہانی سنا کر شہرزاد کہنے لگی کہ کل انشاءاللہ سوتے جاگتے کی کہانی سناؤں گی جو اپنی نظیر آپ ہے

بادشاہ نے اس روز بھی قتل کا ارادہ ملتوی رکھا اور اپنے کاروبار شاہی میں مصروف ہو گیا۔

سوتے جاگتے کا قصّہ

دوسری شب کو شہرزاد نے حسب وعدہ کہانی شروع کی

خلفائے عباسیہ کے مشہور اور عظیم المرتبت بادشاہ ہارون الرشید کے دور حکومت میں ایک
دولت مند اور صاحب لیاقت تاجر تھا۔ اس کا انتقال ہوا۔ تو اس نے ایک لڑکا ابوالحسن چھوڑا۔ مال و

دولت کی کمی نہ تھی۔ ابوالحسن جوان تھا عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ بغداد کے بے فکر خوشامدی چاروں طرف سے گھر کر اس کے یہاں جمع ہو گئے۔ ہر روز مجلس نغمہ و سرود منعقد ہوتی۔ دس بیس دوست دسترخوان پر شریک طعام ہوتے۔ اور خوش مذاقی میں وقت گذر جاتا۔ ابوالحسن کی ماں نے بیٹے کو ہرچند سمجھایا لیکن عیش کا نشہ ایسا نہ تھا کہ آسانی سے اتر جاتا۔ بہرحال یہ راگ رنگ کچھ روز چلتا رہا۔ لیکن دولت ختم ہو گئی تو مطلب پرست احباب بھی کنارہ کش ہونے لگے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ابوالحسن بے یار و مددگار بے روزگار تنہا رہ گیا۔ اسوقت ہوش آیا۔ ماں کے قدموں پر گر کر بہت رویا اور اپنی غلطیوں پر ندامت کا اظہار کیا اور اجازت چاہی کہ کسی دوسرے شہر میں جا کر ملازمت وغیرہ تلاش کرے۔ ماں نے محبت سے بیٹے کو چھاتی سے لگایا اور کہنے لگی کہ اگر تم اعتدال کی زندگی بسر کرو اور اپنی گذشتہ غلطیوں سے آئندہ کیلئے سبق حاصل کرو تو یہاں بھی کچھ نہ کچھ ہو ہی سکتا ہے۔ چنانچہ ماں نے کچھ اشرفیاں دے کر کاروبار شروع کرنے کی ہدایت کی۔ ابوالحسن نے اپنی قدیم دوکان کو سنبھالا اور چونکہ کافی ٹھوکریں کھا چکا تھا اس لئے محنت سے کام کرنا شروع کیا۔ چند ہی روز میں حالات درست ہو گئے اور آسائش کے ساتھ گذر ہونے لگی۔ لیکن مدت تک دوستوں کے ساتھ کھانے پینے کی وجہ سے دسترخوان پر تنہا بیٹھنا بہت بار محسوس ہوتا تھا۔ اس نے ماں کے مشورہ سے یہ معمول بنا لیا تھا کہ شام کو دجلہ کے پل پر یا کسی کاروان سرائے میں جاتا اور ایک دو معزز سوداگروں کو بطور مہمانی اپنے گھر لاتا۔ اعزاز و اکرام سے رکھتا اور دوسرے روز رخصت کر دیتا۔ ایک روز کافی دیر ہو جانے کے باوجود ابوالحسن کو موزوں مہمان نہیں ملا۔ وہ کچھ کبیدہ خاطر دجلہ کے پل پر کھڑا تھا کہ کچھ تاجر آتے ہوئے نظر آئے۔ ابوالحسن نے بڑھ کر سلام کیا۔ اور پوچھا کہاں سے تشریف آوری ہوئی ہے۔ مسافروں نے جو حقیقتاً خلیفہ ہارون الرشید اور جعفر و مسرور تھے۔ کہا کہ ہم موصل کے سوداگر ہیں۔ راستہ میں دیر ہو گئی اور اب شہر جا رہے ہیں۔ ابوالحسن نے باصرار اپنے یہاں چلنے پر مجبور کر دیا اور خوشی خوشی مہمانوں کو لے کر اپنے گھر آیا۔ بڑے احترام سے تینوں کو مسند پر بٹھایا۔ پھر غلام کو کھانا چننے کا حکم دیا۔ خلیفہ و جعفر حیران تھے کہ آخر اس ساری کارروائی کا کیا مطلب ہے۔ آخر جعفر نے خلیفہ کے اشارے سے معلوم کیا کہ ہم آپ کی اس مہربانی اور نوازش کا سبب ضرور معلوم کرنا چاہتے ہیں جو بلا کسی پہلی واقفیت کے آپ نے ہم پر کی ہے۔ ابوالحسن نے نہایت سادگی سے کل قصہ سنا دیا اور کہا کہ صرف اپنی عادت سے مجبور ہوں تنہا کھانا نہیں کھایا جاتا۔ اور بغداد کے دوستوں سے متنفر ہوں کہ صورت تک دیکھنے کو جی نہیں چاہتا خلیفہ ابوالحسن کی دلچسپ حالات سنکر بہت مسرور ہوا۔ کھانے کے بعد نبیذ و شراب پیش کی گئی خلیفہ نے صرف نبیذ کی تھوڑی مقدار پی لیکن ابوالحسن برابر جام پر جام لنڈھاتا رہا۔ جب سرور گھٹے تو ابوالحسن اور بھی بے تکلف ہو گیا اور اپنے گھر اور دوستوں کے قصے سناتا رہا۔ خلیفہ ہارون الرشید اس کی سادہ فطرت سے بہت خوش ہوا اور جعفر سے کہا کہ میں اس کیساتھ کچھ سلوک

کرنا چاہتا ہوں۔ جعفر نے دوران گفتگو میں ابوالحسن سے کہا کہ ہم آپ کی مہمانی سے بہت خوش ہوئے۔ اور جی چاہتا ہے آپ کی بھی کچھ خدمت کریں۔ ابوالحسن نے نہایت لاپرواہی سے جواب دیا کہ خدا کا دیا ہوا میرے پاس سب کچھ ہے۔ آپ لوگوں کی میزبانی کا معترف حاصل کرنے میں میری کسی استفادے کی نیت نہیں تھی۔ اتفاقاً اسی وقت محلہ میں کچھ شور ہوا اور ہائے ہو کی آوازیں آنے لگیں۔ ابوالحسن نے آہ سرد بھر کر کہا۔ کاش میں ایک دن کو خلیفہ بغداد ہو جاتا تو اس مسجد کے موذن اور اس کی ٹولی کو ایسی سزا دیتا کہ ان کا مزاج درست کر دیتا اور پھر اپنے مہمانوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ آپ یہ شور سن رہے ہیں جو باہر ہو رہا ہے۔ غالباً مولوی اور اس کی جماعت کے آدمی کسی شریف مسافر کو پریشان کر رہے ہیں۔ ان کی عادت ہے۔ کہ راہ چلتے لوگوں کو تنگ کرتے ہیں۔ برقعہ پوش عورتوں سے غیر اخلاقی مذاق سے بھی نہیں چوکتے۔ غرض سارا محلہ ان سے تنگ ہے۔ لیکن ان بدمعاشوں کے خوف سے سب خاموش ہیں یہ کہہ کر ابوالحسن اٹھا اور معذرت کر کے قضاء حاجت کے لیے چلا گیا۔ خلیفہ نے جعفر سے کہا کہ اس کو مدہوش کر کے محل میں لے چلو۔ اس کو ایک دن کے لئے خلیفہ بنا کر دیکھنا چاہیئے کہ یہ کیا کرتا ہے۔ جعفر و مسرور ہنسنے لگے۔ اور عرض کیا کہ کیوں غریب کو آپ دیوانہ بناتے ہیں۔ خلیفہ نے کہا نہیں یہ تماشہ میں ضرور دیکھوں گا۔ اور پھر اس سے مناسب سلوک کرونگا۔ مسرور نے کسی تیز دوا کا عرق نکالکر شراب میں ملا دیا اور ابوالحسن کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں وہ آگیا مسرور نے ایک جام بھر کر پیش کیا اور کہا کہ یہ آپ کا جام صحت ہے۔ نوش فرمایئے۔ خوش دل ابوالحسن بے تکلف پی گیا۔ تھوڑی دیر میں دوا کا اثر شروع ہوا اور ابوالحسن وہیں آرام تکیہ پر سر رکھ کر گہری نیند سو گیا۔ خلیفہ کے ایما پر مسرور نے اس کو اٹھا کر کندھے پر رکھا اور خاموشی سے شاہی محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ خلوت میں پہنچ کر ہارون الرشید نے کنیز اور غلاموں کو اکٹھا کیا اور حکم دیا کہ اس کو میرا لباس پہنا کر میرے پلنگ پر سلا دو۔ اور صبح کو جس طرح مجھے بیدار کرتے ہو اسکو اٹھاؤ۔ امیرالمومنین کہہ کر مخاطب کرو۔ ہر قسم کا ادب و قاعدہ اس کے ساتھ برتو۔ اگر یہ انکار کرے تو تعجب کا اظہار کرو۔ کہ آج امیرالمومنین کیسی باتیں کرتے ہیں۔ غرض ہر طرح اس کو یقین دلادو کہ یہ خلیفہ بغداد ہے۔ خبردار کوئی نہ ہنسے۔ اور نہ کسی قسم کا مذاق کرے۔ سب نے تعمیل حکم کا اقرار کیا اور ابوالحسن کا لباس بدلوا کر خلیفہ کے خلوت کدہ میں لٹا دیا۔ اس کے بعد ہارون الرشید نے جعفر کو مخاطب کر کے کہا کہ کل صبح دربار عام میں بھی یہ جو کچھ حکم دے تعمیل کی جائے۔ امراء وزراء کو ہدایت کر دینا کہ اس کے ساتھ وہی معاملہ برتیں جو میرے ساتھ برتا جاتا ہے۔ جعفر ہنستا ہوا چلا گیا۔ خلیفہ نے ملکہ زبیدہ کو بھی کل قصہ سنایا۔ چنانچہ وہ بھی اس لطیفہ کو دیکھنے کی بیحد مشتاق ہوگئی۔ اس کے بعد خلیفہ نے آرام کیا اور کنیزوں کو حکم دیا کہ صبح کو ابوالحسن کے بیدار کرنے سے پہلے مجھے جگا دیا جائے۔ تاکہ میں اس کا تماشہ دیکھ سکوں۔

علی الصباح ہارون الرشید اٹھ گیا۔ اور زبیدہ کو بھی جگا دیا۔ پھر دونوں ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ

گئے۔ جہاں سے ابوالحسن کی سب حرکات دیکھی جا سکتی تھیں۔ تجویز کے مطابق چند کنیزیں ابوالحسن کے پاس آئیں۔ ایک کنیز نے سرکے میں بھیگا ہوا اسپنج اس کی ناک کے قریب کیا۔ ابوالحسن نے گھبرا کر آنکھ کھولی تو کنیزوں نے عرض کیا۔ کہ یا امیرالمومنین اٹھئے۔ نماز صبح کو دیر ہو رہی ہے۔ ابوالحسن حیران رہ گیا۔ کہ مجھے امیرالمومنین کون کہہ رہا ہے۔ حسین و جمیل عورتیں کون ہیں۔ یہ مرصع و زرکار بستر کس کا ہے۔ یہ نادر روزگار کمرۂ خواب کہاں سے آیا۔ پھر یہ سوچ کر آنکھیں بند کر لیں کہ شاید میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ رات شراب زیادہ پی لی۔ اسی کا خمار ہے۔

ابوالحسن کو کنیزوں کا بستر خواب سے جگانا

جب ابوالحسن آنکھ بند کر کے لیٹ گیا تو پھر ایک کنیز نے عرض کیا۔ کہ امیرالمومنین آج نصیب اعداء کیسی طبیعت ہے۔ آپ تو کبھی اتنی دیر تک آرام نہیں فرمایا کرتے تھے۔ ابوالحسن نے پھر آنکھیں کھولیں اور یہ سمجھ کر بہر حال یہ خواب نہیں ہے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور کنیز سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ میں کون ہوں اس نے کہا۔ آپ امیرالمومنین ہیں اور کون ہوتے۔ اسپر دوسری کنیز کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ کہ ذرا مجھ کو چھیڑ کر دیکھو۔ میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں۔ اس کنیز نے ایک زور کی چٹکی ابوالحسن کے گال پر لی۔ اور کہنے لگی۔ آپ تو ماشاءاللہ جاگ رہے ہیں۔ ابوالحسن کا گال سرخ ہو گیا وہ گھبرا کر کہنے لگا۔ تم نے امیرالمومنین کا منہ ہی نوچ لیا۔ کنیز نے بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کی۔ ادھر خلیفہ اور زبیدہ کا یہ حال کہ ہنستے ہنستے دوہرے ہو گئے۔ اتنے میں چند کنیزیں منہ ہاتھ دھونیکا سامان لیکر حاضر ہوئیں۔ اور نہایت ادب سے جھک کر سلام کیا۔ اور صباح بالخیر یا امیرالمومنین کہہ کر

آگے بڑھیں اور منہ ہاتھ دھلایا۔ ابوالحسن منہ دھو کر فارغ ہی ہوا تھا کہ مسرور خواجہ سرا داخل ہوا اور نیم قدم جھک کر سلام کے بعد عرض کیا۔ آج خلیفہ المسلمین کے مزاج اقدس کیسے ہیں اور اتنی تاخیر کیوں ہو گئی ابوالحسن نے کہا تم کون ہو۔ مسرور نے رونی صورت بنا کر کہا کہ آج کیا بات ہے حضور اپنے غلام مسرور خواجہ سرا کو بھی بھول گئے۔ ابوالحسن نے پھر پوچھا۔ کہ میں کون ہوں۔ اس نے عرض کیا کہ آپ امیرالمومنین خلیفہ المسلمین ہیں۔ باہر دربار میں سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں جعفر در دولت پر حاضر ہے۔ حضور تشریف لے چلیں۔

ابوالحسن نے دل میں خیال کیا کہ رات میں نے خلیفہ بننے کی تمنّا کی تھی۔ غالباً وہ قبول دعا کا وقت تھا اور میں خلیفہ بغداد بن گیا ہوں لباس تبدیل کر کے جس وقت وہ باہر نکلا تو ہر طرف بسم اللہ خلیفۃ المسلمین پائندہ باد کا شور ہو گیا۔ ابوالحسن دو غلاموں کے سہارے سب کے سلاموں کا جواب دیتا ہوا دربار کی طرف چلا۔ جس وقت دربار میں پہنچا۔ تمام امراء اور اعیان سلطنت ادب سے کھڑے ہو گئے۔ جعفر نے سلام کیا اور ایک طرف ہٹ گیا۔ ابوالحسن تخت خلافت پر بیٹھ چکا تو سب اہل دربار بھی اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ جعفر نے کچھ کاغذات متعلقہ امور ملکی پیش کئے۔ ابوالحسن نے کہا کہ ان کو رہنے دو۔ پہلے کوتوال شہر کو بلاؤ۔ چنانچہ کوتوال شہر حاضر ہوا۔ ابوالحسن نے حکم دیا کہ فلاں محلہ کی مسجد کے موذن اور اس کے حواریوں کو سو سو درّے لگا کر بغداد سے نکال دو۔ اور اعلان کرا دو کہ جو بد معاش عورتوں کی پریشانی کا موجب ہونگے ان کے ساتھ یہ ہی سلوک کیا جائے گا۔ اسی وقت حکم کی تعمیل ہو گئی۔ اس کے بعد حکم دیا کہ اس محلہ میں ایک نیک شخص ابوالحسن رہتا ہے اس کی والدہ کو ایک ہزار اشرفیاں دیدو۔

اس کی بھی تعمیل ہو گئی۔ پھر کچھ دادخواہوں کے مقدموں کا فیصلہ کیا اور دربار برخاست کر کے محل میں واپس آیا۔ مسرور اس کو کھانے کے کمرے میں لے گیا۔ جہاں دسترخوان پر انواع و اقسام کی نعمتیں چنی ہوئی تھیں۔ اور باتمیز کنیزیں ہاتھ دھلوانے کا سامان لئے کھڑی تھیں۔ ابوالحسن نے ہاتھ دھوئے اور کھانے کے لئے بیٹھ گیا۔ جونہی اس نے کھانا شروع کیا۔ نغمہ و سرود کی آوازیں آنے لگیں اور چند کنیزیں بصد ناز و ادا آ کر کھڑی ہو گئیں۔ ابوالحسن ان کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا اور سوچتا تھا کہ خداوندا یہ عالم خواب ہے۔ یا بیداری۔ پھر اس نے کنیزوں سے ان کے نام پوچھے۔ ایک شوخ ادا نے کہا مجھے لیلۃ البدر کہتے ہیں۔ دوسری نے کہا۔ میرا نام نورالصباح ہے۔ تیسری بولی میں زہرۃ الحیات ہوں۔ ابوالحسن ان کے نام سن کر انگشت بدنداں رہ گیا۔ پھر کنیزوں کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیا۔ ابھی کچھ ہی کھانا کھایا تھا۔ کہ مسرور نے عرض کیا۔ کہ دوسرے کمرے میں تشریف لے چلئے۔ ابوالحسن نے پوچھا۔ کیوں کیا امیرالمومنین کو کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ یا ان کنیزوں کو میں نے چرا لیا ہے۔ یہ سن کر مسرور بے اختیار ہو گیا۔ لیکن بڑے ضبط کے

بعد کہا۔ کہ نہیں حضور وہاں پر دوسرے کھانے چنے ہوئے ہیں۔ ان کو بھی ملاحظہ فرمایئے۔ خلیفہ ہارون الرشید اور زبیدہ چھپے ہوئے یہ لطیفہ دیکھ رہے تھے۔ مسرور اور ابوالحسن کی گفتگو سنکر دونوں کے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ ابوالحسن مسرور کے ساتھ دوسرے کمرے میں گیا۔ تو وہاں اور بہترین کھانے رکھے ہوئے تھے۔ وہاں بیٹھ کر کھانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں مسرور تیسرے کمرے میں لایا تو یہاں سجاوٹ دیکھ کر ابوالحسن کے عقل و ہوش جواب دے گئے۔ قسم قسم کے بہترین کھانے حاضر تھے یہاں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اتنے میں چند حسین و جمیل کنیزیں آلات موسیقی لے کر آئیں اور گانا

ابوالحسن کمرۂ طعام میں کنیزوں کے ساتھ

شروع کر دیا۔ چند دوسری کنیزیں جام شراب بھر بھر کر دینے شروع ہو گئیں۔ ابوالحسن بڑے لطف سے شراب پیتا اور گانا سنتا رہا۔

عالم سرور میں یہاں بھی ابوالحسن نے گانے والی کنیزوں سے کہا۔ کہ تمہارا کیا نام ہے۔ وہ کہنے لگیں۔ حضور آج کیا بات ہے۔ اپنی کنیزوں کے نام بھی بھول گئے۔ ایک نے بڑھکر کہا مجھے زینت القلوب کہتے ہیں۔ دوسری نے عرض کیا۔ میرا نام شجرۃ الدر ہے۔ غرض اسی طرح سب نے اپنے اپنے نام بتائے۔ جب نشہ کافی ہو گیا تو خلیفہ نے ایک کنیز کو اشارے سے بلایا اور کہا کہ اب اس کو دوائے بیہوشی پلا دو۔ چنانچہ ایک جام میں عرق بیہوشی ملا کر پلا دیا۔ ابوالحسن چند ہی منٹ میں مسند پر سر رکھ کر سو گیا۔ خلیفہ ہنستا ہوا باہر نکلا۔ اور ابوالحسن کو اس کے سابقہ لباس پہنا کر ایک غلام کے ہاتھ اس کے مکان پر پہنچا دیا۔ دوسرے روز دربار میں حاضرین سے مسکرا کر کہنے لگا کہ یہ شخص اپنے محلہ کے موذن اور اس کے حواریوں سے تنگ آکر اور ایک دن

کیلئے خلیفہ بن کران کو سزا دینا چاہتا تھا۔ میں نے اس کی خواہش پوری کردی۔
ابوالحسن کو بیہوشی کی حالت میں اپنے مکان میں پہنچا دیا گیا۔ صبح کو جب آنکھ کھلی تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ پریشان ہو کر پکارنے لگا۔ نورالصباح۔ شجرۃ الدر۔ لیلۃ البدر لیکن وہاں کوئی ہوتا تو بولتا۔ ماں بیٹے کی آواز سن کر آئی۔ اور پوچھنے لگی کہ بیٹا کیا بات ہے۔ ابوالحسن نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ تو کون ہے۔ اور کس کو اپنا بیٹا کہتی ہے۔ ماں نے کہا۔ ابوالحسن تجھے کیا ہو گیا۔ کیا تو اپنی ماں کو بھی بھول گیا ہے۔ ابوالحسن نے غصہ میں ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔ کہ او مکار بڑھیا تہذیب سے گفتگو کر۔ کون ابوالحسن میں امیرالمومنین ہوں۔ تو مجھ کو نہیں پہچان سکتی۔ ماں بیچاری نے سمجھا کہ شاید زیادہ شراب پینے سے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے رو کر سمجھانے لگی کہ بیٹا یہ کیا کہتا ہے۔ اگر کوئی سن لے گا۔ تو مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ ابوالحسن بہت حیران ہوا۔ اور کہنے لگا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ کیا میں ابوالحسن ہی ہوں۔ اور یہ مکان میرا ہی ہے۔ اس کی ماں نے کہا ہاں بیٹا۔ اس طرح ہوش میں آکر بات کر تو کیسے خلیفہ بن سکتا ہے۔ اتنی بے باکی اور بے ادبی نہ کر۔ خدا خلیفہ کو ہمارے سر پر ہمیشہ سلامت رکھے۔ کل ہی تو اس نے ہمارے دشمن موذن کو شہر بدر کرایا ہے۔ اور مجھے ایک ہزار اشرفیاں عنایت فرمائی ہیں۔ یہ بات سنکر ابوالحسن کو پھر جوش آگیا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے ہی تو اس دشمن موذن کو شہر بدر کرایا تھا۔ اے گستاخ عورت ادب سے بات کر۔ اور میں نے ہی تو تجھے ایک ہزار اشرفیاں بھجوائی تھیں۔ پھر بھی تو میرا امیرالمومنین ہونا تسلیم نہیں کرتی۔ اور بے ادبی کیساتھ گفتگو کرتی ہے۔ یہ بات سنکر اس کی ماں رونے لگی جس کا شور سن کر اہل محلہ جمع ہو گئے۔ اور اس قصہ کی شہرت تمام شہر میں ہو گئی۔ محلہ والوں نے یہ سمجھ کر کہ ابوالحسن پاگل ہو گیا ہے۔ اس کو پاگل خانہ میں بند کرا دیا۔ حالات کچھ اس طرح پیش آئے کہ خود ابوالحسن بھی حیران تھا۔ اور گذرے ہوئے واقعات کو کبھی اصل سمجھتا اور کبھی خواب خیال کرتا تھا۔ مگر جب اسکو موذن کی سزا اور اشرفیوں کا انعام دینا یاد آتا تو اپنے خلیفہ ہونے میں اسکو کوئی شبہ نہ رہتا۔ ابوالحسن کو پاگل خانہ میں گئے ہوئے ہفتہ عشرہ گذرا تھا کہ اس کی ماں ملنے جلنے کے لئے آئی۔ اور کہنے لگی کہ بیٹا تو نے اتنی مصیبت اٹھائی ہے۔ اب بھی تیرے دماغ کی اصلاح ہو گئی یا نہیں ہوئی۔ ابوالحسن نے ماں کی بات سنی اور روتے ہوئے کہا۔ کہ میں ابوالحسن تیرا بیٹا وہی ہوں۔ مجھے کسی طرح اس مصیبت سے نجات دلا دے۔ ماں یہ بات سنکر خوش ہوئی۔ اور مہتمم پاگل خانہ کی منت سماجت کر کے ابوالحسن کو رہا کرا کر گھر واپس لے آئی۔ چند ہفتوں کے بعد وہ اپنی اصلی حالت پر آیا۔ اور خوب توانا ہو گیا اور حسب معمول زندگی بسر کرنے لگا۔ اور اپنی سابقہ عادت کے مطابق کسی مسافر کو گھر لاتا۔ اپنے ساتھ کھانا کھلاتا اور اگلے روز صبح کو رخصت کر دیتا۔ ایک روز معمول کے مطابق وہ پل پر کسی مسافر کے انتظار میں تھا کہ اتفاقاً پھر خلیفہ موصل کے سوداگر کے بھیس میں آیا۔ ابوالحسن نے پہچان لیا۔ اور اپنی

داستان مصیبت کو یاد کر کے حقارت کے ساتھ اس سوداگر کی طرف سے منہ پھیر لیا اور جی ہی جی میں بُرے بھلے کہنے لگا۔ حسن اتفاق سے خلیفہ نے بھی اس کو پہچان لیا اور پرانے دوستوں کی طرح آواز دے کر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ لیکن ابوالحسن نے قطعاً توجہ نہ دی۔ پھر خلیفہ نے اس کو سابقہ دعوت یاد دلائی۔ اور کہنے لگا کہ شاید تم اپنے اس عہد کی وجہ سے نہیں بولتے ہو۔ کہ "میں جس مہمان کو ایک دفعہ اپنے گھر لے جاؤں گا۔ دوسری مرتبہ اس کی شکل نہ دیکھوں گا۔" لیکن ابوالحسن پھر نہ بولا۔ لیکن خلیفہ کہاں ٹلنے والا تھا۔ کسی نہ کسی طرح باتیں بنا کر اس کو منا ہی لیا۔ اور کہنے لگا کہ یہ میری طرف سے تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو میں اس کی تلافی کے لئے تیار ہوں۔ غرض خلیفہ کی چرب زبانی سے ابوالحسن نرم ہو گیا۔ اور اپنے وہ تمام واقعات جو اس پر گذرے تھے سب کہہ سنائے۔ خلیفہ کو اس کی داستان سنکر بہت ہنسی آئی۔ ابوالحسن سوداگر کی اس حرکت پر بہت چیں بہ جبیں ہوا۔ اور کہنے لگا۔ کہ آپ کو میری داستان سنکر اظہار افسوس کرنا چاہیئے تھا۔ نہ کہ آپ الٹا مذاق کرتے ہیں۔ اگر یقین نہیں آتا۔ تو دیکھو میری پشت پر اب بھی ضرب کے نشان باقی ہیں۔ خلیفہ نے دیکھا اور کہنے لگا جو کچھ ہو گیا ہو گیا اب میں اس کی تلافی کر دوں گا۔ اس قسم کی بات کرتے ہوئے سب ابوالحسن کے مکان پر پہنچے۔ اور نصف شب کے قریب کھانا وغیرہ کھایا۔

ابوالحسن کو دوسری بار محلات میں لیجانا
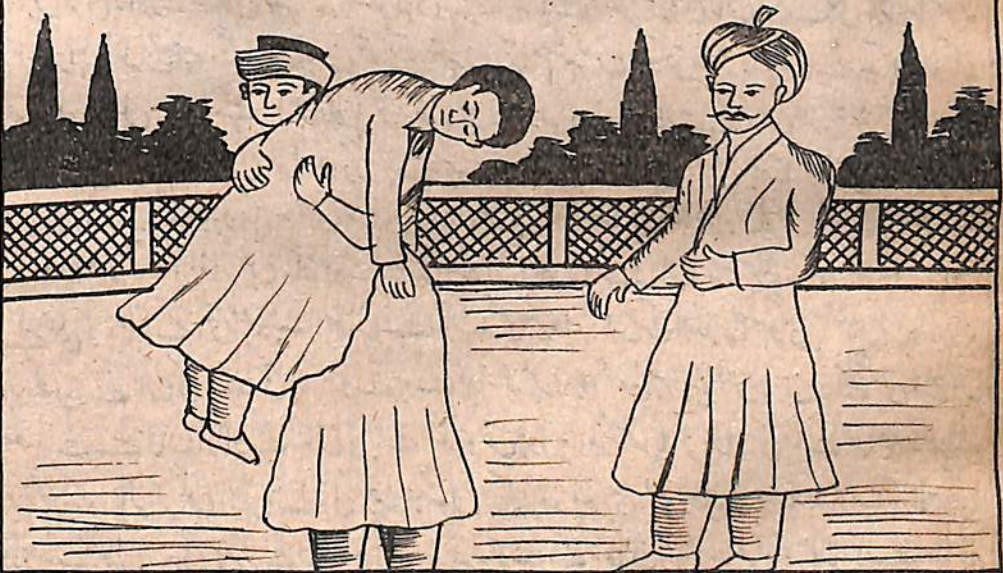
کھانے سے فراغت کے بعد مے نوشی کا دور ہوا۔ خلیفہ نے پھر عرق بیہوشی ایک جام میں ملا کر ابوالحسن کو دیا۔ جسے وہ بے اندیشہ انجام پی گیا۔ اور تھوڑی دیر میں بے ہوش ہو گیا۔ خلیفہ نے

مسرور سے کہا کہ اس کو محل میں پہنچا دو۔ اور خود بھی محل میں چلا گیا۔

خلیفہ کے حکم سے ابوالحسن کو پھر وہی لباس پہنا کر اسی طرح لٹا دیا گیا۔ صبح کو کنیزوں نے اٹھایا اور عرض کی کہ یا امیر المومنین اٹھئے۔ دیر ہو گئی ہے۔ ابوالحسن نے آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو محل میں پایا دل میں حیران ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ پھر خود اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ آج دوبارہ پھر وہی پریشان خواب نظر آیا ہے۔ خدا رحم کرے۔ پہلی بار تو پاگل خانے میں بند ہوا۔ کوڑے کھائے۔ اب کی مرتبہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ یہ موصل کا سوداگر یا تو شیطان ہے۔ یا کوئی جادوگر۔ جب اس کمبخت سے ملاقات ہوئی۔ میں اپنے آپ کو خدا جانے کہاں پاتا ہوں۔ کچھ دیر انتظار کے بعد پھر ایک کنیز نے عرض کیا۔ کہ امیر المومنین اٹھئے۔ ابوالحسن نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ تو وہ لاجواب سجا ہوا کمرہ تھا۔ اور گلرو کنیزیں۔ اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور دل میں فیصلہ کر لیا۔ کہ ابوالحسن ہی ہے خلیفہ نہیں۔ اور یہ سب جو کچھ نظر آ رہا ہے۔ وشواش شیطانی ہیں۔ کنیزوں غلاموں نے پھر کوشش کی لیکن ابوالحسن نے ان کو جھڑک دیا۔ کہ تم کسے امیر المومنین کہتے ہو۔ میں تو صرف ابوالحسن ہوں۔ کنیزوں نے عرض کیا کہ حضور کیا فرماتے ہیں۔ شاید کوئی برا خواب دیکھا ہے۔

ابوالحسن نے کہا۔ ہاں ایسا برا خواب کہ اس کی پاداش میں ابتک کمر پر کوڑوں کے نشانات ہیں۔ کنیزوں نے ہزاروں دعائیں دے کر عرض کیا بمعلوم نہیں۔ آج آپ کیسی گفتگو کر رہے ہیں۔ کل سے ابتک کہیں باہر نہیں گئے۔ پھر خدا جانے کیا فرما رہے ہیں۔ خواجہ سراؤں نے عرض کیا۔ کہ حضور اٹھیں تو خود تصدیق ہو جائے گی۔ کہ جو کچھ غلام عرض کر رہے ہیں۔ صحیح ہے۔ اتنے میں گائن کنیزیں آ گئیں اور صبح کی دعائیہ گت بجانی شروع کی۔ پھر گانا شروع ہوا۔ اور محفل رقص و سرود گرم ہو گئی۔ ابوالحسن

جوش میں بستر استراحت سے اٹھا اور کھڑا ہو کر خود بھی ناچنے لگا۔ کبھی کبھی گھبرا کر چاروں طرف دیکھتا۔ اور کنیزوں سے پوچھتا۔ کہ میرا امیر المومنین ہونا صحیح ہے۔ یا دہ مار کے نشانات جو میری کمر پر پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ میرے خیال میں اس موصل کے سوداگر کی شیطانی ہے۔ جو دو مرتبہ میرا مہمان ہوا۔ اور دونوں مرتبہ خلیفۃ المسلمین بنا کر پاگل کر دیا۔

خلیفہ پردے کے پیچھے سے ابوالحسن کی سب حرکات دیکھ رہا تھا۔ ہنستا ہوا باہر نکل آیا۔

گانے والی ایک دم خاموش ہو گئیں۔ ابوالحسن کی خلیفہ پر جو نظر پڑی تو ایکدم پہچان کر آگے بڑھا۔ اور عرض کیا۔ کہ خوب حضور ہی موصل کے سوداگر بن کر میری مصیبتوں کا باعث ہوئے ہیں۔ اور پھر یہ سمجھ کر کہ یہ خلیفہ کا مذاق تھا۔ عرض کیا کہ امیر المومنین اب مجھ میں قید و کوڑ کی برداشت نہیں ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید بہت ہنسا اور ابوالحسن کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا کہ نہیں اب تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور میں تمہاری ساری مصیبتوں کی تلافی کر دوں گا۔ بتاؤ تم کیا چاہتے ہو۔ ابوالحسن نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ کہ آپ کے تفریح طبع میں جو پریشانی اٹھائی ہے اس کو میں ہی جانتا ہوں۔ اور اب اس کے بدلے میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے قدموں سے جدا نہ کریں۔ ہارون الرشید نے اس کی یہ درخواست منظور کر لی۔ اور اپنے مصاحبوں میں نام لکھ لیا اور محل شاہی کے قریب ایک موزوں جگہ رہائش کے لئے بخش دی۔ ابوالحسن کو ایک ہزار اشرفی اسی وقت عنایت فرمائیں۔ اور پھر ایک مستقل وظیفہ مقرر کر دیا۔ اشرفیوں کی تھیلی لیکر ابوالحسن گھر پہنچا اور ماں کو سارا قصہ سنایا۔ ماں بھی بہت خوش ہوئی۔ ابوالحسن اپنی ماں کو ساتھ لیکر خلیفہ کے عطا کئے ہوئے مکان میں آگیا۔ ابوالحسن دربار میں حاضر ہوتا۔ اور اپنی دلچسپ باتوں سے خلیفہ کو خوش کرتا۔

ایک روز خلیفہ نے زبیدہ سے کہا۔ کہ ابوالحسن محل میں آتا ہے تو اسکی توجہ نزہت الارواح کنیز کی طرف زیادہ رہتی ہے۔ اور میں نے جہاں تک اندازہ کیا ہے نزہت الارواح بھی ابوالحسن کی طرف راغب ہے۔ اگر تمہاری رائے ہو تو ان دونوں کا نکاح کر دیا جائے۔ زبیدہ نے کہا یا امیر المومنین میرا بھی یہی خیال ہے اور چاہتی تھی کہ ان دونوں کا عقد کر دیا جائے تو اچھا ہے۔ دوسرے روز خلیفہ نے ابوالحسن کو بلا کر نزہت الارواح سے اسکا نکاح کر دیا۔ ابوالحسن کو خلیفہ نے اور نزہت الارواح کو ملکہ زبیدہ نے بہت کچھ عطا کیا۔ اور وہ دونوں خوش خوش گھر چلے آئے۔ مدت تک دونوں عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے رہے۔ دونوں میاں بیوی بیحد فضول خرچ تھے۔ چنانچہ چند ہی ماہ میں دونوں نے ملکر سب مال و زر اڑا دیا اور خالی ہاتھ رہ گئے۔ جب تنگی بہت بڑھی تو ابوالحسن اور نزہت الارواح نے آپس میں مشورہ کیا اس کے بعد ابوالحسن نے نزہت الارواح کو سفید چادر اوڑھا کر لٹا دیا۔ اور تاکید کر دی کہ کسی

کے سامنے بالکل حرکت نہ کرنا۔ اسکے بعد خود روتا پیٹتا خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بے اختیار خلیفہ کے قدموں میں گر کر کہنے لگا کہ حضور میں لٹ گیا۔ برباد ہو گیا۔ خلیفہ نے پوچھا۔ کیا ہوا کیوں اس طرح رو رہا ہے۔ ابوالحسن نے کہا حضور کی کنیز نزہت الارواح مر گئی۔ اور میں اس کا ماتم کرنے کو زندہ رہ گیا ہوں۔ خلیفہ نے ابوالحسن کو تسلی دی۔ سب امراء وزراء سمجھانے لگے کہ قضاء الٰہی میں کوئی چارہ نہیں۔ صبر کرو۔ پھر خلیفہ نے کہا کہ ایک تھان زربفت کا اور ایکہزار اشرفیاں عطا فرما کر کہا۔ کہ مرحومہ کی تجہیز وتکفین اچھی طرح کرو۔ ابوالحسن روپیہ اور تھان لیکر خوش خوش گھر آیا۔ اور وہ سب مال نزہت الارواح کو دیا۔ پھر اس سے پہلے کہ اسکتا۔ خود کفن پہنکر لیٹ گیا اور نزہت الارواح روتی پیٹتی سر کے بال کھولے ملکہ زبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ زبیدہ نے اپنی منظور نظر کنیز کو اس حال میں دیکھا تو گھبرا کر پوچھا۔ اری خیریت تو ہے نزہت الارواح نے رو کر عرض کیا کہ حضور کا غلام مر گیا۔ اور مجھے بے یار و مددگار چھوڑ گیا۔ ملکہ زبیدہ اس کی مصیبت دیکھ کر آبدیدہ ہو گئیں اور ہمجولی کنیزیں رونے لگیں۔ اسکے بعد ملکہ نے ایک ہزار اشرفیاں اور ایک تھان اطلس کا عنایت فرما کر کہا کہ اس کی تجہیز وتکفین کا انتظام کرو۔ نزہت الارواح سامان روپیہ لے کر گھر آئی اور ابوالحسن کو دکھایا۔ اور دونوں خوب ہنسے لیکن یہ خوف بھی تھا کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ خلیفہ دربار سے فارغ ہو کر محل میں تشریف لائے تو زبیدہ نے کہا کہ آج مجھے ابوالحسن کے انتقال کا بہت افسوس ہوا۔ آپ کے دربار میں بہت ہی پسندیدہ ظریف تھا۔ خلیفہ نے کہا نہیں ابوالحسن کا انتقال نہیں ہوا۔ بلکہ تمہاری کنیز نزہت الارواح بیچاری مر گئی۔ مجھے اس کی موت کا رنج ہے۔ زبیدہ نے کہا آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔ نزہت الارواح کا نہیں ابوالحسن کا انتقال ہوا ہے۔ خلیفہ نے حیرت سے کہا زبیدہ تم کیا کہتی ہو۔ ابھی ابوالحسن دربار میں میرے پاس روتا ہوا آیا تھا اور کہہ رہا تھا کہ نزہت کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ میں نے اُسے سامان کفن و دفن کے لئے ایک تھان زربفت کا اور ایکہزار اشرفیاں دی ہیں زبیدہ نے کہا۔ کہ اب میں کیا عرض کروں۔ میری کنیزیں موجود ہیں۔ آپ ان سے دریافت کر لیجئے کہ نزہت الارواح بحال زار آئی اور رو کر کہنے لگی کہ ابوالحسن کا انتقال ہو گیا ہے۔ میں نے اس کو تسلی دی۔ اور ایک اطلس کا تھان اور ایکہزار اشرفیاں مراسم میت پوری کرنے کے لئے دیئے۔ خلیفہ اور زبیدہ دونوں اپنی اپنی ضد پر اڑے رہے اور نوبت شرط تک جا پہنچی اس زمانہ میں ملکہ زبیدہ ہارون الرشید کے ایک کنیز کی طرف زیادہ التفات کی وجہ سے کچھ کشیدہ سی تھی اور بادشاہ کو بھی اس کا احساس تھا جب شرط کا سوال اٹھا۔ تو خلیفہ نے کہا کہ اگر تم جیت گئیں تو میں فلاں کنیز کو آزاد کر دوں گا۔ اگر میں جیت گیا تو تمہیں میری خلوت میں سونا پڑیگا۔ زبیدہ نے حجاب اور محبت سے ہارون الرشید کیطرف دیکھا اور کہنے لگی۔ پہلی شرط منظور دوسری کے بدلے میں

کچھ جواہرات رکھ لیجئے۔ خلیفہ نے کہا غلط۔ دوسری شرط کے لئے تو میں اپنی سلطنت ہارنے کو تیار ہوں
آخر زبیدہ نے مسکراتے ہوئے شرط منظور کر لی۔ اور دل کی کشیدگی جو کچھ دن سے چل رہی تھی نکل
گئی۔ خلیفہ نے مسرور کو حکم دیا کہ جا کر دیکھو۔ کہ ابوالحسن کا انتقال ہوا ہے یا نزہت الارواح کا۔
مسرور ابوالحسن کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ وہ دونوں میاں بیوی اس انتظار میں شاہی محل
کے راستے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جب مسرور کو آتے ہوئے دیکھا تو ابوالحسن نے کہا کہ اسکو
خلیفہ نے بھیجا ہوگا۔ تم فوراً مردہ بنکر لیٹ جاؤ۔ چنانچہ نزہت الارواح چادر اوڑھ کر چت لیٹ
گئی۔ اور ابوالحسن نے اس کے سرہانے رونا شروع کر دیا۔ مسرور اندر آیا۔ اور چند کلمات

مسرور کی آمد پر نزہت الارواح کا مردہ بن کر لیٹ جانا

تعزیت کہہ کر واپس چلا گیا۔ اور جو کچھ دیکھا تھا۔ خلیفہ اور زبیدہ کے سامنے بیان کر دیا کہ نزہت الارواح
کی لاش رکھی تھی۔ اور ابوالحسن بیٹھا ہوا ماتم کر رہا ہے۔ زبیدہ نے کہا کہ میں اس موٹے مسرور کا اعتبار
نہیں کرتی۔ تم نے کچھ اشارہ کر دیا ہوگا۔ میں اپنی کسی کنیز کو بھیجتی ہوں۔ وہ دیکھ کر آئے گی۔ چنانچہ
زبیدہ نے زہرۃ الحیات کو بھیجا۔ ابوالحسن کے مکان کے قریب پہنچی تو ابوالحسن اور نزہت الارواح
نے اسے آتا ہوا دیکھا۔ فوراً ابوالحسن کفن اوڑھ کر لیٹ گیا۔ اور نزہت الارواح سرہانے بیٹھ کر
سر چھاتی پیٹنے لگی۔ کنیز نے اندر جا کر نزہت الارواح کو تسلی دی۔ اور جو کچھ دیکھا تھا۔ آ کر عرض کر دیا۔
اب خلیفہ اور زبیدہ حیران ہوئے کہ آخر معاملہ کیا ہے۔ چنانچہ دونوں خود ہی اصل معاملہ دریافت
کرنے کے لئے ابوالحسن کے مکان کی طرف چلے۔ ابوالحسن اور نزہت الارواح نے دیکھا۔ خلیفہ

اور زبیدہ آرہے ہیں تو دونوں کفن اوڑھ کر لیٹ گئے۔ جب سب اندر آئے تو دیکھا دونوں مردے پڑے ہیں۔ خلیفہ اور زبیدہ کو بہت افسوس ہوا۔ ملکہ کہنے لگی۔ ایک تو وہ غریب اپنے شوہر کے رنج وغم میں تھی۔ اس پر آپ نے تحقیقات شروع کردی۔ شاید خوفزدہ ہو کر بیچاری غریب مرگئی۔ خلیفہ نے کہا نہیں نزہت پہلے مرچکی تھی۔ ابوالحسن چونکہ اسکا عاشق تھا۔ شاید اس کی موت کا صدمہ برداشت نہیں کرسکا۔ اور مرگیا۔ پھر کہنے لگا افسوس یہ صحیح پتہ نہ چل سکا کہ پہلے کون مرا۔ کم از کم ہماری شرطوں کا فیصلہ ہو جاتا۔ اور اب بھی اگر کوئی صحیح حال بتادے تو میں ایکہزار اشرفیاں انعام دونگا۔ ابوالحسن یہ سنکر کفن پھینک کر کھڑا ہوگیا اور ہاتھ باندھ کر بولا کہ حضور ایک ہزار اشرفیاں مجھے عنایت فرمائیں۔ میں بتادوں گا پہلے کون مرا۔ خلیفہ نے زبیدہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ دیکھو لو۔ ابوالحسن تو زندہ ہے۔ شرط میں جیت گیا۔ اتنے میں نزہت الارواح بھی کفن اتار کر کھڑی ہو گئی۔ اور عرض کرنے لگی کہ میری وجہ سے میری ملکہ کیسے شرط ہار سکتی ہیں۔ یہ حال دیکھ کر سب لوگ ہنسنے لگے۔ پھر خلیفہ نے پوچھا کہ آخر اس مذاق کا مطلب کیا تھا۔ ابوالحسن اور نزہت الارواح نے ہاتھ باندھ کر کل حال بیان کردیا کہ تنگدستی سے مجبور ہو کر یہ ترکیب کی تھی۔ خلیفہ اور زبیدہ بہت ہنسے۔ پھر خلیفہ نے کہا کہ زبیدہ میں شرط جیت گیا ہوں تمہیں میرا مطالبہ ماننا پڑیگا۔ زبیدہ نے کہا کہ شرط تو میں نے جیتی ہے۔ آپ عہد پورا کریں۔ ہارون الرشید نے کہا کہ دراصل یہ کمبخت زندہ ہیں۔ اس لئے ہم دونوں ہی نے شرط جیت لی ہے۔ میں اپنا حصّہ ادا کروں گا اور تم اپنا حصّہ۔ زبیدہ نے مسکرا کر شرم سے اپنا سر جھکالیا۔ پھر خلیفہ نے ابوالحسن اور نزہت الارواح کو مزید انعام و اکرام عطا کیا۔ اور محل سرا کو واپس آگئے۔

جب شہرزاد نے یہ قصّہ ختم کیا۔ تو شہریار نے بھی تعریف کی۔ اور اشتیاق ظاہر کیا کہ کوئی دلچسپ کہانی شروع کرو۔ شہرزاد نے دست بستہ عرض کیا کہ کل ایک بہت ہی عجیب کہانی الہ دین اور اسکے چراغ کی سناؤں گی۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس کو بیحد پسند کریں گے۔

قصّہ الہ دین اور چراغ

دوسری شب کو شہرزاد نے الہ دین کا قصّہ شروع کیا۔ چین کے دارالسلطنت پیکن میں ایک درزی رہتا تھا جسکا نام مصطفےٰ تھا۔ اگرچہ وہ قابل درزی نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی موٹا جھوٹا کپڑا سی کر ہی اپنا پیٹ پال رہا تھا۔ آمدنی بہت کم تھی۔ اس لئے وہ نہ تو کچھ پس انداز ہی کرسکا اور نہ اپنے لڑکے الہ دین کی تعلیم و تربیت پر توجہ دے سکا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا

الہ دین رات دن آوارہ گرد لڑکوں کے ساتھ پھرتا۔ اور کھیل کود کے سوا کسی چیز کی طرف

مائل نہ ہوتا۔ باپ نے ہر چند کوشش کی کہ وہ اپنا آبائی پیشہ ہی سیکھ لے لیکن اس میں بھی ناکام رہا۔ الہ دین نہایت خود سر اور ضدی لڑکا تھا۔ جب کسی بات پر اڑ جاتا تو چاہے اس کی بوٹیاں کاٹ ڈالو کبھی نہ مانتا اور اپنی جی آئی کرتا۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ غبی نہیں تھا۔ بیحد ذہین اور سلجھا ہوا دماغ رکھتا تھا کھیل کود میں ہمیشہ دوسرے لڑکوں پر حکومت کرتا۔ اور خود کسی کے آگے خم نہیں ہوتا تھا۔ قضا رقدر سے مصطفےٰ کا حکم آگیا اور وہ چند روز بیمار رہ کر انتقال کر گیا۔ بیوہ ماں نے بیٹے کو ہر چند سمجھایا لیکن وہ کسی کی دوکان پر بیٹھنے کے لیئے بھی راضی نہ ہوا۔ اگر ماں خفگی کرتی تو وہ بھاگ جانے کی دھمکی دیتا۔ مجبوراً غریب بیوہ صبر کر کے بیٹھ گئی۔ خود ہی چرخہ کاتتی اور کچھ محنت مزدوری کرتی۔ اور اپنا اور خود سر بیٹے کا پیٹ بھرتی۔ اسی طرح کئی سال گذر گئے اور الہ دین اٹھارہ سال کا نوجوان ہو گیا۔ ایک روز محلہ کی گلی میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ ایک اجنبی اچھا لباس پہنے ہوئے آیا اور کہنے لگا کہ تم مصطفےٰ درزی کے بیٹے ہو۔ الہ دین نے قدرے تامل کے بعد اقرار کیا کہ ہاں میں اسی کا لڑکا ہوں۔ وہ اجنبی کہنے لگا کہ تمہارا باپ کہاں ہے۔ مجھے اس کے پاس لے چلو۔ الہ دین نے کہا کہ میرے والد کو مرے ہوئے تو کئی سال ہو چکے ہیں۔ اجنبی کو سنکر افسوس کرنے لگا۔ پھر الہ دین کو پیار کر کے بولا کہ میں تمہارے رشتہ کا چچا ہوں۔ تمہاری پیدائش بلکہ تمہارے والد کی شادی سے پہلے میں اپنے بھائی سے لڑ کر گھر سے نکل گیا تھا۔ اسکے بعد آج ہی اس ملک میں آیا ہوں۔ امید تھی کہ اپنے بھائی سے ملونگا لیکن قسمت میں نہ تھا۔ خیر تمہیں دیکھ کر ہی جی میں تسلی ہو گئی۔ اس کے بعد دو اشرفیاں نکالکر اس نے الہ دین کو دیں۔ اور کہنے لگا کہ میں کل آؤنگا۔ اور تمہارے گھر چلونگا۔ تاکہ اپنی بیوہ بھاوج سے بھی مل لوں۔ اسکے بعد وہ اجنبی چلا گیا اور الادین خوش خوش گھر پہنچا۔ اور اپنی ماں کو وہ دونوں اشرفیاں دے کر چچا کے ملنے کا واقعہ سنایا۔ الہ دین کی ماں متعجب ہوئی کہ میرے شوہر نے اپنے کسی ایسے بھائی کا کوئی ذکر کبھی نہیں کیا۔ جو کسی دوسرے ملک میں چلا گیا ہو۔ لیکن یہ سوچ کر خاموش ہو گئی کہ ممکن ہے۔ کہ کوئی بھائی ہو اور اسکا ذکر اتفاقیہ نہ آیا ہو۔ جو اجنبی الہ دین سے ملا وہ حقیقتاً اس کا چچا نہیں تھا۔ بلکہ افریقہ کا ایک جادوگر تھا۔ پرانی کتابوں کے مطالعہ کے دوران اسے معلوم ہوا کہ چین میں پیکن شہر کے قریب ایک جنگل میں زمین دوز تہ خانہ ہے جو کسی پرانے زمانے میں مشہور جادوگر نے بنوایا تھا۔ اس میں لاتعداد خزانہ کے علاوہ ایک عجیب وغریب چراغ بھی ہے جو اس جادوگر نے اپنی زندگی بھر کی محنت کے بعد تیار کیا تھا۔ اس چراغ کا موکل ایک بہت طاقتور جن ہے۔ جس کے پاس ہوگا۔ وہ جن تابع ہوگا۔ اور جو کچھ اس کو حکم دیا جائیگا۔ فوراً اس کی تعمیل کریگا۔ اس کے ساتھ دوران مطالعہ میں افریقی ساحر نے یہ بھی معلوم کیا تھا کہ اس چراغ کو کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جو شرائط کتابوں میں لکھی ہوئی تھیں ان میں سے چند خاص اہم اہم تھیں۔ مثلاً کہ تہ خانہ میں اترنے والے کی عمر اٹھارہ سال کی ہو۔ اسکا باپ

مرچکا ہو۔ لڑکا جاہل ضدّی اور آوارہ ہو۔ باپ دادا کا پیشہ خیاطی ہو۔ لڑکے کی ماں زندہ ہو۔ غریب گھر ہو۔ افریقی جادوگر امید موہوم لیکر آیا تھا۔ کیونکہ ان شرائط کا لڑکا ملنا آسان تھا چنانچہ یکین آنے کے بعد بھی ایک سال کی جدوجہد کے بعد اس کو الہ دین ملا تھا۔ اور وہ اپنے آپ کو الہ دین کا قریبی رشتہ دار ظاہر کر کے اس سے مطلب نکالنا چاہتا تھا۔

دوسرے روز الہ دین اپنے چچا کے انتظار میں گلی میں کھیل رہا تھا۔ کہ افریقی ساحر آگیا الہ دین نے اس کو سلام کیا اور اپنے گھر کیطرف لے چلا۔ راستے میں افریقی ساحر کہنے لگا۔ اسوقت تو مجھے کچھ ضروری کام ہے۔ میں شام کو تمہارے گھر آؤنگا۔ اور وہیں کھانا بھی کھاؤں گا تم جاؤ یہ کہہ کر اس نے پانچ اشرفیاں اس کے ہاتھ پر رکھدیں۔ اور خود واپس چلا گیا۔ الہ دین ماں کے پاس آیا۔ اور اشرفیاں دے کر بتایا کہ چچا شام کو آئیں گے اور کھانا بھی کھائیں گے۔ اس کی ماں نے اس کے کھانے کا انتظام کیا اور شام ہونے سے پہلے پہلے اپنے دیور کے انتظار میں بیٹھ گئی۔ جب رات ہوگئی تو الہ دین اپنے چچا کی تلاش میں جانے ہی والا تھا کہ اس نے دروازے پر آواز دی۔ الہ دین نے بڑھ کر کواڑ کھولے اور افریقی ساحر کچھ پھل اور مٹھائی لیکر اندر داخل ہوا۔ پہلے اس نے بھاوج کی خیریت دریافت کی۔ پھر اپنے بھائی کو یاد کر کے آبدیدہ ہوگیا اور دیر تک اس کے

ساحر افریقی الہ دین کے گھر میں

اوصاف بیان کرتا رہا۔ اسکے بعد دسترخوان چنا گیا۔ افریقی ساحر اور الہ دین نے بیٹھ کر باطمینان کھانا کھایا اس عرصہ میں ساحر اپنے سفر کی دلچسپ کہانیاں سناتا رہا۔ پھر بھاوج سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ الہ دین

کیا کر رہا ہے۔ وہ غریب روکر کہنے لگی کہ میں نے اسکو بہت سمجھایا۔ اسکے والد اسے سمجھاتے مر گئے لیکن یہ کسی کی نہیں سنتا۔ تمام دن گلیوں بازاروں میں آوارہ پھرتا رہتا ہے۔ تم بھی اسکے باپ کی برابر ہو۔ کچھ نصیحت کرو۔ ممکن ہے اس کی حالت سنبھل جائے۔ الہ دین شرم سے پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔ افریقی اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہنے لگا کہ میں اس سلسلے میں تمہارے واسطے ہر کوشش کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بتاؤ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم اتنے بڑے ہو گئے اور کچھ کام نہیں کرتے۔ میری رائے ہے کہ تم بزاز کی دوکان کر لو۔ جتنے روپے کی ضرورت ہوگی میں دیدونگا۔ بلکہ کل میں تم سے ملنے آؤنگا تو بازار میں دوکان کا موقع بھی دیکھتا آؤنگا۔ اگر مناسب کرائے پر دوکان مل گئی تو بہتر ہے ورنہ تمہارے لئے ایک دوکان خرید لونگا۔ پھر اطمینان سے اپنا کام کرنا۔ یہ سنکر الہ دین بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ میں کپڑے کی دوکان پر خوب ہی دل لگا کر کام کروں گا۔ آپ اس کا انتظام کر دیں۔ افریقی ساحر دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ الہ دین اور اسکی والدہ بہت خوش تھے کہ چچا نے آکر تمام مشکلات حل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ الہ دین ایک خوبصورت کپڑے کی دوکان کے تصور میں رات کو سو گیا۔

دوسرے روز حسب وعدہ جعلی چچا آیا۔ اور الہ دین کو اپنے ساتھ بازار لے گیا۔ اور ایک دوکان سے عمدہ کپڑے خرید کر الہ دین کو پہنائے۔ پھر اپنے ساتھ بازار لے گیا۔ اور کپڑے والوں کی دوکانیں دکھلائیں کہ میں تمہارے لئے بھی ایسی ہی دوکان کا انتظام کر رہا ہوں۔ تم روزانہ ادھر آیا کرو اور دیکھا کرو کہ کپڑے کے کاروبار کس طرح کئے جاتے ہیں۔ اسکے بعد شہر کے باہر مختلف باغات کی سیر کرائی۔ کچھ پھل وغیرہ خرید کر ساتھ لئے اور الہ دین کو اس کے گھر چھوڑ گیا اور کہہ گیا کہ کل تم میرے ساتھ دور تک چلنا۔ تمہیں اور بہترین تماشے دکھاؤں گا۔ الہ دین گھر آیا تو بہت خوش تھا۔ ماں اس کپڑے دیکھ کر بہت مسرور ہوئی اور کہنے لگی۔ کہ تم اپنے چچا کی مرضی کے مطابق چلے تو بہت آرام سے رہو گے۔

دوسرے روز افریقی ساحر پھر آیا۔ اور الہ دین کو ساتھ لیکر شہر کے باہر روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے الہ دین تھک گیا تو وہ کہنے لگا۔ کہ چچا کہاں چلو گے۔ میں تو بالکل تھک گیا ہوں۔ ساحر نے کہا۔ تھوڑی دور اور چلنا ہے۔ پھر واپس آجائیں گے۔ اور کچھ پھل وغیرہ الہ دین کو دیئے اور باتوں میں بہلاتا ہوا اور کچھ دور لے گیا۔ حتی کہ وہاں جا پہنچا جہاں کام تھا۔ اس جگہ ایک پتھر پر بیٹھ کر افریقی ساحر نے کہا۔ کہ بیٹا بس ہم آگے نہیں جائیں گے۔ تم تھوڑی سی لکڑیاں اکٹھی کر لو۔ تا کہ کھانا گرم کر کے کھالیں الہ دین نے ادھر ادھر تلاش کر کے کچھ خشک لکڑیاں جمع کر لیں۔ افریقی ساحر نے ان سے آگ جلائی اور کچھ سحر پڑھتا رہا۔ اور کبھی کبھی کچھ بخورات بھی آگ میں ڈال دیتا۔ تھوڑی دیر بعد قدموں کے نیچے زمین کانپنے لگی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا گر پڑیں گے۔ الہ دین ڈر گیا۔ اور بھاگنے کا ارادہ کیا۔

افریقی ساحر نے اسکو سمجھایا - کہ ڈرو نہیں - لیکن الہ دین خوف زدہ ہو گیا تھا وہ چلاتو اسکے جعلی چچا نے غصہ میں ایک چپت رسید کی - جس سے الہ دین اوندھے منہ جا گرا - اس عرصہ میں زلزلہ سا بھی موقوف ہو گیا تھا - اور جہاں یہ لوگ بیٹھے تھے - اس جگہ پتھر کی سل نمودار ہو گئی تھی - افریقی ساحر الہ دین کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لایا اور کہنے لگا - بیوقوف لڑکے میں تمہارا چچا ہوں - اور تمہارے فائدہ کا کام کر رہا ہوں - اب پتھر سرکاؤ - اندر بہت سا خزانہ ملیگا - جب وہ تمہیں مل جائیگا تو تم پیکین کے امیر بن جاؤ گے - خوب مزے سے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنا اسکے بعد اس نے اپنی انگلی سے ایک انگوٹھی اتاری اور الہ دین کے ہاتھ میں پہنادی اور پیار کر کے کہا - کہ اب پتھر کو سرکاؤ - الہ دین بولا کہ اتنا بڑا پتھر میں کس طرح ہٹاؤنگا - اس کا جعلی چچا بولا - کہ تم گھبراؤ نہیں - ایک دفعہ اس کو ہاتھ لگا کر دیکھو - الہ دین نے مارے خوف کے پتھر کو سرکایا تو وہ واقعی آسانی سے سرک گیا - اور اس کے نیچے سے ایک تہ خانہ کا دہانہ نظر آیا - ساحر نے کہا کہ اب تم سیڑھیوں کے ذریعہ نیچے اتر جاؤ - پہلے تمہیں تین برآمدے ملیں گے ان میں سے گذر جاؤ - اسکے بعد ایک باغ آئیگا - جسمیں ایک تہ نشین بنا ہوا ہے اور اسکے طاق میں ایک چراغ جل رہا ہے اس کو لیکر جیب میں ڈال لو - لیکن جاتے ہوئے اور آتے ہوئے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا - اور اپنے کپڑوں کو بھی چاروں سے بچانا - ورنہ ایک پیسہ بھی تمہیں نہیں ملیگا - جب چراغ لیکر واپس آؤ تو باغ میں کچھ پھل چاہو تو لے سکتے ہو - الہ دین چچا کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر

الہ دین کا چراغ لانا

تہ خانے میں اتر گیا اور تینوں برآمدوں سے گذرتا ہوا جہاں بے شمار سونا چاندی پڑا تھا - باغ میں تہ نشین

کے پاس پہنچا اور اس طاق میں سے چراغ اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور واپسی کے ارادے سے چلا تو باغ میں رنگا رنگ کے پھل دیکھ کر اس کا جی للچا گیا۔ اگرچہ وہ بہت خوفزدہ تھا لیکن پھر بھی جلدی جلدی اس نے بہت سے پھل توڑ کر اپنی جیبوں میں بھر لئے اور جب جیبوں میں گنجائش نہ رہی تو اس نے دامنوں میں باندھ لئے۔ اور اسطرح پھر تہ خانے کے دروازے پر آیا۔ افریقی ساحر اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور کہنے لگا کہ بیٹا تم نے پالا مار لیا۔ اب تم پیکن کے سب سے بڑے امیر و رئیس بن جاؤ گے۔ لاؤ چراغ مجھے دیدو۔ پھر میں تمہیں اوپر چڑھا لوں گا۔ الہ دین نے کہا۔ چچا چراغ دے دونگا لیکن وہ تو بہت نیچے جیب میں دبا ہوا ہے۔ تم مجھے نکال لو۔ باہر آکر تمہیں چراغ دیدونگا۔ ساحر بولا کہ نہیں اپنے پھل نکال کر پہلے چراغ مجھے دیدو۔ اس کے بعد تمہیں نکالونگا۔ الہ دین کہنے لگا۔ بھلا میں نے اتنی محنت کی آپ کا چراغ لایا اور اپنے لئے صرف چند پھل۔ اب میں اپنے پھل تو پھینکدوں اور پہلے چراغ نکالکر آپ کو دیدوں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ مجھے باہر نکال لیجئے۔ میں چراغ آپ کو دیدوں گا۔ افریقی ساحر الہ دین کی فطرت سے واقف نہ تھا کہ یہ ضدی لڑکا جس وقت اپنی ضد پر آجاتا ہے۔ تو پھر چاہے مار مار کر اس کی کھال اڑا دو ہرگز نہیں مانتا۔ چنانچہ جوں جوں افریقی ساحر دینے پر اصرار کرتا۔ الہ دین کی ضد بڑھتی جاتی۔ آخر اس نے کہدیا کہ چچا اگر دس دن بھی اسی طرح کھڑے رہو گے تو میں تمہیں چراغ نہیں دوں گا۔ افریقی ساحر کی طبیعت بھی جنونی تھی۔ غصہ میں اس نے سحر کر کے پتھر کو تہ خانے کے منہ پر واپس سرکا دیا اور وہاں سے چل دیا۔ جب چند قدم چل کر اس کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ تو بہت پشیمان ہوا لیکن اب کیا کر سکتا تھا۔ اول تو اس پتھر کو دوبارہ ہٹانا اس کی طاقت سے باہر تھا۔ اور اگر بالفرض مزید محنت اور تلاش سے وہ ضروری صفات کا لڑکا دوسرا بھی لے آتا۔ تو وہ انگوٹھی بھی الہ دین کے پاس بھول گیا تھا۔ جو تہ خانہ کھولنے کیلئے ضروری تھی اس ناکامی اور مایوسی کی وجہ سے افریقی ساحر اتنا دل برداشتہ ہوا کہ پیکن بھی نہیں ٹھہرا اور کسی دوسری طرف روانہ ہو گیا۔ الہ دین گھبرایا اور زور زور سے چلانے لگا۔ کہ چچا تم چراغ لے لو اور مجھے یہاں سے نکال لو۔ لیکن تہ خانہ کا دہانہ بند ہو جانے کی وجہ سے آواز باہر نہیں جاتی تھی۔ اس لئے افریقی ساحر نے اس کی آواز نہیں سنی۔ جب الہ دین کو باہر سے کوئی جواب نہیں ملا تو اس نے اندر باغ میں جانے کا ارادہ کیا۔ مگر وہ راستہ بھی نظر نہ آتا تھا۔ اسوقت مایوسی کی حالت میں الہ دین دیوانہ وار چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارنے لگا کہ شاید کسی طرف سے پتھر سرک جائے۔ اتفاقاً اسی کوشش میں افریقی ساحر کی دی ہوئی انگوٹھی کسی چیز سے رگڑ گئی۔ اس کا موکل بھی ایک جن تھا۔ وہ فوراً حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ اس انگوٹھی کا تابع ہوں جو حکم دو گے تعمیل کرونگا۔ الہ دین اس کو دیکھ کر ڈر گیا لیکن اس وقت کی حالت ایسی تھی کہ وہ اپنے خوف پر غالب آگیا اور جن سے بولا کہ مجھے میرے گھر پہنچا دے آنکھ جھپکتے ہی الہ دین نے اپنے آپ کو اپنے گھر کے سامنے پایا۔ خود پریشانی سے اس کے ہوش خراب ہو رہے

تھے۔ گرتا پڑتا گھر پہنچا۔ اور خاموش لیٹ گیا۔ کچھ دیر کے بعد اس کی طبیعت ٹھکانے آئی تو اس نے اپنی ماں سے کھانا مانگا اور روٹی کھا کر سو گیا۔ کچھ دیر کے بعد بیدار ہوا تو سب واقعہ ماں کو سنایا اور چچا کی بدسلوکی پر دیر تک اس کو برا بھلا کہتا رہا۔ شام کو جب اس نے کھانے کو پوچھا تو ماں کہنے لگی۔ کہ بیٹا اسوقت گھر میں کچھ نہیں ہے۔ کہو کوئی برتن وغیرہ بیچ کر روٹی لا دوں۔ الہ دین نے کہا کہ تم وہ چراغ فروخت کردو جو میں تہہ خانہ سے لایا ہوں۔ وہ چاندی کا معلوم ہوتا ہے۔ الہ دین کی ماں وہ چراغ لیکر فروخت کرنے چلی تو اس کو خیال آیا کہ اسکو دھو کر صاف کرلوں۔ اس وقت شاید کچھ قیمت زیادہ مل جائے۔ چولہے کے پاس راکھ لینے پہنچی تو دیکھا جو پھل الہ دین لایا تھا وہ اسطرح روشن ہیں جیسے چراغ۔ اس نے الہ دین کو بلا کر دکھایا کہ تو ان کو پتھر سمجھتا تھا۔ لیکن یہ روشنی دیتے ہیں۔ الہ دین بھی متعجب ہوا۔ اور دل میں خیال کیا۔ کسی وقت انگوٹھی کے جن کو بلا کر حال دریافت کرونگا۔ ماں سے کہا کہ تم ان کو احتیاط سے اٹھا کر رکھدو۔ صبح کو ان کا حال معلوم کروں گا۔ الہ دین کی ماں نے جوں ہی چراغ کو رگڑا۔ ایک عجیب وغریب ہیبت کا بہت بڑا جن سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ میں اس چراغ کا موکل ہوں۔ جو حکم ہوگا تعمیل کروں گا۔ الہ دین کی ماں تو اس کو دیکھ کر بیہوش ہو گئی۔ لیکن الہ دین چونکہ انگوٹھی کے جن کو دیکھ چکا تھا اس لئے نہیں ڈرا اور جن سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ میرے لئے عمدہ قسم کا کھانا لاؤ۔ جن غائب ہو گیا اور ذرا سی دیر میں چند تھالیاں کھانے سے بھری ہوئی لاکر رکھدیں۔ اور پھر واپس چلا گیا۔

الہ دین نے پھر انگوٹھی کے جن کو طلب کیا۔ وہ آیا۔ تو اس نے پوچھا۔ کہ میرا چچا کون تھا جن نے کہا۔ وہ تمہارا چچا افریقہ کا ایک ساحر ہے۔ اور تم سے چراغ نکلوانا چاہتا تھا۔ اس چراغ کا موکل بھی جن ہے۔ وہ بہت طاقتور ہے۔ اور ہر کام کر سکتا ہے۔ پھر الہ دین نے ان پتھروں کی بابت دریافت کیا تو جن نے کہا۔ وہ نایاب جواہرات ہیں۔ اور ان کی قیمت کروڑوں اشرفی کے برابر ہے اس کے بعد الہ دین نے جن کو واپس کر دیا۔ اور ماں کو ہوش میں لانے کی تدبیر کرتے لگا۔ جب اس کی والدہ ہوش میں آئی تو اس نے کہا کہ تم خوف نہ کرو اسی جن نے مجھے ایک دہشت ناک غار سے نکال کر یہاں تک پہنچایا تھا۔ اور وہی اب ہمارے لئے کھانا وغیرہ لیکر حاضر ہوا ہے الہ دین کی ماں کھانے اور برتن دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اور کہنے لگی کہ جنوں کی دوستی ہمیں پسند نہیں۔ اس چراغ کو پھینکدو الہ دین نے کہا۔ اماں جان یہ چراغ اور انگوٹھی ہمیں بہت کام دیں گے اور میں نے انگوٹھی کے موکل سے سارا قصہ سنا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ اجنبی شخص ہے۔ تمہارا چچا نہیں۔ بلکہ افریقہ کا ایک زبردست ساحر ہے۔ اور افریقہ سے چین صرف اس چراغ کے حصول کے لئے آیا ہے جو خوش قسمتی سے مجھے مل گیا۔ اگلے دن الہ دین ان ظروف میں سے جن میں کہ جن کھانا لایا تھا۔ ایک طشتری کو جو کہ چاندی کی تھی بازار میں فروخت کر دیا۔

الہ دین کا بازار میں طشت فروخت کرنا

جس دوکان پر الہ دین نے طشت فروخت کیا تھا۔ وہ یہودی دوکاندار بہت مکار دغاباز تھا اور اس طشت کی قیمت سے بخوبی واقف تھا۔ الہ دین کو اسکی قدر و قیمت معلوم نہ تھی۔ اسلئے وہ ایک اشرفی لیکر چلا آتا۔ اور اسی طرح تمام ظروف وقتاً فوقتاً بیچ ڈالے۔ آخر مرتبہ وہ سب سے بڑا خوان لیکر اس یہودی کی دوکان پر پہنچا۔ اور دس اشرفی میں دے آیا۔ جب اچھا کھانے پینے کو ملنے لگا تو اس کی قدرتی ذہانت بھی چمک اٹھی۔ بازار میں ہر چیز کا نرخ دریافت کرتا۔ بُری بھلی چیز کی تمیز ہونے لگی تھی۔ جوہری بازار میں چلا جاتا اور جواہرات کی چمک دمک دیکھتا۔ قیمتیں سنتا۔ اب اسے معلوم ہونے لگا تھا کہ بڑے بڑے یاقوت و الماس میرے پاس پڑے ہیں۔ وہ کتنی اور قیمتی چیزیں اس کے ساتھ اس نے سوچ لیا تھا۔ آئندہ اگر کھانے کے برتن فروخت کرنے کی ضرورت پیش آئی تو کسی دوسرے دوکاندار کو بھی دکھاؤں گا۔ جب سب اشرفیاں ختم ہوگئیں تو ایک روز تنہائی میں الہ دین نے چراغ کے جن کو کہا کہ میرے واسطے کھانا لاؤ۔ جن چلا گیا۔ اور بدستور سابق کئی تھال کھانے کے لیکر آیا۔ الہ دین نے اطمینان سے کھانا کھایا۔ دوسرے روز ایک بڑی طشتری لیکر بازار روانہ ہوگیا۔ تو یہودی کے یہاں جانے سے پہلے ایک زرگر کو دکھائی۔ وہ سنار بہت نیک اور ایماندار تھا اس نے جانچ تول کرکے بہتر اشرفیاں الہ دین کے سامنے رکھدیں اور کہا کہ میرے اندازے کے مطابق اس کی یہی قیمت ہے۔ میں نے اس سے پہلے بھی آپ کو اسی قسم کا برتن بدمعاش یہودی کے یہاں لے جاتے دیکھا ہے لیکن میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ وہ بہت مکار اور دھوکہ باز ہے

کسی وقت نقصان پہنچادے گا۔ الہ دین بہتر اشرفی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور سوچنے لگا کہ کمبخت یہودی صراف نے ایک اشرفی میں ایک برتن خرید کر مجھے لوٹ ہی لیا۔ آئندہ سب برتن اسی زرگر کو دونگا۔ آہستہ آہستہ اس نے سب طشتریاں تھالی اسی زرگر کو فروخت کردیئے۔ اور امیرانہ ٹھاٹ باٹ سے اپنی زندگی بسر کرنے لگا۔ ادھر اسکی طبعی ذہانت بھی بیدار ہوگئی تھی۔ اس نے سوچا کہ اس طرح برتن منگانا اور فروخت کرنا غلط ہے نقد روپیہ حاصل کرنا چاہیئے اور برتن استعمال کے لیئے رکھنے چاہئیں۔

اب الہ دین اچھے سے اچھا کھاتا اور پیتا تھا۔ دوسرا عمدہ قسم کا مکان رہائش کے لئے لیا اور خوب مرصع الحالی کیساتھ رہنے لگا۔

ایک روز بازار گیا۔ تو دیکھا کہ بادشاہ کی طرف سے منادی ہو رہی ہے کہ شہزادی بدر کل حمام کے لئے جائے گی۔ اس لئے کل بازار بند رہیں گے اور کسی شخص کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ یہ منادی سنی تو الہ دین کا نوجوان دل بیتاب ہوگیا کہ شہزادی کو کسی ترکیب سے ضرور دیکھنا چاہیئے اس نے تلاش کر کے ایک بالاخانہ حمام کے قریب کرایہ پر لیا اور وقت سے پہلے وہاں جا کر چھپ کر بیٹھ گیا۔ کہ جب شاہزادی کی سواری گذرے گی۔ اسکو ایک نظر دیکھ لونگا۔ دوسرے روز شاہزادی کی سواری بڑے تزک واحتشام سے آئی اور اسی بالاخانہ سے گذری جوں ہی الہ دین کی نظر اس پر پڑی تیر عشق دل کے پار ہوگیا۔ شاہزادی کا حسن بے مثال اسکی نگاہوں میں رم گیا اور اس نے ارادہ کر لیا کہ اسی شاہزادی سے شادی کروں گا

شہزادی کی سواری کو الہ دین کا دیکھنا

جب شاہزادی کی سواری واپس چلی گئی تو الہ دین گھر آیا۔ اور ماں سے کہنے لگا کہ آج اتفاق

سے میں نے شہزادی بدر کو جاتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ اسی وقت سے میرا دل قابو میں نہیں۔ اگر تم میری زندگی چاہتی ہو تو کسی طرح میری شادی اس سے کرادو۔ ورنہ میرا جینا مشکل ہے۔ ماں نے حیران ہو کر اسکی صورت دیکھی اور سمجھی کہ شاید یہ پاگل ہو گیا ہے۔ پھر سمجھاتے ہوئے کہنے لگی کہ بیٹا آج تو کیسی باتیں کر رہا ہے۔ کہاں شاہ چین کی لڑکی بدر اور کہاں تو ایک معمولی درزی کا لڑکا۔ آخر ایسا خیال ہی تیرے دل میں کیوں آیا ہے۔ الہ دین نے کہا کہ یہ تو صحیح ہے۔ میرے اور اسکے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لیکن میں دل کو کیا کروں۔ یہ تو کسی طرح نہیں مانتا۔ جب سے شاہزادی کو دیکھا ہے میری طبیعت بہت مضطرب ہے۔ ماں بولی چند روز اطمینان رکھ طبیعت کا یہ شوق سر پڑ جائیگا تو میں کہیں اچھی جگہ دیکھ کر تیری شادی کر دوں گی۔ بدر کے عشق سے باز آ۔ وہ تیری دسترس سے بہت بلند ہے۔ اس کے لئے رہنے کو محل چاہیئے۔ خدمت میں ہزاروں کنیزیں اور غلام پہننے کو قیمتی لباس اور زیورات تو یہ سب چیزیں کہاں سے فراہم کریگا۔ الہ دین نے کہا یہ چیزیں تو میں ایک ساعت میں اکٹھی کر دونگا اور اگر بادشاہ چین چاہے گا تو جتنا اس کا کل خزانہ ہے اس سے دگنا زر و جواہر دیدونگا۔ وہی جواہرات جو میں تہ خانے سے لایا ہوں ان میں سے ایک ایک کی قیمت شاہ چین کی مملکت سے زیادہ ہے جسوقت وہ دیکھے گا عقل حیران رہ جائے گی۔ پھر میرے پاس چراغ اور انگوٹھی ہے اگر ضرورت پڑی تو ایسے ایسے لاتعداد ہیرے یاقوت منگا سکتا ہوں۔ تم میرا پیغام شادی لے جاؤ۔ اگر بادشاہ مان گیا۔ تو بہتر ہے۔ ورنہ میں زبردستی شاہزادی کو اٹھا منگاؤں گا۔ اب الہ دین صرف مصطفےٰ درزی کا بیٹا نہیں موکلات کا مالک ہے۔ جو اپنے تابع جنوں سے جو چاہے کام لے سکتا ہے۔ الہ دین کی گفتگو سنکر اس کی ماں نے سوچا۔ کہ کہتا تو سچ ہے۔ اسوقت یہ ایسی طاقت کا مالک ہے کہ بادشاہ بھی اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ پیغام شادی لیکر جانے کو تیار ہو گئی۔ دوسرے روز الہ دین نے ایک سونے چاندی کی گنگا جمنی تھالی میں جواہرات سجا کر ماں کو دئے اور کہا کہ یہ بادشاہ کے سامنے پیش کرنا اور پھر رشتہ مانگنا۔ الہ دین کی ماں دربار میں پہنچی اور ایک طرف کھڑی ہو گئی لیکن اس کی ہمت نہ ہوئی کہ بادشاہ سے اپنا مطلب عرض کرے۔ جب دربار ختم ہو گیا اور بادشاہ محل میں چلا گیا تو بے نیل و رام واپس آگئی۔ اور الہ دین سے کہدیا کہ آج میری ہمت نہیں ہوئی۔ دوسرے دن پھر گئی اور کھڑی رہ کر لوٹ آئی۔ الہ دین نے ماں کو سمجھایا کہ تم ڈرو نہیں۔ بادشاہ سے اپنا مقصد عرض کردو۔ تیسرے روز پھر گئی۔ لیکن آج بھی نہ بادشاہ نے کچھ پوچھا اور نہ وہ کچھ بولی۔ گھر آکر الہ دین کو بہلا دیا کہ بادشاہ امور ملکی فیصلوں میں مشغول تھا۔ فرصت نہیں ہوئی۔ چوتھے روز پھر گئی۔ اس روز بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا کہ ایک بڑھیا تین روز سے برابر آرہی ہے لیکن کچھ کہتی نہیں۔ معلوم کرو کہ وہ کیوں آتی ہے اور کیا کہنا چاہتی ہے۔ جسوقت الہ دین کی والدہ گئی تو وزیر نے دیکھا اور قریب آکر کہا کہ دربار کے بعد ٹھہر جانا۔ بادشاہ تم سے کچھ دریافت کرنا چاہتے

ہیں۔ جب دربار برخاست ہوگیا۔ تو وزیر نے بڑھیا کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم روز آتی ہو اور بغیر کہے سنے چلی جاتی ہو۔ تمہارا کیا مقصد ہے بیان کرو۔ الہ دین کی والدہ نے دست بستہ عرض کیا کہ جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ بادشاہ نے کہا۔ میں تمہیں امان دیتا ہوں۔ وہ بولی کہ آپ تنہائی میں میری عرض سنئے۔ بادشاہ نے وزیر کے سوا سب ہٹا دیا۔ اسوقت الہ دین کی ماں نے جواہرات کی تھالی پیش کر کے عرض کیا کہ میرا بیٹا حضور کی غلامی میں آنا چاہتا ہے آپ شہزادی سے اسکا رشتہ منظور کر لیں بادشاہ یہ سنکر چپ رہ گیا۔ پھر وزیر اعظم سے الگ گفتگو کی۔ یہ کون ہے اور ایسے نادر و نایاب جواہرات کہاں سے لائی۔ جن میں سے ایک ایک کی قیمت میری ساری سلطنت سے زیادہ ہے وزیر نے کہا کچھ معلوم نہیں۔ بہرحال یہ جواہرات رکھ لیجئے اور اس کو بہانے سے ٹال دیجئے۔ آئندہ جیسا موقع ہوگا کریں گے۔ یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کون ہے اور کس حیثیت کی ہے۔ بادشاہ نے الہ دین کی والدہ سے کہا۔ کہ میں تمہارا رشتہ منظور کئے لیتا ہوں۔ لیکن ابھی تین چار ماہ انتظار کرو۔ پھر شادی کا کچھ انتظام ممکن ہوگا۔ الہ دین کی والدہ بادشاہ کو سلام کر کے خوش خوش گھر لوٹ آئی۔

الہ دین کی ماں کا جواہرات لیکر حاضر ہونا
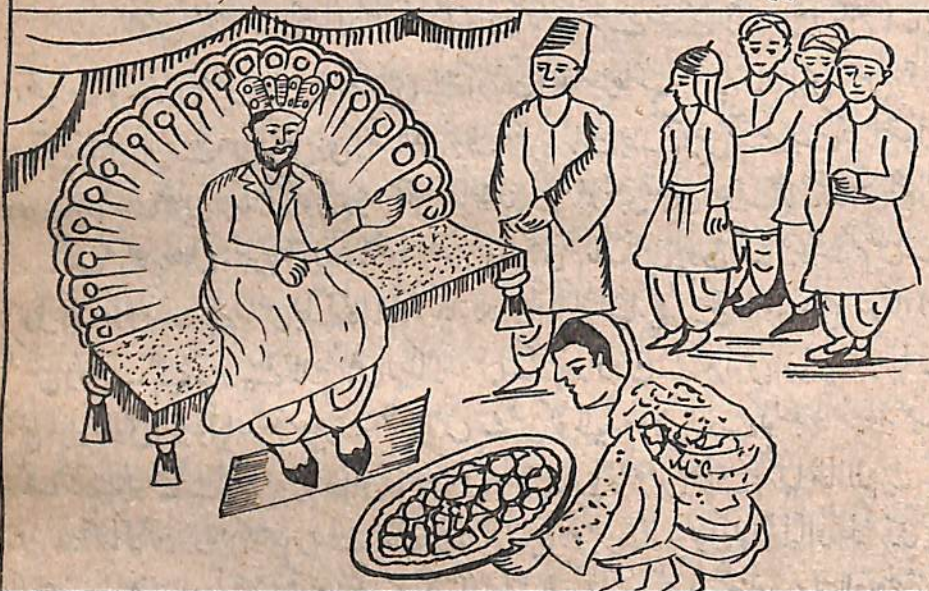
الہ دین رشتہ کی منظوری کی خبر سنکر بہت مسرور ہوا۔ دو ماہ انتظار کی مدت بڑی مشکل سے بسر ہوئی اور ایک مہینہ باقی تھا۔ ایک روز الہ دین کی ماں گئی تو دیکھا تمام بازار اور شاہی محل سجائے جا رہے ہیں اس نے لوگوں سے پوچھا تو وہ کہنے لگے۔ تعجب ہے تجھے معلوم نہیں۔ شہزادی کی شادی وزیر اعظم کے لڑکے سے ہو رہی ہے آج برات جائے گی۔ الہ دین کی ماں یہ سن کر الٹے پیروں واپس آئی۔ اور بیٹے

کو آگاہ کیا کہ بادشاہ اپنے اقرار سے پھر گیا۔ اب شاہزادی کی شادی وزیر اعظم کے لڑکے سے ہو رہی ہے۔ الہ دین یہ سنکر بہت رنجیدہ ہوا۔ اور کہنے لگا کہ بادشاہ ہو کر اس نے قول و اقرار کی وقعت نہیں سمجھی۔ اور میرے جواہرات بھی رکھ لئے۔ لیکن یہ شادی کامیاب نہیں ہو سکتی اور میں جانتا ہوں کہ یہ سب شرارت وزیر کی ہے۔ پھر اس نے ماں کو دوسرے مکان میں بھیجدیا۔ اور چراغ رگڑ کر جن کو طلب کیا۔ جن سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ الہ دین نے کہا کہ آج بادشاہ کی لڑکی کی شادی وزیر کے لڑکے سے ہو رہی ہے۔ جسوقت وزیر زادہ شہزادی کے خلوت خانے میں جائے۔ قبل اس کے کہ وہ اس کو چھو بھی سکے میرے پاس حاضر کردو۔ جن نے کہا بہتر ہے۔ تعمیل حکم ہوگی۔ اسکے بعد وہ غائب ہو گیا۔ شام کو وزیر اعظم بڑے اہتمام سے بارات لیکر پہونچے بڑی دھوم دھام سے نکاح ہوا۔ پر تکلف دعوت دی گئی۔ تمام امراء، وزراء اور اعمائدین شہر اسمیں شریک ہوئے۔ وزیر زادہ بیحد مسرور تھا۔ کہ ایسی خوبصورت دلہن ملی۔ اور چونکہ وہ والدین کی اکلوتی تھی۔ اسلئے اس کو یقین تھا کہ بادشاہت بھی میری ہے۔ رات کو حجلۂ عروسی آراستہ ہوا اور شہزادی بدر اس میں پہونچی۔ کچھ مراسم کی ادائیگی کے بعد وزیر زادہ جوش جذبات میں چور دلہن کے پاس آیا۔ ابھی بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ چراغ کا موکل سامنے آکر کھڑا ہوا۔ اس کو دیکھ کر وزیر زادہ شدت خوف سے بیہوش ہو گیا۔ شہزادی کو بھی غش آگیا جن نے ان دونوں کو اٹھالیا اور الہ دین کے گھر پہونچادیا۔

الہ دین نے جن سے کہا کہ اس وزیر زادے کو کسی سڑے ہوئے سنڈاس میں صبح تک بند رکھو اور جسوقت میں تمہیں بلاؤں۔ اسکو بھی لیتے آؤ جن اسکو لیکر غائب ہو گیا۔ شاہزادی کو جس وقت ہوش آیا۔ الہ دین نے اس کو تسلی دی کہ تم بالکل خوف نہ کرو۔ بات یہ ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اور یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی دوسرا تمہیں ہاتھ لگائے۔ میں بھی تمہیں اسوقت تک ہاتھ نہیں لگاؤنگا جب تک تم مجھ پر حلال نہ ہو جاؤ۔ رہ گیا تمہارا شوہر تو وہ کبھی تم تک نہیں پہونچ سکتا۔ جسوقت تم میں سے کوئی ایک دوسرے کے پاس جانے کا ارادہ کریگا۔ وہ جن آکر پکڑ لیگا۔ کچھ اسکے علاوہ اور بھی معاملات ہیں لیکن وہ ایک مہینے سے پہلے ظاہر نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد الہ دین نے شہزادی اور اپنے درمیان ننگی تلوار رکھ لی اور سو گیا۔ صبح سویرے اٹھ کر اس نے جن کو بلایا۔ وہ وزیر زادے کو لیکر حاضر ہوا۔ جسکا رنگ شدت خوف سے زرد ہو رہا تھا اور تمام لباس پیشاب و پاخانہ میں خراب ہو گیا تھا۔ الہ دین نے جن سے کہا کہ ان دونوں کو جہاں سے لائے تھے وہیں پہنچادو جن نے دونوں کو اٹھایا اور حجلۂ عروسی میں لاکر چھوڑ دیا۔ وزیر زادہ تو اسی وقت اٹھ کر بھاگا۔ تاکہ لباس تبدیل کردے اور شہزادی پریشان و خوفزدہ بیٹھی تھی۔ کہ بادشاہ آیا۔ بیٹی کو اس حال میں دیکھ کر پوچھا کہ کیا بات ہے۔ تم اتنی وحشت زدہ کیوں ہو رہی ہو۔ بدر نے سر اٹھایا۔ اور کوئی جواب نہ دیا۔ ملکہ نے بادشاہ کو الگ لیجا کر سمجھایا کہ تم نہ پوچھو۔ نئی دلہن ہے شرما رہی ہوگی۔ میں اپنے طور پر معلوم کرونگی کہ اس پریشانی کا کیا سبب ہے۔ اس کے بعد ماں نے آکر بیٹی کو پیار کیا اور گلے لگا کر پوچھا۔ شاہزادی نے رات کا سارا ماجرا بیان کردیا۔ ماں بہت حیران ہوئی

لیکن یہ خیال کیا۔ کہ شاید اس نے کوئی پریشان خواب دیکھا ہوگا۔ چنانچہ پیار کرکے کہنے لگی کہ شاید تم نے
کوئی پریشان خواب دیکھا ہے۔ وہم نہ کرو۔ کل تک ٹھیک ہو جاؤ گی۔ شہزادی نے کہا خواب کیسا۔ آپ
وزیرزادے سے معلوم کیجئے۔ معلوم ہو جائے گا۔ ملکہ نے اس کو بلایا اور پوچھا کہ رات کیا غیر معمولی واقعہ پیش
آیا۔ وزیرزادے نے سوچا۔ کہ اگر اصل حال کہتا ہوں تو بدنامی ہوگی۔ اسلئے بات بنا کر بولا کہ کچھ نہیں بڑے
آرام وسکون سے سوئے۔ شاید انھیں کوئی ڈراؤنا خواب نظر آیا ہے۔ شہزادی خاموش ہو گئی۔ اور دلمیں
سوچا کہ آج رات کو انھیں خواب اور حقیقت کا پتہ چل جائے گا کیونکہ اسوقت فضول بات بڑھانی مناسب
نہیں۔ رات کو وزیرزادہ حجلہ عروسی میں آیا۔ تو لیکن لرزاں وترساں۔ ابھی پلنگ کے قریب بھی نہیں
پہونچنے پایا تھا۔ کہ وہی جن نمودار ہوا۔ اور دونوں کو اٹھا کر الہ دین کے پاس لے آیا۔ الہ دین نے وزیرزادے
کو پاخانہ میں قید کرادیا۔ جہاں بدبو کی شدت سے اسکا دماغ پھٹا جاتا تھا لیکن مجبور تھا۔ کیونکہ جن نے
کہدیا تھا کہ اگر تم نے یہاں سے نکلنے کی کوشش کی تو بہت بری طرح پیش آؤنگا۔ شاہزادی سے الہ دین
اپنے عشق ومحبت کی باتیں کرتا رہا۔ لیکن دور دور سے اسکے بعد اسی طرح تلوار درمیان میں رکھ کر
سو گیا۔ صبح کو جن حاضر ہوا اور دونوں کو اٹھا کر حجلہ عروسی میں چھوڑ گیا۔ اگلے روز بادشاہ نے پھر شاہزادی
کو پریشان دیکھا تو ملکہ نے سختی سے تاکید کی کہ آخر کیا بات ہے۔ اور بدر کیوں اسقدر خوفزدہ اور پریشان
ہے۔ ملکہ نے کلی واقعہ سنایا۔ پھر بادشاہ نے شہزادی سے دونوں راتوں کی واردات سنی تو حیران رہ گیا۔
باہر جاکر اس نے وزیر اعظم اور اسکے لڑکے کو بلاکر پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔ وزیرزادے نے ہاتھ باندھ کر
سب واقعہ سنایا اور کہا کہ حضور دو راتیں مجھے پاخانے میں بند ہوتے ہوئے گذر گیئں۔ پھر جن کا خوف الگ
سوہان روح رہتا ہے۔ آپ مجھے آزاد فرمادیجئے۔ میری شہزادی کے ساتھ کسی طرح گذر نہیں ہوسکتی۔ وزیراعظم
بھی بیٹے کی مصیبت سنکر بہت پریشان ہوا۔ آخر کافی غور وخوص کے بعد فسخ نکاح کا اعلان کر دیا گیا۔ سارا
شہر حیران رہ گیا کہ دو دن ہوئے تو اسقدر دھوم دھام سے شادی ہوئی تھی اور آج جدائی بھی ہو گئی۔ صرف
الہ دین ہی اس راز کو جانتا تھا کہ معاملہ کیا ہے۔ اس روز اس نے جن کو بلا کر تاکید کر دی کہ تم نگرانی ضرور رکھنا کہیں
مجھے دھوکہ دینے کو یہ اعلان نہ کیا گیا ہو۔ چند روز میں جب الہ دین کو یہ اطمینان ہو گیا کہ اب شہزادی کی عصمت
محفوظ ہے تو اس نے جن سے کام لینا بند کر دیا۔ اس عرصہ میں شاہزادی اور وزیرزادہ بھی اپنے اپنے گھر
باطمینان رہے اور کوئی واقعہ پیش نہ آیا۔ یونہی باتوں باتوں میں ایک مہینہ اور گذر گیا تو الہ دین نے اپنی
ماں سے کہا کہ تم بادشاہ کے پاس جاؤ اور اس کو یاد دلاؤ کہ وفاء عہد کا وقت اب آگیا۔ اب آپ شادی
کر دیجئے۔ الہ دین کی ماں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس وقت اتفاق سے وزیر بھی موجود تھا
بادشاہ نے اس کو پہچان لیا۔ چنانچہ الہ دین کی ماں کو ایک طرف بٹھا کر خود وزیر سے مشورہ کرنے لگا
کہ آپ اس سے کہدیجئے کہ شادی تو کر دی جائے گی۔ لیکن شاہزادی کے مہر میں چالیس حسین غلام جن
کے سروں پر سونے کی تھالیاں ہوں اور ان تھالیوں میں جواہرات لاکر پیش کرتے ہوں گے۔ نہ یہ

عورت اس شرط کو پورا کر سکے گی۔ اور نہ آپ ایک گمنام شخص سے شادی کرنے پر مجبور ہوں گے۔ یہ تجویز بادشاہ کو بہت پسند آئی۔ چنانچہ اس نے الہ دین کی ماں سے کہا کہ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے اور اسکا پابند بھی ہوں۔ لیکن تم غور کرو کہ ایک بادشاہ کی لڑکی کی شادی کسی گمنام کم حیثیت شخص سے تو نہیں کی جاسکتی۔ اگر تمہیں یہ رشتہ منظور ہے تو چالیس حسین و جمیل ایسے غلام لاؤ جن کے سروں پر سونے کی تھالیاں ہوں جن میں جواہرات ہوں۔ غلاموں کا لباس ایسا ہو کہ شہر بھر میں مشہور ہو جاوے کہ کسی بڑے والی ملک کے یہاں سے شاہزادی کی رسم شادی آئی ہے۔ الہ دین کی ماں واپس آئی اور کہنے لگی کہ میں نے تجھے پہلے ہی سمجھایا تھا کہ غریبوں اور بادشاہوں کا کیا میل۔ لیکن تو نے نہ مانا۔ اب بادشاہ نے ایسی شرط لگائی ہے کہ ہماری تو ہزار پشتوں سے بھی پوری نہیں ہوگی۔ الہ دین نے کہا بتاؤ تو سہی۔ کیا شرط ہے۔ ماں نے وہ سب گفتگو سنائی جو بادشاہ سے ہوئی تھی۔ ساری بات سنکر الہ دین مسکرایا اور کہنے لگا۔ تم نہا کر ذرا کپڑے بدل لو۔ میں اتنی دیر میں کچھ ضروری کام کر لوں۔ چنانچہ الہ دین کی ماں نہانے چلی گئی۔ الہ دین نے چراغ رگڑا۔ اسی وقت جن حاضر ہو گیا۔ اس نے جن کو بتا دیا کہ مجھے ایسے ایسے چالیس غلاموں کی مع سامان ضرورت ہے۔ جن غائب ہو گیا اور تھوڑی دیر میں چالیس حسین و زرق برق پوشاک میں ملبوس غلاموں کے حاضر ہو گیا۔ الہ دین نے جن کو رخصت کر دیا اور جب ماں کپڑے تبدیل کر کے آئی تو ان غلاموں کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ الہ دین نے کہا کہ تم ابھی ان کو لیکر بادشاہ کے پاس جاؤ۔ اور عرض کرو کہ آپ کی یہ شرط بھی پوری ہو گئی۔ اب تو آپ کو کوئی عذر نہیں۔ الہ دین کی ماں بڑے اہتمام سے غلاموں کو اسطرح لیکر چلی کہ تمام اہل شہر اس عجیب جلوس کو دیکھ رہے تھے غلاموں کا لباس اسقدر شاندار تھا کہ حیران تھے کہ آج کس امیر یا والئے سلطنت کے یہاں سے شادی کا سامان آیا ہے۔ اسقدر نایاب چیزیں دیکھنا تو بجائے خود ہے۔ سنی بھی نہیں تھیں جس وقت الہ دین کی ماں غلاموں کے ساتھ قصر شاہی پر پہونچی اور بادشاہ کو اطلاع ہوئی کہ ایک بڑھیا بہت حسین مزین غلاموں کے سر پر سونے کے تھال لیکر حاضر ہوئی ہے تو بادشاہ اور ملکہ نے بھی جھانک کر دیکھا تو انگشت بدنداں رہ گئے۔ بادشاہ باہر نکل کر دربار میں آیا اور الہ دین کی ماں کو اندر بلایا اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ حسب الحکم شہزادی کا حق مہر حاضر ہے اور میں ایفائے وعدے کی امیدوار ہوں۔ بادشاہ نے اس کو باعزت بٹھایا اور اسی وقت وزیر کو طلب کیا۔ بدنصیب نے آکر جب یہ ٹھاٹ دیکھا تو جل گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ الہ دین نے میری اتنی سخت شرط بھی ہاتھوں ہاتھ پوری کر دی اور تمام شہر میں شہرت ہو گئی کہ نہایت شاندار پیمانے پر شہزادی بدر کا رشتہ آیا ہے اب میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ قطع نظر تمام شرط کے جو شخص ایسے لاجواب تحائف پیش کر سکتا ہے جو میری سلطنت سے بھی زیادہ قیمتی ہیں۔ وہ شہزادی کے لئے بھی یقیناً ہر طرح بہتر ہے۔ اگر لوگ اسکو نہیں جانتے تو کوئی ہرج نہیں۔ اس امارت و ثروت کو دیکھکر چند ہی

روز ہیں سب واقف ہو جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ شخص کسی بہت بڑی بادشاہت کا شہزادہ ہے اور یہاں خفیہ طور پر آیا ہوا ہے۔ وزیر نے بیٹے کی ذلت کے پیش نظر بہت کوشش کی کہ بادشاہ کو پھر انحراف وعدہ پر تیار کروں۔ لیکن اس نے نہ مانا۔ اور الہ دین کی ماں سے کہدیا کہ اب مجھے شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تم اپنے لڑکے کو بھیجدو۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ الہ دین کی والدہ خوشی خوشی گھر آئی اور بیٹے کو بتایا کہ بادشاہ نے منظور کر لیا ہے۔ اور وہ تمہیں ملنے کے لئے بلاتا ہے۔ الہ دین وفور مسرت سے اچھل پڑا اور ماں سے کہنے لگا کہ تم نیچے مکان میں بیٹھو۔ میں ذرا بادشاہ کے یہاں جانے کی تیاری کرتا ہوں۔ ماں نیچے چلی گئی۔ تو الہ دین نے چراغ رگڑ کر جن کو بلایا اور اس سے کہا کہ مجھے کسی بہترین حمام میں لے چلو غسل کرنا چاہتا ہوں۔ جن نے پلک جھپکتے ہی نہایت نفیس گرم ترکی حمام میں پہونچادیا اور جب وہ غسل کر کے فارغ ہوا تو پھر واپس لے آیا۔ اسکے بعد الہ دین نے جن سے کہا کہ میرے لئے اعلیٰ قسم کا لباس لاؤ۔ ایک گھوڑا معہ ساز ایسا حاضر کرو جسکی نظیر دنیا میں کم ہو اور چالیس حسین غلام لاؤ جو پہلے غلاموں سے بھی زیادہ عمدہ لباس میں ہوں اور ان کے ہاتھوں میں اشرفیوں کی تھیلیاں ہوں جن کو راہ میں لٹاتے ہوئے چلیں۔ لیکن ان میں کسی وقت کمی نہ آئے۔ جن چلا گیا۔ اور ذرا سی دیر میں کل سامان لا کر حاضر کر دیا۔ جسے دیکھ کر خود الہ دین بھی محو حیرت ہو گیا۔ جن کو رخصت کر کے الہ دین نے شاہانہ لباس پہنا۔ اور پریزاد گھوڑے پر سوار جلوس میں چالیس غلام جن کے لباس اکثر بادشاہوں سے زیادہ قیمتی تھے اشرفیوں کی تھیلیاں لیکر روانہ ہوئے۔ جسوقت الہ دین کی سواری بازار

الہ دین کی بادشاہ کے یہاں روانگی
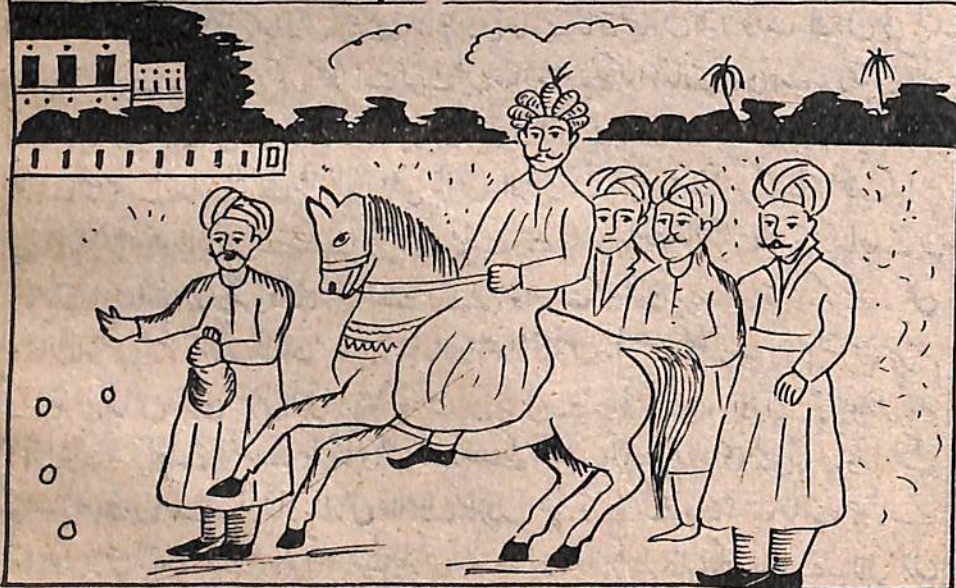
سے گذری غلاموں نے مٹھیاں بھر بھر کر اشرفیاں الہ دین کے سر پر سے نثار کرنی شروع کیں۔ چاروں طرف سے لوگ حیرت سے کھڑے دیکھ رہے تھے کہ اس شان و شوکت کا بادشاہ آج تک دیکھنا کیسا سنا بھی نہ تھا عوام اس کی دریادلی دیکھ کر عش عش کر رہے تھے۔ غربا اشرفیاں لوٹ رہے تھے اور الہ دین کو دعائیں دے رہے تھے۔ جسوقت الہ دین شاہی محل پر پہونچا۔ ہزاروں آدمی اس کی سواری کو دیکھنے اور اشرفیاں لوٹنے کو جمع ہو گئے۔ اس عرصہ میں کچھ لوگوں نے بادشاہ سے بھی جا کر کہا کہ بڑھیا کا بیٹا اس تجمل و احتشام سے آ رہا ہے۔ بادشاہ نے امرار وزرار کو حکم دیا کہ استقبال کر کے اس کو اندر لائیں۔ چنانچہ سب لوگ آگے بڑھے اور بڑے احترام و عزت سے الہ دین کو بادشاہ کے پاس اندر لے گئے۔ بادشاہ نے اٹھ کر الہ دین کو تعظیم دی اور اپنے برابر تخت پر بٹھایا۔ پھر الہ دین سے کہا کہ مجھے تم سے ملکر بہت خوشی ہوئی ہیں نے حسب وعدہ آج ہی تمہارے نکاح کا انتظام کر دیا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم شاہزادی کے ساتھ یہیں شہر پیکین میں رہو۔ الہ دین نے کہا کہ مجھے آپ کا حکم بسر و چشم منظور ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شاہزادی کی شادی کا اعلان کر دیا جائے اور تمام مملکت میں جشن مسرت منایا جائے۔ چنانچہ اسی وقت حکم کی تعمیل کر دی گئی۔ ہر طرف محفل رقص و سرود کے انتظامات ہو گئے۔ تمام محل پر چراغاں کیا گیا رات کو جب دسترخوان بچھا تو سب امرار وزرار حسب مراتب حاضر تھے۔ کھانے میں شریک تھے۔ الہ دین سب لوگوں سے بڑے حسن اخلاق سے ملا۔ اور اپنا گرویدہ بنالیا۔ پھر رات گئے رسم نکاح ادا کی گئی۔ اس کے بعد الہ دین نے خوب اشرفیاں لٹائیں اور درباری امرار و سارے شہر کو حسب حیثیت جواہرات کے تحفے پیش کئے اس کی دولت و ثروت دیکھ کر سب حیران تھے کہ اسقدر لاتعداد دولت کہاں سے مل گئی۔ غرض اسی ایک رات میں کیا امیر کیا غریب سب الہ دین کے پرستار بن گئے۔ نکاح کے بعد الہ دین نے بادشاہ سے رخصت طلب کی اور عرض کیا کہ کل صبح میں شاہزادی کو اپنے ساتھ لیجاؤں گا۔ اسوقت مجھے ان کی بلند مرتبت شخصیت کے مطابق کچھ انتظامات کرنے ہیں۔ بادشاہ نے کہا تمہاری خوشی اب بدر تمہاری کنیز ہے۔ جیسا جی چاہے اس کے ساتھ سلوک کرو۔ الہ دین بادشاہ کے یہاں سے رخصت ہو کر اپنے گھر آیا محلات شاہی کے سامنے ایک بڑا قطعہ آراضی پڑا تھا۔ الہ دین نے اس کو اپنے قصر کے لئے منتخب کیا پھر چراغ رگڑ کر جن کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ صبح ہونے سے پہلے ایک نہایت عالیشان قصر تیار کیا جائے جس کی مرصع کاری ایسی ہو کہ اگر بادشاہ اپنی سلطنت کے کل جواہرات بھی خرچ کر دے تو مقابلہ نہ کر سکے۔ کل سامان آرائش فرش فروش قالین مسندیں۔ باغات جھاڑ فانوس۔ اصطبل گھوڑے غلام کنیزیں ہر قسم کے بہترین لباس۔ برتن۔ غرض کوئی چیز جو ضرورت میں شامل ہے۔ باقی نہ رہے۔ اور ایک قالین عمدہ قسم کا اتنا بڑا حاضر کیا جائے جو قصر سے لیکر شاہی محل تک بچھ سکے۔ قصر میں ایک بارہ دری ایسی ہو کہ بادشاہ دیکھے تو تصویر حیرت بن جائے۔ بادشاہ کے کل غلاموں کنیزوں امرار وزرار کے لئے حسب مراتب جوڑے تھالیوں میں سجے ہوئے بھی لاکر رکھدیئے جائیں۔ ہر قسم کا زر و جواہر کمروں میں رکھدیا جائے۔ بالائی منزل

میں تمام غرفے مرصع اور جواہر کار ہوں صرف ایک غرفہ خالی چھوڑ دیا جائے اس پر کسی قسم کی صنعت کاری نہ ہو جن نے کہا کہ صبح سے پہلے تعمیل ارشاد ہو جائے گی۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا اور الہ دین بھی آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ ابھی سفیدۂ سحر نمودار ہی ہوا تھا کہ جن نے آکر اطلاع دی کہ محل تیار ہے۔ الہ دین نے اٹھ کر دیکھا تو اس کے انداز سے حسین عمارت تھی۔ اس کی صنعت گری دیکھ کر وہ مبہوت ہو گیا اور اسی وقت جا کر سارے قصر کا معائنہ کیا۔ ہر چیز قرینے سے سجی ہوئی تھی۔ غلام و کنیزیں زرق برق لباس ادھر سے ادھر پھر رہے تھے۔ گھوڑے ہنہنا رہے تھے۔ بائیں باغ میں چھوٹی چھوٹی حسین نہریں بہہ رہی تھیں۔ وسط میں آب مصفےٰ سے بھرا ہوا حوض تھا۔ جس کے وسط میں ایک نادر روزگار فوارہ چل رہا تھا۔ قصر سے لیکر بادشاہ کے محل تک رومی قالین بچھا ہوا تھا۔ یہ سب چیزیں دیکھ کر الہ دین بہت مسرور ہوا۔ اس کے بعد جن کو رخصت کر کے اپنے مکان پر واپس آیا اور ماں سے کہا کہ تم بادشاہ کے یہاں جاؤ اور شہزادی کو رخصت کرا لاؤ۔ نیز بادشاہ سے عرض کرو کہ آپ بھی میرے مکان پر قدم رنجہ فرمائیں۔ اپنے ساتھ دلہن کا جوڑا اور تمام شاہی غلاموں اور کنیزوں نیز امرار وزرار کے جوڑے بھی لے جاؤ۔ الہ دین کی ماں غلاموں اور کنیزوں کے سروں پر جوڑے لیکر روانہ ہوئی۔ ادھر صبح کو جو بادشاہ بیدار ہوا تو اپنے محل کے سامنے قصر جدید کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔ قصر بھی ایسا مرتفع اور مزین کہ آج تک اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آیا تھا۔ وزیر اور دوسرے لوگوں سے پوچھا کہ رات میں یہ عالیشان محل کہاں سے آیا۔ وزیر نے عرض کیا کہ میرے خیال میں الہ دین نے تیار کیا ہے اور سب سحر کا کارخانہ ہے۔ آج تک جتنے کام اس کی طرف سے ہوئے ہیں سب محیر العقول ہیں اور کسی انسان کی مجال نہیں کہ ایسے ایسے نادرات آناً فاناً میں تیار کر دے۔ بادشاہ دل میں تو خوفزدہ ہوا لیکن زبان سے کچھ نہ کہا اتنے میں الہ دین کی ماں سامان عروس لیکر پہونچ گئی۔ شہزادی کا لباس و زیور اور دوسروں کے جوڑے دیکھ کر سب عش عش کرنے لگے۔ اسی وقت دلہن کو آراستہ کیا گیا اور نغمہ و سرود کی دلکش تانوں کے درمیان دلہن اپنی سسرال کو روانہ ہوئی۔ دونوں قصر آمنے سامنے تھے۔ پھر شہزادی رخصت کے وقت ماں سے گلے مل کر بہت روئی۔ ماں نے تشفی دی کہ بیٹی تم کہیں دور نہیں جا رہی ہو۔ ہم ہر روز تم سے ملتے رہیں گے۔ پھر دیکھو تمہارے شوہر نے کیا کیا بے نظیر سامان عیش تمہارے لئے فراہم کیا ہے۔ کہ اگر ہفت ولایت کا بادشاہ بھی کوشش کرتا تو ممکن نہ ہوتا۔ غرض دلہن الہ دین کے قصر میں آئی۔ الہ دین نے دروازہ پر استقبال کیا اور بڑی محبت اور نہایت اعزاز سے لا کر بٹھایا۔ جب خلوت ہوئی اور شہزادی نے بے نقاب ہو کر اپنے شوہر کو دیکھا تو اسکو پہچان کر محو حیرت ہو گئی کہ یہ تو وہی شخص ہے جس نے دو رات مجھے ایک جن کی معرفت اٹھوا لیا تھا۔ اور دل میں سمجھ گئی کہ یہ سب شان و شوکت جن کی بدولت اس کو حاصل ہوئی ہے۔ بہر حال اپنے دل میں اس نے فخر محسوس کیا کہ میرا شوہر جنوں تک پر حاکم ہے۔ آج جب بدر نے بہترین لباس میں

ملبوس الہ دین کو دیکھا تو خود بھی اس پر مائل ہوگئی۔ پہلی جن دو راتوں میں وہ اس کے پاس آئی تھی۔ شہزادی کے دل میں تو اسی وقت الہ دین کی جگہ ہوگئی تھی۔ لیکن اب کہ وہ اس کا باقاعدہ شوہر ہوگیا تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔ تھوڑی دیر میں الہ دین نے دسترخوان چننے کا حکم دیا۔ جس کی فوراً تعمیل ہوئی۔ بدر اور الہ دین نے ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھایا اور اسکے بعد سب آرام کرنے لگے۔ اپنے اپنے ٹھکانے پر چلے گئے۔

الہ دین اور شہزادی بھی حجلہ عروسی میں آئے اور دیر تک پیار و محبت کی باتیں کرتے رہے۔ الہ دین مہینوں کا ہجران دیدہ معشوق ضار کو پہلو میں دیکھ کر ناز کر رہا تھا۔ آج اس کی امیدوں کی کلی کھلنے والی تھی۔ جب رات زیادہ آئی تو دونوں نے ایک چھپر کھٹ پر آرام کیا اور شراب وصل سے سیراب ہوئے۔ صبح سویرے دونوں اُٹھے تو ایک دوسرے میں چور تھے۔ غسل وغیرہ سے فراغت کی اور لباس تبدیل کرکے باہر آئے۔ ہر طرف سے کنیزوں نے مبارکباد کا ترانہ گایا اور انعام واکرام حاصل کیا۔ اس کے بعد الہ دین بادشاہ کے سلام کو گیا۔ بادشاہ نے اپنے برابر تخت پر جگہ دی اور بڑی محبت سے گلے لگا کر خیر وعافیت دریافت کی۔ الہ دین نے دست بستہ عرض کیا آج آپ اور کل امراء وزراء اور تمام اہل شہر میرے غریب خانہ پر کھانا تناول فرما کر میری عزت افزائی فرمائیں۔ بادشاہ نے اس کی دعوت منظور کرلی اور اسی وقت تمام شہر میں اعلان کر دیا گیا۔ کہ ہر امیر غریب بوڑھے بچے جوان مرد عورت کی دعوت شاہزادے الہ دین کے یہاں ہے۔ سب لوگ محل پر آکر کھانا کھائیں۔ بادشاہ خود مع اعیان دولت الہ دین کے قصر کی سمت روانہ ہوا۔ تمام راستہ میں قالین بچھا ہوا تھا جب اس پر قدم رکھتے تھے تو ٹخنوں تک پیر قالین کے ریشمی روئیں میں اُتر جاتے تھے۔ جس وقت الہ دین اور بادشاہ قصر میں پہنچے تو تمام خدام استقبال کے لئے دروازے پر موجود تھے۔ کنیزوں کے حسن عالم آشوب کا یہ عالم تھا کہ بہت سے امراء ان کے تیر نظر کے گھائل ہوگئے۔ الہ دین نے بادشاہ کو تمام اندرونی مناظر دکھلائے۔ حاضرین حیرت استعجاب سے مثل تصویر خاموش و مبہوت تھے۔ زر و جواہر کی وہ افراط تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کی کوئی قدر وقیمت ہی نہیں۔ بارہ دری کی سجاوٹ کا یہ عالم تھا کہ معلوم ہوتا تھا کان صد جواہر ہے۔ سامنے نیچے وہ باغ تھا کہ جس پر جنت شداد کا دھوکا ہوتا تھا ہر طرف سبزے مخملیں فرش جگہ جگہ کمر محبوب کی طرح بل کھاتی ہوئی نہریں چشم معشوق کی طرح مصفٰی و منزہ حوض۔ وسط میں فوارہ اس طرح چل رہا تھا گویا باغ کی رعنائی و زیبائی پر گوہر نایاب لٹا رہا ہے۔ وزیر نے بادشاہ کے کان میں کہا۔ کہ حضور یہ انسانی کام نہیں۔ مجھے تو سحر کا کارخانہ معلوم ہوتا ہے۔ خدا انجام بخیر کرے۔ بادشاہ شہزادی سے سب حال دریافت کر چکا تھا کہ الہ دین کے قبضے میں جن ہے۔ وہ ایک باکمال شخص ہے۔ اس لئے اس نے وزیر کو جھڑک دیا کہ تم فضول بکواس کیوں کرتے ہو۔ سارا محل دیکھنے کے بعد بادشاہ نے پوچھا کہ کل عمارت مکمل و مرصع ہے لیکن یہ ایک غرفہ سادہ کیوں رہ گیا۔ الہ دین نے عرض کیا کہ دانستہ چھوڑا گیا ہے تاکہ اسے آپ مکمل کرادیں اور

اس طرح آپ کے مبارک ہاتھوں کی بدولت یہ قصر مکمل ہو جائے۔ یادشاہ اس کی سعادت مندی سے خوش ہوا۔ اور اسی وقت حکم دیا کہ کل صناع اکٹھے کئے جائیں تاکہ اس غرفے کو مزین کریں۔ چنانچہ سب کاریگر جمع ہوئے۔ بادشاہ نے جواہرات فراہم کر دیئے۔ ایک ماہ تک کام ہوتا رہا لیکن ہمارے جواہرات ختم ہو جانے کے بعد بھی وہ غرفہ مکمل نہ ہو سکا۔ بادشاہ بہت نادم ہوا کہ میں ایک غرفہ بھی اپنی ساری پونجی لگا کر بھی مکمل نہ کر سکا۔

الہ دین نے وہ کل جواہرات اکھڑوا کر واپس خزانے بھجوا دیئے اور چراغ کے جن کو بلا کر غرفہ مکمل کرنے کو کہا۔

الہ دین شہزادی بدر کے ساتھ اپنے محل میں عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگا۔ کبھی سیر و شکار کو جاتا۔ کبھی اپنے قصر میں محفلیں سجاتا۔ پیکن شہر میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جسکے ساتھ الہ دین نے فیاضی یا سلوک نہ کیا ہو۔ ہر روز غریبوں کے گھر جاتا اور ان کی امداد کرتا۔ مصیبت زدوں کے دکھ تکلیف میں کام آتا۔ شہر میں بہت سے شفاخانے مریضوں کے مفت علاج کے لئے کھول دیئے۔ کئی جگہ لنگر جاری کئے۔ ہر شخص سے محبت سلوک اور پیار سے ملتا۔ کسی شخص کا دل اس نے دکھنے نہیں دیا۔ گو ظاہر میں صرف بادشاہ کا داماد تھا۔ بادشاہ نہیں۔ لیکن عوام کے دلوں پر الہ دین ہی کی حکومت تھی۔ جب لوگ اس کا نام سنتے تو ان کے دل اس کی عظمت اور محبت سے لبریز ہو جاتے۔ سارے پیکن شہر میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا۔ جو اس سے ذرا سی بھی پرخاش رکھتا ہو۔ اس کی داد دہش کا سلسلہ لامتناہی جاری تھا۔ اور عوام اسکا وجود رحمت خداوندی سمجھتے تھے۔ انہی دنوں اتفاقاً ایک دشمن نے ملک پر حملہ کر دیا۔ الہ دین خود فوج لیکر بڑھا اور بظاہر فوج لیکن دراصل اپنے چراغ کی مدد سے دشمن کو پامال کر کے نکال دیا۔ اب لوگ اس کی جرات اور بہادری کے بھی گن گانے لگے۔ اس وقت یہ عالم تھا کہ اگر الہ دین حکم دیتا تو لوگ آگ میں کودنے کو بھی تیار تھے

افریقی ساحر اپنی ناکامی کے رنج اور الہ دین کی ضد کے غصہ میں جب واپس ہوا تو بہت دل شکستہ تھا۔ چنانچہ وہ کہیں چین نہ گیا۔ بلکہ سیدھا افریقہ واپس چلا آیا۔ کافی مدت گذرنے کے بعد ایک روز اسے اپنی ناکامی کا خیال آیا تو دیر تک انہیں خیالات میں غلطاں و پیچاں رہا اور دیر تک دل ہی دل میں الہ دین کو گالیاں دیتا رہا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے علم نجوم و کہانت سے حساب لگا کر دیکھا۔ کہ اس کا کیا حشر ہوا۔ حساب سے معلوم ہوا کہ الہ دین زندہ ہے اور پیکن شہر میں شہزادی بدر سے شادی کر کے عیش کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ ساحر افریقی یہ حالات جان کر حسد میں انگاروں پر لوٹنے لگا۔ کہ میں تو محنت و روپیہ خرچ کر کے ناکام رہا اور الہ دین اس چراغ کی بدولت دنیا جہان کے عیش و راحت مفت میں لوٹ رہا ہے۔ اس نے اسی وقت قسم کھائی یا تو اپنی جان قربان کر دونگا۔ یا الہ دین

کو ختم کر کے رہوں گا۔ سامان سفر درست کر کے ساحر افریقی پیکن کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور مہینوں کے تھکا دینے والے سفر کے بعد منزل مقصود پر آپہنچا۔ ایک سرائے میں ٹھہر کر چند روز آرام کیا۔ اس دوران میں اس نے الہ دین کے محل اور ریاست و امارت کے قصے سنے تو آتش قہر و غضب اور بھی مشتعل ہو گئی جب کسل سفر رفع ہو گیا تو ایک روز اس نے پھر اپنا حساب پھیلایا اور معلوم کر لیا کہ آج الہ دین محل میں نہیں ہے۔ نیز چراغ بھی اس کے پاس نہیں ہے۔ بلکہ گھر ہی میں موجود ہے۔

کافی دیر غور و خوض کے بعد اس نے تجویز کیا۔ اور خیال کیا کہ نئے چراغوں کے بدلے میں پرانے چراغ خریدنے کے بہانے اس کے حصول کی کوشش کرنی چاہیئے۔ یقین ہے کہ اس نے چراغ کے راز کسی سے ظاہر نہیں کئے ہونگے۔ ممکن ہے قسمت یاور ہو جائے۔ چنانچہ اٹھ کر بازار میں آیا اور بہت سے مختلف وضع کے خوبصورت چراغ خریدے اور سرائے میں آکر لباس تبدیل کیا۔ اور پھر ایک ٹوکری میں نئے چراغ بھر کر الہ دین کے محل کی طرف روانہ ہوا۔ محل کو دیکھ کر اس نے اندازہ لگایا کہ یہ محل کسی موکل کا بنایا ہوا ہے۔ انسانی طاقت سے باہر کا کام ہے۔ چنانچہ اس نے محل کے چاروں طرف پھر آواز لگانا شروع کی۔ نئے چراغوں سے پرانے چراغ بدل لو۔ اس کی یہ عجیب و غریب صدا سن کر آس پاس کے لوگ ہنسنے لگے۔ بچوں نے دیوانہ سمجھ کر اس کو پریشان کرنا شروع کر دیا لیکن وہ اپنی دھن میں مگن پھرتا رہا۔ بہت سی عورتوں نے اپنے پرانے چراغ دے کر اس سے عمدہ قسم کے نئے

ساحر افریقی کا چراغ لیکر پھرنا
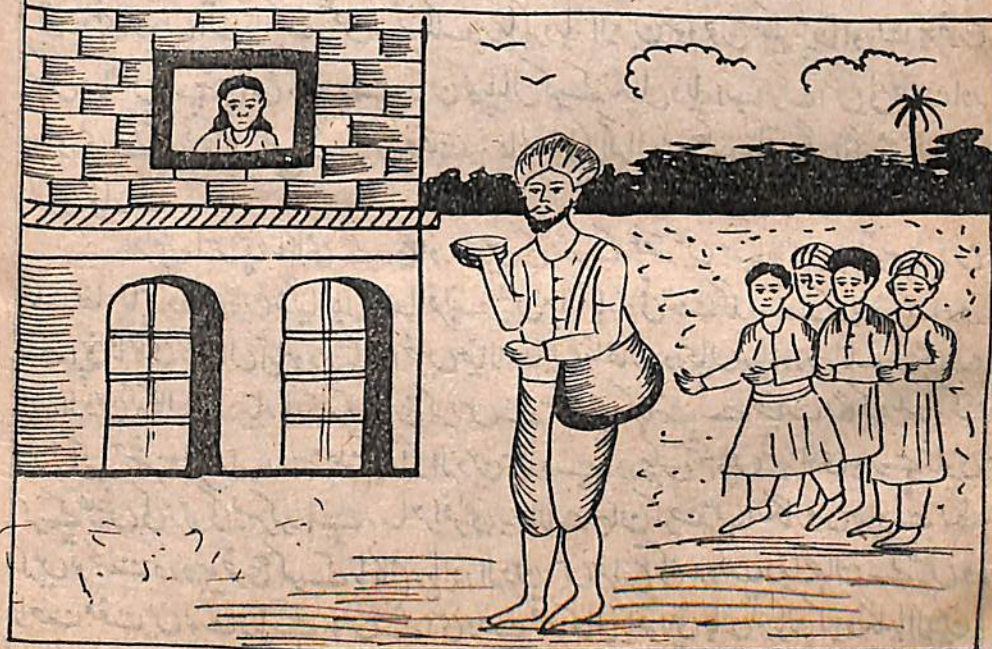
چراغ لے لئے۔ اور اس کی حماقت پر خوب ہنسیں۔ تمام دن کی محنت کے باوجود محل سے کوئی چراغ بدلوانے والا نہیں نکلا اور شام کو ساحر افریقی بے نیل ومرام سرائے میں واپس آگیا لیکن وہ مایوس نہیں ہوا۔ اس نے فیصلہ کرلیا۔ ابھی اور قسمت آزمائی کرنی چاہیئے۔ شاید گوہر مقصد مل جائے۔ دوسرے روز پھر چراغوں کی ٹوکری لیکر آواز لگاتا ہوا الہ دین کے محل کے پاس آیا۔ اس روز اتفاق سے شہزادی بدر دریچے سے جھانک رہی تھی اس نے جو یہ عجیب آواز سنی تو بہت حیران ہوئی۔ اور ایک کنیز کو بھیجکر معلوم کرایا کہ کیا معاملہ ہے۔ کنیز باہر گئی اور لوگوں سے پوچھ گچھ کرکے ہنستی ہوئی بدر کے پاس آکر کہنے لگی کہ کوئی نیم دیوانہ شخص ہے اور پرانے چراغوں کے بدلے نئے چراغ دیتا ہے۔ اگر حضور حکم دیں تو ہم بھی اپنا چراغ بدلوالیں۔ حضور کو یاد ہوگا کہ فلاں کمرے میں ایک بہت پرانا چراغ رکھا ہے۔ بدر نے کہا۔ جاؤ۔ بدلوالو۔

کاش اگر شہزادی بدر کو معلوم ہوتا۔ کہ وہ کیا کررہی ہے تو وہ مصیبت پیش نہ آتی جو آنیوالی ہے کنیز کمرے سے پرانا چراغ لائی اور باہر آکر ساحر افریقی کو دیا۔ کہ ہمیں بھی نیا چراغ دیدو۔ اس نے چراغ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور لیکر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ پھر ساری ٹوکری اس کے سامنے رکھ کر بولا کہ جو پسند ہو چھانٹ کرلے لو۔ کنیز نے حیرت سے اس بیوقوف شخص کو دیکھا جو پرانے چراغوں کے عوض میں بہترین نئے چراغ دے رہا تھا۔ اور پھر ایک عمدہ سا چراغ پسند کرکے اٹھالیا اور محل میں چلی آئی۔ افریقی ساحر اپنا ٹوکرا لیکر خوش خوش چلا اور آبادی سے ایک طرف جاکر وہ ٹوکرا پھینک دیا
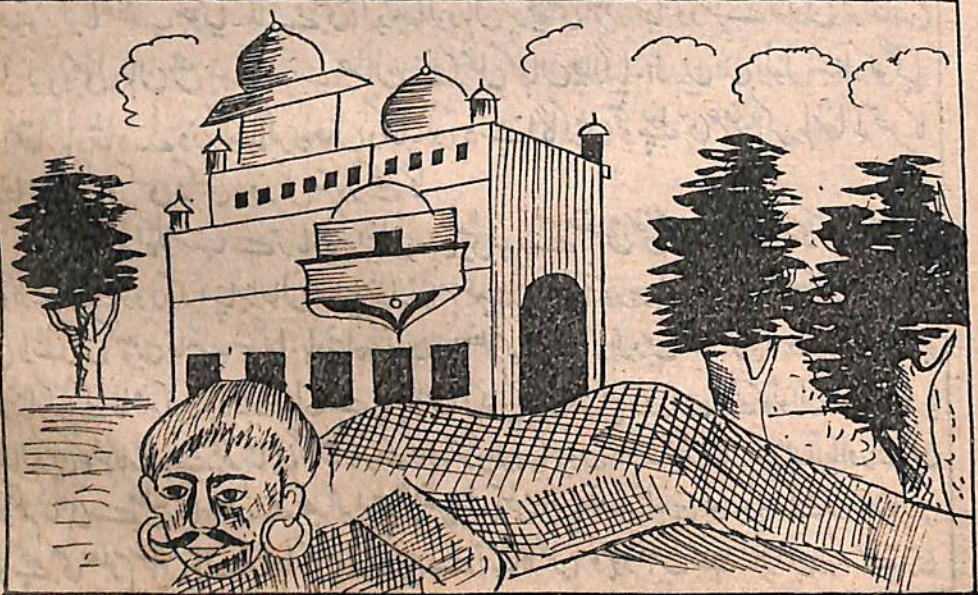
اور خود وفورِ مسرت سے ناچنے لگا جب اس کا جوش کم ہوا تو آرام کرنے کے لئے بیٹھ گیا یہانتک کہ شام ہو گئی اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا اسوقت اس نے چراغ کو رگڑا جن حاضر ہوا ساحر افریقی نے حکم دیا کہ اس محل کو مع مکینوں کے افریقہ کے فلاں شہر میں پہنچا دو۔ جن غائب ہو گیا۔ ذرا سی دیر میں محل مع ساحر افریقہ میں اس جگہ رکھدیا۔ جہاں اس نے کہا تھا۔

ساحر افریقی اپنی کامیابی پر بہت مسرور ہوا اور محل میں جاکر شہزادی بدر کو اصل حال بتایا کہ کس طرح میں اس محل کو چین سے افریقہ لے آیا ہوں۔ اور اب تمام زندگی الہ دین ادھر نہیں آسکتا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ تم بھی اپنے مستقبل کے متعلق غور کر لو۔ اگر میرے ساتھ رہنا منظور کرو تو میں تمہیں اپنی بیگم بنا کر رکھ سکتا ہوں۔ شہزادی بدر ان حالات کو سنکر بہت روئی اور اتنی پشیمان ہوئی کہ شاید خودکشی کرے۔ لیکن اس کی چند خواصوں نے سمجھایا کہ حضور چراغ بدلنے کی غلطی نادانی میں ہو گئی۔ اب صبر کیجئے اور اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دیجئے۔ وہ ضرور آپکی حالت پر رحم فرمائے گا۔ غصہ میں اسوقت بدر نے ساحر افریقی کو کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن دل میں فیصلہ کر لیا کہ اپنی جان دیدوں گی لیکن اب دوسرے مرد کا منہ نہیں دیکھوں گی۔ ساحر یہ سمجھ کر خاموش ہو گیا کہ فی الحال نیا صدمہ پہنچا ہے۔ اس لئے زیادہ متاثر ہے۔ چند روز میں خود ہی صبر آ جائیگا۔ اور یہ اپنے آپ کو میرے حوالے کر دے گی۔

شاہ چین دوسرے روز بیدار ہوا تو اتفاقاً اس کی نظر سامنے کی کھڑکی پر پڑی جہاں سے الہ دین کا محل نظر آیا کرتا تھا۔ لیکن آج وہاں کچھ نہیں تھا۔ بادشاہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور دریچہ میں آکر کھڑا ہو گیا لیکن محل نظر نہ آیا۔ صاف چٹیل میدان پڑا تھا۔ اس نے گھبرا کر ملکہ کو بلا کر دکھایا۔ اور کہنے لگا دیکھو تو یہ کیسا غضب ہو گیا۔ ملکہ نے بھی آکر دیکھا تو وہاں پر کچھ بھی نہیں تھا۔ دوسرے لوگوں کو اطلاع ہوئی تو وہ بھی وہاں جمع ہو گئے۔ سب حیران تھے کہ محل کہاں چلا گیا۔ الہ دین ان دنوں شکار کو گیا ہوا تھا۔ بادشاہ نے وزیر کو بلا کر یہ حال دکھایا تو وہ کہنے لگا کہ میں تو پہلے ہی عرض کر رہا تھا کہ سحر کا کارخانہ ہے اور کسی نہ کسی روز گل ضرور کھلے گا۔

بادشاہ کو سب سے زیادہ پریشانی اپنی بیٹی بدر کے متعلق تھی کہ خدا جانے اسکا کیا حشر ہوا ہوگا۔ ملکہ نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا تھا۔ تمام شہر میں ایک شور برپا تھا۔ کہ الہ دین کا محل رات کی رات میں کہیں غائب ہو گیا۔ بادشاہ نے وزیر اعظم کو حکم دیا کہ الہ دین شکار کو گیا ہوا ہے۔ اس کو گرفتار کر کے حاضر کرو۔ وزیر تو دل سے چاہتا تھا کہ کوئی ایسا موقع ملے اس نے کوتوال شہر کو حکم دیا کہ الہ دین کو شکارگاہ سے بحکم شاہی گرفتار کر کے لاؤ۔ کوتوال سپاہیوں کا دستہ لیکر شکار گاہ میں آیا اور الہ دین کو حکم شاہی سے مطلع کیا۔ اس نے گھبرا کر پوچھا کہ خیر باشد آخر میرا کیا قصور ثابت ہوا۔ وہ کہنے لگا سرکار یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ صبح سے آپ کا محل موجود نہیں ہے۔ الہ دین یہ سنتے ہی

سن ہو گیا اور سمجھ گیا کہ شہزادی کی غلطی سے چراغ کسی کے ہاتھ لگ گیا۔ لیکن اس نے بڑے ضبط سے کام لیا اور کوتوال کے ساتھ شہر میں واپس آیا۔ جب وہ شہر سے گذرا تو لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ بادشاہ نے الہ دین کو گرفتار کرالیا ہے اور اب قتل کیا جائے گا۔ عوام اس کے گرویدہ اور شیدائی تھے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور لوگ اکٹھے ہو کر قصر شاہی کی طرف چلنے لگے۔ الہ دین بادشاہ کے سامنے پیش ہوا تو اس نے سخت غیظ و غضب کے عالم میں دریافت کیا کہ تمہارا محل کہاں گیا اور میری شہزادی بدر کدھر غائب ہو گئی۔ الہ دین نے عرض کیا کہ اسوقت تو میں سیدھا شکار گاہ سے گرفتار ہو کر آ رہا ہوں۔ آپ مجھے مہلت دیں تاکہ اصل حالات دریافت کروں لیکن بادشاہ کو اس وقت اتنا رنج و غصہ تھا کہ اس نے الہ دین کے معروضات پر کوئی توجہ نہ دی اور قتل کا حکم دے دیا۔ اس عرصہ میں سارا شہر محل شاہی کے دروازہ پر جمع ہو گیا اور الہ دین کی واپسی کے نعرے بلند کرنے لگا۔ وزیر نے بادشاہ کو صورت حالات سے مطلع کیا اور سمجھایا کہ اس وقت مناسب یہی ہے کہ الہ دین کو چھوڑ دیجئے اور جتنی مہلت یہ مانگتا ہے دیدیجئے ورنہ بغاوت ہو جائے گی۔ لوگ اس کو بیحد چاہتے ہیں۔ حتیٰ کہ فوج اور پولیس میں بھی اتنا رسوخ ہے کہ اگر اس نے ذرا سا بھی اشارہ کر دیا تو میں اور آپ بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔ بادشاہ یہ سن کر خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے پھر الہ دین کو بلایا اور کہا کہ میں تمہیں چالیس روز کی مہلت دیتا ہوں اس عرصے میں میری بیٹی کو کہیں سے پیدا کرو۔ یا مجھے بتاؤ کہ وہ کہاں ہے اور کس طرح گئی۔ الہ دین بادشاہ سے رخصت ہو کر باہر آیا تو لوگوں نے نعرہ ہائے مسرت سے اسکا استقبال کیا۔ الہ دین نے ان کا بہت شکریہ ادا کیا اور درخواست کی کہ آپ صاحبان اپنے اپنے گھر چلے جائیں میرے محل کے غائب ہو جانے سے جو صدمہ مجھے ہوا ہے۔ اس کی تلاش میں جانا چاہتا ہوں میری ریاست کے کچھ آدمی حاسد تھے اور یہ سب انھیں کی سازش سے ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ چند ہی دن میں اپنی بیگم اور قصر کے ساتھ آپ لوگوں میں آجاؤں گا۔ سب لوگ خاموش ہو گئے اور واپس چلے گئے الہ دین وہاں سے چلکر سیدھا جنگل پہنچا اور تنہائی میں بیٹھ کر اپنی بدقسمتی پر بہت رویا۔ اسکی حالت دیوانوں جیسی ہو گئی۔ اسے بار بار خیال آیا کہ سب کچھ میری اپنی غفلت کا نتیجہ ہے۔ کیوں میں چراغ گھر میں چھوڑ تا۔ اور کیوں آج یہ مصیبت مجھے اٹھانی پڑتی۔ کئی روز تک وہ دیوانہ وار کوہ و دست میں پریشان پھرتا رہا۔ اسے شہر میں جانے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ جہاں کل تک وہ رئیسانہ ٹھاٹ باٹ سے رہتا تھا۔ آج وہاں اس کو سر چھپانے کی جگہ نظر نہیں آتی تھی شہزادی کا خیال کسی وقت دل سے محو نہ ہوتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ معلوم نہیں اس غریب پر کیا گذری میری ذراسی حماقت نے اس پر مصیبت کے پہاڑ توڑ دیئے ہوں گے۔ کاش میں اسے چراغ کے حال سے واقف کر دیتا تو وہ کیوں یہ نوبت آنے دیتی۔ ہجوم غم و ملال سے تنگ آکر الہ دین نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے خودکشی کر لینی چاہیئے۔ کیونکہ بغیر اس سامان ریاست اور شہزادی کے جینا بیکار

ہے۔ چنانچہ اسی خیال کے زیر اثر وہ کسی دریا میں ڈوبنے کے ارادہ سے چلا۔ راستہ میں ایک پہاڑی کے ٹیلے سے اتر رہا تھا کہ اس کا پیر پھسلا اور بے اختیار گرتے ہوئے جو قدرتی طور پر بچاؤ کے لئے ہاتھ پیر چلائے تو اس انگوٹھی کو رگڑ پہنچ گئی جو افریقی ساحر نے اس کو دی تھی اور اس مصیبت کی حالت میں شدت مایوسی و صدمات کی وجہ سے وہ اس کو بالکل بھول گیا تھا۔ رگڑ لگتے ہی اس کا موکل جن حاضر ہو گیا اور بولا کیا حکم ہے۔ الہ دین نے کہا مجھے سنبھالو۔ جن نے بڑی احتیاط سے اس کو اٹھا کر ایک ہموار چٹان پر بٹھا دیا۔ الہ دین کو اس وقت اپنی بیوقوفی پر ہنسی آگئی۔ کہ انگوٹھی میرے پاس موجود ہے اور میں نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ پھر وہ جن سے مخاطب ہو کر بولا کہ میرا محل کیا ہوا اور چراغ کس کے قبضہ میں ہے۔ جن نے کہا کہ افریقی ساحر آیا تھا وہ نئے چراغوں کے بدلے میں پرانے چراغ خریدنے بہانے کئی روز یہاں مقیم رہا۔ لاعلمی میں آپ کی ایک کنیز نے وہ طلسمی چراغ اس کو دیدیا۔ وہ ہی محل کو افریقہ لے گیا ہے اور اسی کے پاس وہ چراغ ہے۔ جس کو وہ ہر وقت اپنی جیب میں رکھتا ہے۔ الہ دین نے کہا کیا تم اس محل کو واپس لا سکتے ہو۔ جن نے کہا نہیں۔ یہ کام صرف چراغ کے موکل کر سکتے ہیں۔ میں آپ کی صرف اتنی مدد کر سکتا ہوں کہ افریقہ میں جہاں وہ محل ہے آپ کو وہاں پہونچا دوں۔ الہ دین نے کہا اچھا تم مجھے میرے محل کے قریب لے چلو۔ جن نے اس کو اٹھایا۔ اور چشم زدن میں افریقہ میں لا کر محل کے قریب چھوڑ دیا اور غائب ہو گیا۔ الہ دین نے دور سے دیکھ کر اپنے قصر کو پہچان لیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ میں اس کا پتہ چلانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ اس کے بعد اس نے احتیاط سے قصر کے آس پاس پھرنا شروع کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ کوئی کنیز کسی ضرورت سے باہر نکلے تو میں شہزادی کو اپنی آمد کی اطلاع دوں گا۔ ساتھ ہی یہ خطرہ تھا کہ کہیں افریقی ساحر مجھ کو نہ دیکھ لے۔ تمام دن گذر گیا لیکن اس کو کوئی موقع نہیں ملا کہ اپنی آمد کی خبر اندر پہنچا سکے۔ شام کی آمد دیکھ کر الہ دین پریشان ہو رہا تھا کہ اس ناواقف جگہ میں رات کیسے گذاروں گا۔ اتفاق سے ایک کنیز نے اسکو پہچان لیا۔ اس نے جا کر شہزادی کو اطلاع دی۔ بدر کہنے لگی۔ تو دیوانی ہے۔ وہ دس پانچ روز میں یہاں کس طرح آ سکتے ہیں۔ کنیز نے عرض کیا۔ تو کوئی اہم بات نہیں۔ آپ دریچہ سے خود دیکھ لیجئے چنانچہ شہزادی دریچہ میں آئی اور الہ دین کو دیکھ کر پھول کی طرح کھل گئی۔ اسی وقت کنیز کو بھیجا اور سمجھا دیا کہ چور دروازے سے اندر لانا۔ یہاں کئی غلام افریقی بھی ہیں۔ اگر انہوں نے دیکھ لیا اور اس مردود افریقی ساحر سے کہدیا تو مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ کنیز باہر آئی اور اشارے سے الہ دین کو بلایا۔ پھر دونوں چور دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ جہاں شہزادی بدر کھڑی اسکا انتظار کر رہی تھی۔ الہ دین شہزادی کو دیکھتے ہی لپٹ گیا۔ شہزادی بھی اس کے سینے سے لپٹ کر خوشی کے آنسو بہاتی رہی۔ جب جذبات جوش ختم ہوا تو الہ دین نے پوچھا کہ افریقی ساحر

نے تم سے کیا سلوک کیا۔ شہزادی بولی کہ میرے رونے دھونے کی وجہ سے وہ ابھی تک مجھ سے الگ رہا ہے
اس کا خیال تھا کہ جب کچھ دن گذر جائیں گے اور مجھے صبر آجائیگا تو میں تم سے مایوس ہو جاؤں گی لیکن میں
نے تہیا کر لیا تھا کہ اگر تم نہ آسکے اور اس بدباطن نے میری عصمت پر بری نیت سے نظر ڈالی تو دریچہ سے
کود کر اپنے آپ کو ہلاک کر لوں گی۔ لیکن خدا کا ہزار ہزار احسان ہے کہ اس نے تمہیں بھیجدیا۔ الہ دین نے
اس کو بہت تشفی دی اور کہا کہ انشاء اللہ اس مردود کا بھی انتظام کروں گا کہ آگے کوئی خطرہ باقی نہ رہے
اس کے بعد اس نے ایک غلام کا لباس منگا کر پہن کر اور خاموشی کے ساتھ محل سے باہر آیا۔ پھر اس
نے انگوٹھی کے جن کو بلایا اور کہا کہ مجھے کسی شہر میں ایسی دوکان پر لے چلو جہاں بہت تیز قسم کا زہر
مل سکے۔ جن نے الہ دین کو اٹھایا اور افریقہ کے کسی شہر کی ایک دوکان کے سامنے لاکر کھڑا کیا۔ الہ دین
دوکان میں گیا اور مطلوبہ زہر حاصل کر کے اسی جن کے ذریعہ پھر اپنے محل کے قریب آگیا اور موقع دیکھ
کر چور دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ پھر اس نے ایک تنہا کمرے میں شہزادی کو بٹھا کر سمجھا دیا کہ
آج جب وہ افریقی ساحر آئے تو تم عمدہ لباس پہن کر اس سے ملو اور اشاروں سے یہ ظاہر کرو گویا
اس پر مائل ہو گئی ہو۔ جب وہ تمہارے پاس بیٹھ کر بات چیت کرے تو کسی بہانے سے شراب کا
اشتیاق ظاہر کرو اور موقع مناسب دیکھ کر جو زہر دونگا اس کی شراب میں ملا کر اپنے ہاتھ سے اسکو
پلادو۔ مجھے امید ہے کہ اسطرح ہم ضرور کامیاب ہو جائیں گے لیکن تمہیں اسمیں پوری جرات اور
دلیری سے کام کرنا پڑیگا۔ بہت ہوشیاری سے اسکو اپنی طرف مائل کرنا آگے کا کام کچھ مشکل نہیں کیونکہ
امید وصال میں وہ خبیث ہر احتیاط بھول جائے گا۔ الہ دین نے ساری تجویز شہزادی کو بتا کر زہر کی
شیشی حوالہ کی جو وہ لایا تھا۔ شہزادی نے وعدہ کیا کہ یہ سب کام میں کرونگی۔ تمہارے آجانے سے
میرے دل کو اتنی قوت حاصل ہو گئی ہے کہ اب مجھے کوئی ضرورت نہیں اسلئے الہ دین کو بہت احتیاط
سے چھپا دیا اور خود غسل کر کے بہترین لباس زیب تن کیا۔ مختلف قسم کی خوشبوئیں لگائیں اور ضروری
زیورات آراستہ کئے اور بالکل عروس نو بن کر تیار ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد افریقی ساحر آیا اور سیدھا شہزادی
کے پاس پہنچا۔ لیکن آج اس کی سجاوٹ دیکھ کر بیقرار ہو گیا اور دل میں فیصلہ کر لیا کہ چاہے کچھ ہو۔ آج
تو اس عروس دل بہار کا وصال ضرور حاصل کرنا چاہیئے۔ شہزادی نے جیسے ہی اسکو دیکھا تعظیم کے لئے
اٹھی اور ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ اسکے بعد بڑے ناز و انداز سے کہنے لگی کہ میں اپنے اعزہ کے
رنج و غم میں بہت ہی بدحواس ہو رہی تھی۔ اس لئے آپ کی عنایات کا شکریہ تک بھی ادا نہ کر سکی
آج میں نے تنہائی میں غور کیا تو سمجھ میں آگیا کہ اب آپ کے سوا یہاں میرا اور کون ہے ساری زندگی
آپ ہی ساتھ گذارنی ہے۔ پھر فضول رنج و ملال سے کیا حاصل۔ بہر حال اب میں آپ کی کنیز ہوں
اور امید ہے کہ آپ مجھ کو اپنے قدموں سے جدا نہیں کریں گے۔ شہزادی کی باتیں سنکر افریقی ساحر پھول
گیا۔ اور دونوں ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ شاہزادی آپ کیسی باتیں کرتی ہیں۔ آپ کا درم خریدہ غلام ہوں

اگر مجھے سرفراز فرمایئے گا تو کبھی حکم سے گردن تابی نہیں کرونگا۔ شہزادی نے لگاوٹ کے ساتھ کہا کہ میں رات کو تنہا کمرے میں بہت ڈرتی ہوں۔ افریقی ساحر بیوقوف شہزادی کا مطلب سمجھ کر بیخود ہو گیا اور کہنے لگا کہ آئندہ آپ کو تکلیف نہ ہو گی۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر رہونگا۔ بدر نے جمائی لیتے ہوئے کہا آج تو یہ جی چاہتا ہے کہ خوب شراب پیوں یہانتک کہ نشہ میں چور ہو جاؤں اور پیروں میں چلنے کی سکت نہ رہے۔ پھر کوئی گود میں اٹھا کر خوابگاہ تک پہنچادے۔ شہزادی کے میٹھے میٹھے نشتر ساحر کی رگ رگ میں اتر گئے۔ شدت جذبات سے ہاتھ پاؤں قابو میں معلوم نہیں ہوتے تھے۔ جلدی سے اٹھا کہ میں ابھی بہترین شراب لاتا ہوں۔ شہزادی نے مسکرائی آنکھوں سے دیکھ کر کہا تم جا کر کیا کروگے۔ کوئی کنیز لے آئے گی۔ پھر رُخ بدل کر بولی تمہاری منتخب کردہ شراب شاید زیادہ پرسرور ہو گی لے آؤ۔ میں اتنے میں گلاس چنتی ہوں۔ افریقی ساحر جلدی سے اٹھ کر شراب لینے گیا اور بدر نے اِدھر اُدھر دیکھ کر ایک جام میں زہر چھڑک دیا اور اطمینان سے بیٹھ گئی۔ تھوڑی سی دیر میں خبیث ساحر دو صراحیاں شراب کی لے کر آیا اور شہزادی کے سامنے رکھدیں۔ اس نے پہلے زہر والا جام بھرا اور اپنے دست نازک پر رکھکر اس کو پیش کیا کہ یہ میرا جام صحت ہے پیجئے۔ ہمارے ملک میں دستور ہے کہ پہلے عورت کا جام صحت پلایا جاتا ہے اس کے بعد آپ مجھے اپنا جام صحت دیجئے۔ افریقی ساحر اس کا تکلف دیکھ کر بہت خوش ہوا اور جام لیکر بے اندیشہ پی گیا۔ الہ دین ایسا قاتل زہر لایا تھا کہ ابھی اس بدنصیب نے جام بھی اچھی طرح نہیں رکھا تھا کہ پیچھے کو گر گیا۔ صرف دو یا تین ہچکیاں آئیں اور ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ الہ دین دوسرے کمرے میں ساری کارروائی دیکھ دیکھ کر عش عش کر رہا تھا۔ جو افریقی ساحر نے دم توڑا۔ وہ جلدی سے باہر آیا۔ اور بدر کو چھاتی سے لگا کر کئی بار چوما اور پھر کہنے لگا کہ آج تم نے کمال کر دیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم اسقدر باکمال دانا نکلو گی۔ اس کے بعد اس نے افریقی ساحر کی جیبیں ٹٹول کر چراغ نکال لیا اور شہزادی سے کہا کہ تم دوسرے کمرے میں چلی جاؤ۔ میں چلنے کا انتظام کرتا ہوں۔ شاہزادی باہر چلی گئی تو الہ دین نے کواڑ بند کر لئے۔ پھر چراغ کو رگڑا۔ اسی وقت جن حاضر ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ یہ محل اسی جگہ لیجا کر رکھدو جہاں تم نے اسکو اول مرتبہ تعمیر کیا تھا۔ یہ حکم سنکر جن غائب ہو گیا۔ ذرا سی دیر میں قصر پیکن شہر میں اسی جگہ قائم ہو گیا۔ جہاں بنا تھا۔ الہ دین کمرے سے باہر نکل کر شہزادی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم اپنے وطن میں آ گئے ہیں۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر دریچہ کے پاس لے گیا اور کواڑ کھول دیئے تو سامنے سے حسب سابق شاہ چین کے محلات تھے۔ شہزادی اپنے باپ کا محل دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اور یہ طے پایا کہ کل دن میں سب سے ملاقات کریں گے۔ پھر دونوں عاشق و معشوق سونے کے کمرے میں چلے گئے اور وہ شراب ناب جو بدنصیب افریقی ساحر اپنے لئے لایا تھا ان دونوں نے سیر ہو کر پی۔ اور ایک دوسرے کے گلے لپٹ کر آرام سے سو گئے۔ بادشاہ چین بیٹی کے غائب ہونے کے باعث اکثر مغموم و بیچین رہتا تھا۔ روز آنہ بیدار ہوتے ہی جہاں الہ دین کا محل تھا اس طرف حسرت سے دیکھتا

حسب معمول اس روز جب صبح کو بیدار ہو کر شاہ چین نے کھڑکی کی طرف دیکھا تو وہ حیران رہ گیا کہ محل اپنی جگہ پر موجود ہے۔ حالت اضطراب میں بادشاہ الہ دین کے محل کی طرف روانہ ہوا کہ دیکھوں شہزادی بدر آگئی یا نہیں۔ الہ دین نے جب بادشاہ کو آتے ہوئے دیکھا تو کھڑے ہو کر آداب شاہی بجالایا اور اس کو شہزادی کے کمرے میں لے گیا۔ شاہ چین اپنی بیٹی سے ملکر بہت خوش ہوا اور محل غائب ہونے کی وجہ پوچھی۔ بیٹی نے جواب دیا کہ اباجان اسمیں الہ دین کا کوئی قصور نہیں۔ یہ سب کچھ مصیبت میری اپنی غلطی کی وجہ سے پیش آئی۔ بادشاہ یہ سنکر الہ دین کی طرف متوجہ ہوا اور اس کو سینہ سے لگاکر گذشتہ زیادتی کی معافی چاہی۔ الہ دین نے کہا کہ آپ میرے بزرگ اور والد کی جگہ ہیں۔ اگر کسی وجہ سے مجھ پر ناراض ہوئے تو اس میں کیا اہمیت ہے۔ اکثر بڑے چھوٹوں کو ان کی غلطیوں پر تنبیہ کرتے ہیں بادشاہ بیٹی اور داماد کے آجانے سے بیحد مسرور ہوا اور دونوں کو دعائے درازی عمر دے کر شہزادی کیساتھ اپنے محل میں واپس آیا اور شہر میں جشن مسرت کے انعقاد کا اعلان کرادیا اور الہ دین نے بھی جی کھولکر غربا کو زر و مال لٹایا۔ عوام جو پہلے ہی اسکو محبوب رکھتے تھے اور بھی زیادہ گرویدہ و شیدا ہو گئے۔ اسکے بعد الہ دین نے عیش و عشرت کی زندگی گذارنی شروع کر دی۔ اسکا دست کھلا ہوا تھا۔ عوام اسکی دولت سے مستفید ہو رہے تھے۔ افریقی ساحر کا ایک بھائی اور بھی تھا۔ ایک روز اس کو اپنے بھائی سے ملنے اور حال معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا اس نے اپنے بھائی کا زائچہ کھینچ کر حالات معلوم کئے تو یہ دیکھ کر کہ اسکو الہ دین نامی شخص نے زہر سے ہلاک کر دیا ہے اپنا سر پیٹ لیا۔ اور اسی وقت اسکا انتقام لینے کے لئے چین کو روانہ ہو گیا۔ اور ایک مدت تک سفر کر کے بیکن پہنچا۔ یہاں آکر اس نے ایک سرائے میں قیام کیا اور خفیہ طور پر الہ دین کی نگرانی کرنے لگا۔ تاکہ موقع ملنے پر وہ اس سے انتقام لے سکے۔ ایک دن وہ قہوہ خانہ میں بیٹھا ہوا چائے پی رہا تھا کہ لوگوں سے فاطمہ نامی ایک نیک و خدا رسیدہ عورت کا ذکر سنا۔ جس کے متعلق مشہور تھا کہ صرف ہاتھ لگا کر درد سر دور کر دیتی ہے۔ افریقی ساحر نے اسیوقت ایک تجویز مرتب کرلی اور قہوہ خانے سے اٹھ کر کاروان سرائے چلا آیا۔ کچھ رات گئے اپنے کپڑوں میں خنجر چھپاکر فاطمہ کے مکان پر پہونچا اور آواز دے کر دروازہ کھلوایا۔

وہ نیک بی بی غیر وقت ایک اجنبی کو دیکھ کر بہت متعجب ہوئی لیکن ساحر نے یہ کہکر مطمئن کر دیا کہ اماں میں سر کے درد کی وجہ سے بے چین ہوں۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ آپ صرف ہاتھ لگاکر درد سر اچھا کر دیتی ہیں اسلئے اپنا علاج کرانے آیا ہوں۔ میں ایک مسافر ہوں۔ وہ کوئی جواب دیتی اس سے پیشتر ہی ساحر دروازہ پر داخل ہو گیا۔ فاطمہ نے تکلیف زدہ مسافر سمجھ کر کوئی تعرض نہیں کی۔ اندر آکر کہنے لگی کہ تم بیٹھو میں کوشش کرتی ہوں۔ شفا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ساحر نے یہ اطمینان کر کے کہ گھر میں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے غریب فاطمہ کی گردن پکڑ کر اسقدر دبائی کہ وہ بیہوش ہو گئی اسکے بعد خنجر سے اسکو شہید کر دیا۔ جب رات گہری ہو گئی تو اس کی لاش ایک چادر میں لپیٹ کر دریا میں ڈال آیا۔

اور خود بزرگ فاطمہ کا لباس پہنکر اسکی صورت بن کر بیٹھ گیا۔
فاطمہ عادتاً گھر سے نہیں نکلتی تھی۔ لیکن اگر کبھی باہر آتی تو لوگ اسکو چاروں طرف سے گھیر لیتے اور دست بوسی کر کے برکت حاصل کرنا اپنی خوش بختی سمجھتے تھے۔ دوسرے روز ساحر فاطمہ کی صورت میں لکڑی لیکر آہستہ آہستہ الہ دین کے محل کی طرف روانہ ہوا۔ محل کے قریب آکر مردوں عورتوں نے اسکو گھیر لیا اور دست بوسی و قدم بوسی کرنے لگے۔ اتفاقاً شہزادی بدر بھی کھڑکی میں کھڑی ہوئی سیر کر رہی تھی۔ اس نے جو فاطمہ اور لوگوں کو دیکھا تو خیال آیا کہ ایسی خدا رسیدہ عورت کو چند روز اپنے یہاں رکھا جائے تو بڑی خیر و برکت کا باعث ہوگا۔ چنانچہ اس نے اپنی کنیزوں کو بھیجا۔ کہ اماں فاطمہ سے عرض کرو۔ اگر میرے غریب خانہ کو اپنے قدم میمنت لزوم سے سرفراز فرمائیں تو عین عنایت ہوگی۔
کنیزوں نے آکر جعلی فاطمہ سے شہزادی کی خواہش ظاہر کی وہ کمبخت تو اسی تاک میں یہانتک آیا تھا کہ کسی طرح الہ دین کے محل تک رسائی ہو جاوے تو موقع پاکر اس سے اپنے بھائی کا انتقام لوں۔ چنانچہ دعا دے کر کہا کہ میں ان کے یہاں ضرور چلوں گی۔ ان کا شوہر اور وہ خود بہت نیک بخت ہیں لاکھوں آدمی اُنکے فیض سے پرورش پا رہے ہیں۔ ان کے پاس جانا میری عین سعادت ہے۔ لوگ چونکہ الہ دین سے والہانہ محبت کرتے تھے اسلئے فوراً اماں فاطمہ کو راستہ دیدیا اور وہ مردود ساحر نیک فاطمہ کے بھیس میں لکڑی ٹیکتا ہوا الہ دین کے محل میں آیا۔ اندر شہزادی بدر نے استقبال کیا اور اسکے ہاتھ چوم کر عزت سے صدر مقام

جعلی فاطمہ شہزادی بدر کے پاس
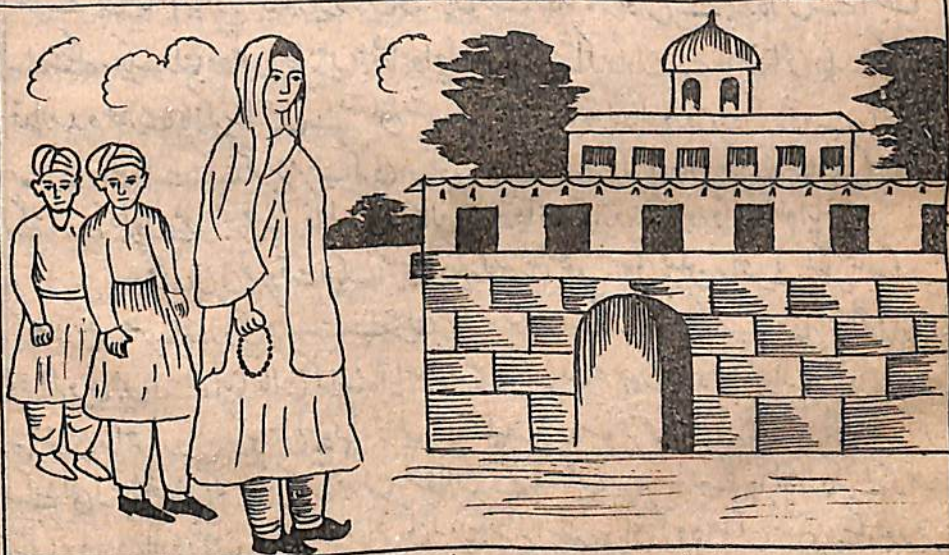
پر بٹھایا۔ پھر شہزادی نے عرض کیا کہ مدت سے آپ کے دیدار کی تمنا تھی۔ آج وہ تمنا خوش قسمتی سے پوری ہوگئی

میں چاہتی ہوں کہ آپ چند روز میرے یہاں قیام فرمائیں۔ جعلی فاطمہ نے پہلے دنیا کی بے ثباتی پر تقریر کی اپنی عبادت تنہاییوں کا ذکر کر کے کہا کہ بیٹی کسی کونے میں سب سے الگ میرے لئے ایک چارپائی ڈلوا دو میں تیری دل شکنی نہیں کر سکتی۔ شہزادی نے اس کو تمام محل دکھلایا۔ ساحر نے بہت احتیاط سے الہ دین کی خوابگاہ کے قریب کا کمرہ پسند کیا اور کل سامان آرائش ہٹوا کر صرف ایک بوریا بچھوا لیا اور اسمیں رہائش اختیار کر لی تمام دن جعلی فاطمہ شہزادی سے باتیں کرتی رہی۔ اور جب الہ دین کے آنے کا وقت ہوتا تو کمرے میں جا کر عبادت میں مشغول ہو جاتی۔ اسی طرح دو تین روز گذر گئے۔ جعلی فاطمہ نے شہزادی سے ایسی گھل مل کر گفتگو کی کہ وہ پروانہ وار نثار رہنے لگی۔ ایک روز الہ دین شکار کو گیا ہوا تھا اور جعلی فاطمہ شہزادی کے محل میں سیر کر رہی تھی۔ بارہ دری میں آ کر فاطمہ نے شہزادی بدر سے کہا کہ آپکا محل نہایت بے نظیر ہے لیکن اسمیں ایک کمی ہے۔ بدر نے پوچھا وہ کیا۔ جعلی فاطمہ نے کہا کہ اگر اس بارہ دری میں رُخ کا انڈا لٹکا دیا جاوے تو اس کے حسن و زیبائش میں سوگنا اضافہ ہو جائے۔ بدر نے تعجب سے پوچھا رُخ کا انڈا کیسا ہوتا ہے۔ خبیث بڑھیا نے کہا کہ وہ صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ آکاس پہاڑ پر ایک جانور رُخ ہوتا ہے۔ اس کا انڈا ہے۔ جن لوگوں نے یہ محل تیار کیا ہے وہ اسکو جانتے ہیں۔ اور وہ ہی لا سکتے ہیں اسکے بعد جعلی فاطمہ نے بات کا رُخ پھیر دیا۔ اور دوسری بات شروع ہو گئی۔ شام کو جب الہ دین آیا تو شہزادی بدر نے تنہائی میں اس سے کہا کہ ہمارے محل میں سب چیزیں ہیں لیکن رُخ کا انڈا نہیں ہے کاش وہ اور مل جاتا تو پھر اس کا نظیر پردۂ دنیا پر نہ ملتا۔ لیکن سنا ہے کہ وہ بہت مشکل سے ملتا ہے۔ الہ دین نے ہنس کر کہا کہ تم بالکل بھی فکر نہ کرو۔ میں انتظام کر دونگا۔ اسکے بعد شہزادی کسی ضرورت سے باہر چلی گئی۔ الہ دین نے فوراً دروازہ بند کر کے چراغ کو رگڑا۔ جن حاضر ہو گیا۔ الہ دین نے اس سے کہا کہ آج شاہزادی سے کسی نے کہا ہے کہ جبتک اس محل میں رُخ کا انڈا نہ ہو یہ محل نامکمل ہے۔ تم ایک رُخ کا انڈا ہمیں لا کر دو۔ یہ سنتے ہی جن کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ اور شکل اتنی ہیبت ناک ہو گئی کہ الہ دین خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔ اسکے بعد جن نے کہا کہ میں اتنی مدت سے خدمت کر رہا ہوں۔ آج تک تعمیل حکم میں ایک ثانیہ کی دیر بھی نہیں کی۔ کیا اسکا یہ صلہ ہے کہ تم مجھ سے میرے معبود کا انڈا مانگتے ہو۔ میں قسم کھاتا ہوں رُخ اعظم کی اگر یہ تمہاری فرمائش ہوتی تو میں تم کو تمہارے متعلقین سمیت ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ تمہیں دھوکہ دیا گیا ہے۔ تم اپنے افریقی ساحر کو تو نہ بھولے ہو گے۔ اس کا ایک بھائی اور تھا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ تم نے اس کے بھائی کو مار ڈالا ہے تو وہ انتقام لینے کی قسم کھا کر وہاں سے چلا اور آج کل اصلی نیک فاطمہ کو قتل کر کے اس کے بھیس میں تمہارے محل میں مقیم ہے اور اس فکر میں ہے کہ تمہیں قتل کر دے۔ اس بدبخت نے تمہاری بیوی کو یہ اشتیاق دلایا تھا کہ وہ تم سے ایسی چیز کا مطالبہ کرے کہ جب تم مجھ سے اس کے متعلق کہو تو میں غصہ میں تم سب کو برباد کر دوں۔ لیکن چونکہ تم نے آج تک میرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے۔ اس لئے تمہارا سوال سنکر میں

نے تامل کیا تو اصلی حالات معلوم ہو گئے۔ ورنہ بالکل ممکن تھا کہ سوال سنتے ہی میں تم کو قتل کر دیتا۔ اب میں جاتا ہوں آئندہ احتیاط رکھنا۔ جن چلا گیا تو الہ دین نے خدا کا شکر ادا کیا جس نے اسے اس وقت بچایا۔ پھر اس نے شہزادی کو بلایا اور پوچھا کہ کیا اماں فاطمہ تمہارے پاس ہے۔ بدر نے کہا ہاں وہ کئی روز سے میرے پاس ٹھہری ہوئی ہیں۔ رات کو کھانے کے بعد اس نے بدر سے کہا کہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ ذرا اماں فاطمہ کو بلاؤ۔ وہ ہاتھ رکھ دیں۔ شہزادی نے جعلی فاطمہ کو بلایا اور کہا کہ اماں ان کے سر میں درد ہے۔ آپ اپنا دست شفا پھیر دیجیے۔ بد باطن ساحر نے سوچا کہ بس یہی موقع ہے آج خنجر الہ دین کے سینے میں اتار دینا چاہیے۔ چنانچہ وہ زبان سے کچھ پڑھتا ہوا اور ہاتھ میں خنجر کو مضبوط تھام کر الہ دین کے قریب آیا۔ ادھر یہ بھی تیار بیٹھا تھا۔ جیسے ہی جعلی فاطمہ آئی الہ دین نے تلوار کا ایک جچا ہوا ہاتھ مارا جس سے ساحر کا بھنڈا را کھل گیا۔ اور وہ لڑکھڑا کر گر گیا۔

شہزادی حیران رہ گئی کہ الہ دین نے اس غریب بڑھیا کو کیوں قتل کر دیا۔ چنانچہ اس نے الہ دین سے پوچھا کہ آپ نے کیا کیا۔ اس نیک عورت نے آپکا کیا لیا تھا۔ الہ دین نے مقتول کا لباس الگ کر کے شہزادی کو دکھایا تو وہ چونک پڑی۔ کیونکہ وہ جس کو فاطمہ سمجھے ہوئے تھی۔ وہ ایک مرد تھا۔ پھر الہ دین نے اسکو بتایا کہ یہ اسی افریقی ساحر کا بھائی ہے جو دھوکے سے چراغ حاصل کر کے اس کے بھیس میں تم تک رسائی حاصل کی تھی تاکہ موقع ملتے تو مجھے قتل کر دے۔ مجھے چراغ کے موکل نے آج ہی سارا حال بتایا

الہ دین کا ساحر کو قتل کرنا

تھا شاہزادی نے خدا کا شکر ادا کیا اور اس بدبخت کی لاش باہر پھینکوا دی۔ جب بادشاہ کو کل حالات معلوم ہوئے تو اس نے بھی خدا کا شکر ادا کیا۔ اور صدقات دینے کا حکم دیا۔ اس کے بعد الہ دین نے اپنی بقیہ زندگی امن و چین سے بسر کی۔ چین کے بادشاہ کی وفات کے بعد وہ ہی تخت حکومت پر بیٹھا اور پورے عدل و انصاف سے حکومت کر کے اپنی طبعی موت مرا۔

جس وقت شہرزاد نے یہ کہانی ختم کی تو دنیازاد اور بادشاہ دونوں نے بہت تعریف کی اور شہرزاد نے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ کل میں ایک اور کہانی شروع کروں گی۔ بادشاہ نے اس روز بھی اس کے قتل کا حکم نہیں دیا اور منتظر رہا کہ دیکھیں نئی کہانی کیسی سناتی ہے۔

جلد سوم ختم ہوئی

الف لیلہ جلد چہارم

عبداللہ نابینا اور خلیفہ ہارون الرشید کا قصہ

دوسری شب کو شہرزاد نے بدستور کہانی شروع کی

ایک روز خلیفہ ہارون الرشید کی طبیعت اداس تھی۔ اور وہ خود بخود گہرے خیالات میں اُلجھا ہوا تھا کہ خواجہ سرائے نے جعفر کے حاضر ہونے کی اطلاع کی۔ خلیفہ نے سر کے اشارے سے اجازت دیدی جعفر اندر آیا اور معمول کے مطابق سلام کیا۔ لیکن ہارون الرشید نے صرف گردن اٹھا کر اسکی طرف دیکھا اور پھر اپنے خیالات میں غرق ہو گیا۔ جعفر نے عرض کیا کہ آج نصیب اعدا طبیعت کیسی ہے۔ خلیفہ نے ایک آہ سرد بھر کر کہا کہ جعفر! بعض اوقات میرے خیالات کی رو ایسے دور دراز قصوں تک چلی جاتی ہے کہ پریشان ہو جاتا ہوں۔ یہ تخت خلافت امارت سب ہیچ معلوم ہونے لگتا ہے۔ اور میں دل برداشتہ ہو کر یہ چاہنے لگتا ہوں کہ کہیں ایسی جگہ نکل جاؤں جہاں روح کو سکون حاصل ہو جاوے گو مجھ کو خود بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ سکون کس چیز سے ملیگا۔ جعفر نے کہا۔ یہ ہماری فطرت کا تقاضا ہے کہ ہمیں بعض اوقات لامعلوم کی تلاش ہوا کرتی ہے۔ لیکن میں آج فلسفہ کی گفتگو کے بجائے یہ یاد دہانی کرانے آیا ہوں۔ کہ آج آپ نے لباس تبدیل کر کے مضافات شہر کی حالت دیکھنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ میرے خیال میں اگر آپ تشریف لے چلیں تو طبیعت بہل جائے گی۔ خلیفہ نے کہا ٹھیک ہے چلو۔ چنانچہ اسی وقت مسرور خواجہ سرا کو طلب کر کے خلیفہ نے لباس تبدیل کیا اور تینوں چور راستہ سے نکلکر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ پھرتے پھرتے انہیں راستہ میں ایک گداگر ملا جو نابینا تھا۔ اس نے خدا کے نام پر سوال کیا۔ خلیفہ نے ایک دینار دے دیا۔ گداگر نے دامن پکڑ کر کہا کہ اب میرے منہ پر ایک چپت بھی مارتے جاؤ۔ خلیفہ نے تعجب سے پوچھا کیوں۔ اندھا فقیر کہنے لگا۔ بابا کوئی توجہ ضرور ہو گی۔ اگر تمہیں خیرات دینی ہے تو چپت بھی مار دو۔ ورنہ یہ اپنا دینار واپس لے لو۔ بادشاہ نے ایک ہلکا سا چپت مار دیا۔ اور مسرور سے کہا۔ صبح کو اسے دربار میں حاضر کرنا۔ مسرور نے فقیر سے اس کا پتہ دریافت کر لیا۔ اس کے بعد آگے روانہ ہوئے۔ تھوڑی دور چل کر دیکھا کہ ایک نوجوان گھوڑی سوار ہے اور اس کو بے تحاشا میدان میں دوڑا رہا ہے۔ اور بے ضرورت مارتا بھی جا رہا ہے اور کہتا جا رہا ہے کہ۔

بدنصیب اپنی بداعمالیوں کی سزا دیکھ۔ خلیفہ نے جعفر سے کہا کہ اس کو بھی کل دربار میں حاضر کرو اس زیادتی کی وجہ دریافت کی جائے گی۔ جعفر نے اس نوجوان کو اشارے سے ٹھہرایا اور بتایا کہ تمہیں کل خلیفہ نے دربار میں طلب کیا ہے۔ اگر تعمیل حکم سے گریز کیا تو نتیجہ کے ذمہ دار تم ہوگے۔ پھر وہاں سے دوسری طرف روانہ ہوئے اور گھومتے ہوئے ایک عالیشان مکان کے سامنے کھڑے ہو کر خلیفہ نے کہا کہ دریافت کرو کہ کس کا مکان ہے اور مالک کے متعلق اہل محلہ کی کیا رائے ہے۔ مسرور نے چند لوگوں سے حالات معلوم کر کے عرض کیا کہ یہ مکان حسن خبال کا ہے۔ چند سال پہلے وہ بہت غریب آدمی تھا اور رسیاں بانٹ کر اپنی گذر اوقات کرتا تھا۔ اسکے بعد دفعتاً مالدار ہوگیا اور یہ محل تعمیر کرایا۔ ابتک اس کے یہاں رسّی بنانے کا کام ہوتا ہے۔ اہل محلہ کے ساتھ صلہ رحمی کے ساتھ پیش آتا ہے ان کے دکھ درد کا شریک ہے۔ غریب بیواؤں کی امداد کرتا ہے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ صبح کو اسے بھی دربار میں حاضر کیا جائے۔

اب رات کافی جا چکی تھی اس لئے سب محل سرائے کو واپس ہوئے۔ خلیفہ نے بھی آرام فرمایا صبح کو حسب معمول ہارون الرشید کی طبیعت بشاش تھی۔ امور ملکی ومالی سے فراغت کے بعد جب صرف خاص آدمی رہ گئے تو اس نے رات والے آدمیوں کو طلب کیا۔ جعفر نے تینوں کو بلا کر بٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ خلیفہ کے سامنے پیش کر دیئے گئے۔ سب سے پہلے خلیفہ نے اندھے فقیر سے پوچھا کہ تم خیرات لیکر چپت مارنے پر کیوں اصرار کرتے ہو۔ حالات صحیح بیان کرنا۔ ورنہ تمہیں قتل کرادوں گا۔ اندھا آگے بڑھا اور دعائے درازی اقبال دے کر کہنے لگا۔

اندھے فقیر کے حالات

حضور میرا نام عبداللہ ہے اور میں یہیں بغداد کا رہنے والا ہوں باپ کے مرنے کے بعد بری صحبت میں پڑ کر میں نے اپنا کل اثاثہ برباد کر دیا۔ جب تنگی زیادہ ہوئی تو میں نے اپنی بیوی کے مشورہ سے دو اونٹ خرید کر بار برداری کا کام شروع کر دیا۔ خدا نے بھی کرم فرمایا اور مجھے اس میں معقول منافع ہونے لگا۔ یہاں تک کہ میرے پاس سو اونٹ ہو گئے اور میں کافی آسودگی سے زندگی بسر کرنے لگا خوب آرام سے زندگی گذرتی رہی۔

ایک روز میں کسی سوداگر کا مال بصرے پہنچا کر بغداد واپس آرہا تھا۔ گرمی کی شدت سے پریشان ہو کر ایک درخت کے نیچے دم لینے کو لیٹ گیا اور اونٹوں کو بھی رسّی سے باندھ کر پینے کھانے کے لئے چھوڑ دیا۔ مجھے بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ ایک درویش ادھر سے گذرا۔ اور مجھے بیٹھا ہوا دیکھ کر خود بھی میرے پاس چلا آیا۔ سلام و دعا کے بعد ہم باتیں کرنے لگے۔ پھر کھانا کھایا۔ اسی اثنا میں درویش کہنے لگا کہ یہاں سے قریب ہی ایک اتنا بڑا خزانہ ہے کہ اگر تم اپنے سارے اونٹ بار کرلو پھر بھی اس میں کوئی کمی نظر نہ آئے۔ میں نے کہا کہ اگر آپ مجھے خزانہ تک لے چلیں تو میں بھی

زر وجواہر بھرلوں اور آپ کو بھی ایک اونٹ دیدونگا۔ درویش نے کہا کہ اگر تم آدھے اونٹ مجھے دیدو تو میں بیشک تمہیں وہ خزانہ بتا سکتا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ اس وقت اسّی اونٹ تیرے ساتھ ہیں چالیس اونٹوں پر لدا ہوا سیم وزر تیری سات پشت تک کو کافی ہوگا۔ یہ سوچ کر میں نے اُسے آدھے اونٹ دینے منظور کئے۔ اس درویش نے کہا۔ اپنے اونٹ جمع کرلو۔ اور میرے ساتھ چلو۔ میں نے اپنے اونٹوں کی مہار پکڑی اور درویش کے ساتھ ہولیا۔

آگے آگے درویش اور اس کے پیچھے اونٹوں کو لئے ہوئے میں ایک درّے کے قریب آئے۔ یہ بہت تنگ راستہ تھا اور ایک ایک کی قطار میں نکل سکتے تھے۔ اسمیں ہمیں کافی وقت لگا۔ درّے سے نکل کر ہمیں ایک میدان ملا۔ جو چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا تھا۔ یہاں پہونچکر درویش نے کہا۔ کہ اپنے اونٹوں کو بٹھادو۔ میں نے اونٹ بٹھا دیئے۔ اتنے میں درویش نے چند لکڑیاں جمع کرکے آگ جلائی۔ اور کچھ منتر پڑھنا شروع کیا۔ دفعتاً کچھ زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہوئی اور زمین پھٹ کر ایک خوشنما دروازہ نمودار ہوگیا۔ اس کے بعد میں اور درویش اندر آگئے تو دیکھا اسمیں لاتعداد زر و جواہر اور سونے کے انبار تھے۔ میں نے مال اونٹوں پر لادنا شروع کیا اور جتنا زیادہ سے زیادہ اونٹ بوجھ اٹھا سکتا تھا میں نے بھرلیا۔ درویش نے وہیں سے ایک ڈبیہ اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لی پھر ہم باہر نکل آئے۔ درویش نے کچھ پڑھا اور دروازہ اسی طرح غائب ہوکر زمین ہموار ہوگئی۔ ہم اونٹوں کو لیکر چلے اور درّے سے نکل کر شاہراہ پر آگئے۔ میں نے چالیس اونٹ درویش کے حوالے کئے اور چالیس اونٹ خود لیکر چلدیا۔ چند قدم چل کر میرے دل میں لالچ آیا کہ چالیس اونٹ خزانہ سے بھرے ہوئے یہ درویش کیا کریگا۔ چنانچہ واپس لوٹ کر میں نے اس سے کہا کہ آپ اتنے اونٹوں کو کہاں لئے پھریں گے۔ اس میں سے کچھ اونٹ مجھے اور دیدیجئے۔ درویش نے دس اونٹ میرے حوالے کردیئے اور باقی تیس اونٹ لیکر چلنے لگا۔ میری طبیعت میں پھر لالچ پیدا ہوا۔ میں نے اس سے کہا آپ درویش ہیں۔ آپ کو سیم وزر کی ضرورت ہے۔ آپ کچھ اونٹ اور چھوڑ دیجئے۔ اس نے دس اونٹ پھر مجھے چھوڑ دیئے۔ غرض میرا لالچ بڑھتا رہا۔ میں درویش سے اونٹ مانگتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے سب اونٹ میرے حوالے کردیئے اور خالی ہاتھ جانے لگا۔ تو مجھے واپس آتے ہی خیال آیا اس نے بغیر کسی پس وپیش کے سارے اونٹ میرے حوالے کردیئے کوئی حیل وحجت نہیں کی جواب اس کے پاس ایک چاندی کی ڈبیہ رہ گئی ہے ضرور اس میں کوئی اب قیمتی الماس یا مروارید ہوگا جو اس سارے خزانے سے بھی زیادہ قیمتی ہوگا۔ اس لئے وہ بھی مجھے لے لینا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے درویش سے ڈبیہ مانگ لی۔ وہ کہنے لگا کہ یا ظالم نے سارا زر وجواہر لے لیا۔ میں نے انکار نہیں کیا۔ صرف ایک ڈبیہ میرے پاس رہ گئی ہے۔ لیکن حرص کے بس میں ہو کر تم وہ بھی مانگتے ہو۔ یہ اچھا نہیں۔ لیکن مجھ پر لالچ کا بھوت سوار تھا۔ میں نے کہا کہ ڈبیہ میں ضرور لوں گا۔ اگر آپ نہیں دیں گے تو مجھے سختی کرنی پڑے گی

درویش نے وہ ڈبیہ نکال کر میرے حوالے کی اور کہنے لگا کہ اس میں ایک سرمہ ہے اگر داہنی آنکھ میں لگاؤ گے تو روئے زمین کے خزانے نظر آنے لگیں گے اور اگر دوسری آنکھ میں بھی لگایا تو اندھے ہو جاؤ گے۔ میں نے کہا اچھا تم پہلے میری دائیں آنکھ میں سرمہ لگا کر دکھاؤ۔ درویش نے ڈبیہ کھولی اور ایک سلائی سرمے کی میری دائیں آنکھ میں لگادی۔ اس وقت مجھے کل خزانے نظر آنے لگے۔ میری خوشی کا یہ عالم تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا بائیں آنکھ میں سرمہ لگانے سے اور بھی عجائبات نظر آتے ہوں گے۔ اور یہ درویش مجھ سے جھوٹ بولتا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ تم میری بائیں آنکھ میں بھی سرمہ لگا دو۔ درویش نے کہا تم دیوانے ہو گئے ہو جو جان بوجھ کر اندھے ہونا چاہتے ہو۔ لیکن میں حرص کے ہاتھوں مجبور تھا اس سے کہنے لگا کہ تمہیں اس سے کیا جو میں کہتا ہوں کر دو۔ درویش نے بہت منع کیا۔ لیکن میں نہ مانا۔ آخر اس نے سلائی بھری اور کہنے لگا کہ دیکھو مجھ پر کوئی الزام نہیں میں نے کہا بالکل نہیں۔ چنانچہ درویش نے وہ سلائی میری بائیں آنکھ میں لگادی اور میں اسی وقت اندھا ہو گیا۔

جس وقت میری بینائی جاتی رہی۔ میں دہاڑیں مار کر رونے لگا اور درویش کے آگے ہاتھ جوڑے کہ تم یہ سرمہ اور سارا مال و زر لے لو لیکن کسی طرح میری آنکھیں اچھی کر دو۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہا۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ بابا تمہاری بینائی واپس لانا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ میں نے تمہیں منع کیا۔ لیکن تم نہیں مانے۔ اب جاؤ اور زندگی بھر دھکے کھاتے پھرو۔ اب تمہارا صرف یہ کام ہے کہ بھیک مانگ لو اور پیٹ بھر لو۔ اس کے بعد اس نے ڈبیہ میرے ہاتھ سے لے لی۔ اور اونٹوں کی مہار تھام کر چلدیا۔ میں کئی دن پہاڑوں میں دھکے کھاتا رہا۔ پھر خدا جانے کس طرح رہ گذر پر آیا۔ وہاں سے کوئی قافلہ گذر رہا تھا وہ مجھے اپنے ساتھ لے آیا۔ اس روز سے میں بھیک مانگتا پھرتا ہوں۔ اگر کوئی مجھے خدا کے نام پر کچھ دیتا ہے تو اس سے کہتا ہوں کہ میرے ایک تھپیڑ یا جوتا بھی مار دے اور اس طرح میں اپنے اس لالچ کی سزا دیتا ہوں۔ جس کے نتیجے میں اس حال کو پہونچا۔

خلیفہ نے اس کا قصہ سن کر کہا کہ بے شک تمہاری داستان عجیب ہے۔ خیر آئندہ تم بھیک نہ مانگا کرو۔ بیت المال سے تم کو اتنا مل جایا کرے گا کہ تمہاری گذر ہو جائے۔ بابا عبداللہ خلیفہ کا شکریہ ادا کر کے ادب سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

اس کے بعد خلیفہ نے گھوڑے والے کو بلایا۔ اور پوچھا۔ کہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے تم ہمیشہ گھوڑی پر ظالمانہ سلوک کرتے ہو۔ اس اس قسم کے فقرے استعمال کرتے ہو گویا وہ خری فہم اس کی وجوہ بیان کرو نوجوان سر جھکا کر خاموش ہو گیا اور اس نے کوئی جواب نہیں دیا خلیفہ نے دوبارہ سوال کیا۔ اور فرمایا کہ اگر تم نے اب بھی جواب نہیں دیا تو اپنی گستاخی کی سزا بھگتنے کے لئے تیار رہنا۔ سوار نے سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھا اور ہاتھ باندھ کر بولا کہ حضو میری رسوائی کی داستان سر عام ہی سننا چاہتے ہیں تو خیر جیسا حکم ہو گا تعمیل کروں گا۔

لقمان سوار کا حال

نوجوان نے کہنا شروع کیا۔ کہ میرا نام لقمان ہے اور میں ایک کھاتے پیتے گھر کا لڑکا ہوں میرے والد کا بہت بڑا کاروبار تھا اپنی حیثیت اور ہمت کے مطابق انھوں نے میری تعلیم و تربیت کا بھی انتظام کر دیا تھا جب میں تعلیم سے فارغ ہوا۔ اور والد شادی کی تیاری کر رہے تھے کہ ایک وبائی بیماری میں میری والدہ اور وہ خود انتقال فرما گئے اور میں گھر میں تنہا رہ گیا۔ بہت روز تک مجھے بڑی وحشت رہی لیکن آخر کار صبر آ گیا اور میں اپنے کاروبار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سال ڈیڑھ سال کے بعد مجھے اپنی تنہائی اور گھر کے خالی پن کا احساس ہوا۔ اور اس میں اتنی شدت ہوئی کہ مجبوراً میں نے شادی کا فیصلہ کر لیا۔ ملنے جلنے والوں کے ذریعہ کوشش کراتا رہا۔ اور خود بھی تلاش کرتا رہا۔ انہی دنوں بغداد میں ایک گھر کہیں باہر سے آکر آباد ہوا تھا۔ اس میں ایک نہایت حسین لڑکی تھی۔ جو مجھے بہت پسند آئی میں نے پیغام رشتہ بھیج دیا۔ دو چار پھیروں کے بعد میرا نکاح ہو گیا۔ میں خوش تھا کہ امید سے بڑھ کر خوبرو اور حسین عورت مجھے مل گئی۔ شروع شروع میں تو میں نے کچھ محسوس نہیں کیا۔ لیکن چند روز بعد مجھے معلوم ہوا کہ میری بیوی "امین" کھانا نہیں کھاتی۔ صرف کھانا کھانے کا نام کرتی ہے۔ میں نے غور کر کے دیکھا کہ اس کی دن بھر کی غذا بمشکل اتنی ہو گی۔ جتنی عموماً تین چار سال کا بچہ ایک وقت میں کھا لیتا ہے۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے دل میں فیصلہ کر لیا۔ اس کی وجہ معلوم کرنی چاہیئے۔ میں کئی روز تک اسی خیال فکر میں رہا کہ ایک روز سوتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ میری بیوی اٹھ کر باہر جا رہی ہے۔ میں نے اس کے نکلنے کا انتظار کیا جوں ہی وہ کپڑے پہن کر باہر آئی۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا یہاں تک کہ ہم دونوں آگے پیچھے قبرستان میں آ پہنچے۔ میں حیران تھا کہ رات کو تنہا یہ یہاں کیا کرنے آئی ہے بہر حال کل واقعات دیکھنے کیلئے میں ایک بڑے سے درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا اور "امین" آگے چلتی رہی۔ تھوڑے فاصلہ پر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی اور وہاں ایک دیو صفت آدمی بیٹھا تھا جس کو میں اپنے اندازے کے مطابق غول بیابانی سمجھا۔ وہ اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی اور دونوں آپس میں کچھ گفتگو کرنے لگے۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے میں ان کی گفتگو نہیں سمجھ سکا۔ لیکن نظر سب کچھ آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد امین اس دیو ہیکل کی گود میں جا بیٹھی۔ اس وقت میری جو حالت ہوئی آپ اندازہ فرما سکتے ہیں۔ قریب تھا کہ میں اپنی طاقت ضبط کھو بیٹھوں لیکن میں نے بڑی مشکل سے سکون حاصل کیا اور سارے واقعات کے لئے تیار ہو گیا۔ وہ غول بیابانی کچھ دیر تک امین کو چھاتی سے لگا کر پیار کرتا رہا۔ اس وقت اس کا نازک اور لطیف جسم اس کے گندے پہلو میں ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا سفید دھلا ہوا کپڑا کیچڑ میں ڈال دیا گیا ہے بہر حال اختلاط کی یہ مکروہ کیفیت کچھ دیر جاری رہی۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ غول بیابانی امین سے وصل کا خواہشمند ہے اور وہ اس کو ناز و انداز دکھا رہی ہے۔ تھوڑی دیر تک یہ تماشہ بھی ہوتا رہا۔

اس کے بعد آخر وہ دیو نما انسان امین کے ساتھ مشغول ہو گیا اور دونوں کے جوش جذبات اور احساس لذت کی مدھم مدھم آوازیں مجھ تک بھی آنے لگیں۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ شاید میری بیوی انسانی نسل کے بجائے غول بیابانی کی کوئی نسل ہے۔ کچھ دیر کی ہماہمی کے بعد مرد ہٹ گیا اور امین اسیطرح لیٹی رہی۔ اس عرصہ میں مرد نے ایک تازہ قبر کھول کر مردہ نکال لیا اور امین کے قریب لا کر اس کو دکھایا وہ بھی ہنستی ہوئی اٹھ بیٹھی اور دونوں نے اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھانا شروع کر دیا۔ یہ روح فرسا منظر دیکھ کر عام حالات میں شاید میں بیہوش ہو جاتا لیکن اس لئے ذرا دیر پہلے کے واقعات نے اتنا جوش و غضب پیدا کر دیا تھا کہ میں اس منظر کو برداشت کر سکا۔ یہ دونوں بدنصیب مردے کے جسم کا گوشت کھا چکے تو اس کی ہڈیوں کو واپس قبر میں دفن کر دیا اور میں نے اندازے سے سمجھ لیا کہ اب یہ دونوں یہاں سے چلنے والے ہیں اس لئے میں وہاں سے ہٹ کر تیزی سے گھر چلا آیا اور اپنے پلنگ پر لیٹ کر ایسا بن گیا گویا اٹھا ہی نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میری بیوی پلنگ پر واپس آگئی اور غالباً اظہار محبت کے لئے میرے پاس ہی لیٹ گئی۔ اس وقت مجھے اتنی کراہت کا احساس ہوا کہ جی چاہتا تھا کہ اس کو دھکا دے دوں۔ لیکن میں نے معاملہ کو صبح پر ملتوی رکھا کہ اچھی طرح غور کر کے فیصلہ کروں گا۔

امین قبرستان میں انسانی گوشت کھا رہی ہے

صبح کو اٹھ کر میں نے غسل وغیرہ کیا اور اپنی دوکان پر چلا آیا اور برابر اس مسئلہ پر غور کرتا رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اگر قتل کرتا ہوں تو گرفتاری اور قصاص کا حرف سامنے آتا ہے۔ اگر

خاموش ہوتا ہوں تو اپنی بے عزتی کا احساس پیدا ہوتا۔ اسی الجھن میں دوپہر ہوگئی اور میں گھر واپس آیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے دسترخوان بچھایا اور کھانے چن دیئے۔ جب میں کھانا کھانے کیلئے بیٹھا تو معمول کے مطابق بطور نمایش وہ بھی شریک ہوگئی لیکن میں نے اس کے کھانے سے اندازہ کیا کہ ایک ایک دانہ منہ میں ڈالتی جاتی تھی۔ اصل حالات اپنی آنکھوں سے دیکھ چکنے کے بعد آج مجھے اس کی ان حرکات پر غصہ آیا اور میں نے اس سے کہہ ہی دیا۔ کہ جان من اگر تمہیں یہ چیزیں ناپسند ہیں تو اپنی مرضی کا کھانا پکوا لیا کرو۔ آخر مردے کے گوشت سے اچھی کوئی چیز تو ہوتی ہوگی۔ یہ سنتے ہی وہ سمجھ گئی کہ یہ راز سے واقف ہوگیا ہے۔ اس نے دسترخوان پر رکھا ہوا پانی کا برتن اٹھایا اور یہ کہہ کر پانی مجھ پر پھینک دیا کہ کمبخت کتا بن جا۔ اسی وقت میری ہیئت بدل گئی اور میں کتے کی شکل میں آگیا۔ پھر اس نے ایک لکڑی اٹھائی اور مجھے اتنا مارا کہ جا بجا سے خون بہنے لگا۔ بمشکل تمام میں گھر سے بھاگا تو محلہ کے کتوں نے مجھے اجنبی سمجھ کر میرا پیچھا کیا وہاں بھی نہ ٹھہر سکا۔ مجبوراً ایک قصاب کی دوکان پر اس کی چوکی کے نیچے بیٹھ گیا۔ قصاب نے رحم کھا کر سب کتوں کو بھگا دیا۔ میں دیر تک وہیں پڑا رہا۔ اپنی حالت کے متعلق غور کرتا رہا۔ ہر طرف مایوسی کا تاریک سایہ چھایا ہوا تھا۔ دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد میں وہاں سے نکلا تو قصاب نے ایک گوشت کا ٹکڑا میرے آگے ڈال دیا۔ میں دُم ہلاتا ہوا اس کے قریب گیا تو معلوم نہیں اس نے کیا سمجھا اور میرے ایک لکڑی بڑے زور سے ماری میں وہاں سے بھاگا۔ اور ایک نانبائی کی دوکان پر پناہ لی۔ شام تک جب میں وہاں پڑا رہا تو اس نے ایک روٹی کا ٹکڑا میرے آگے ڈال دیا۔ جسے میں نے کھا لیا اور وہیں بیٹھ گیا۔ اسی طرح کئی روز گذر گئے۔ اور نانبائی یا دوسرے لوگ کچھ بچا کھچا میرے آگے ڈال دیتے اور میں اس کو کھا کر پانی پی لیتا۔ ایک روز ایک عورت روٹی لینے آئی اور جو درہم اس نے نانبائی کو دیئے ان میں ایک درہم کھوٹا تھا۔ جب عورت جانے لگی تو میں نے اس کا دامن پکڑ لیا۔ اس نے ہر چند شور کیا۔ لیکن میں نے اس کو نہ چھوڑا۔ نانبائی خود اٹھا اور مجھے الگ کیا۔ میں نے آگے بڑھ کر کھوٹے درہم پر پیر رکھ دیا اور اشارے سے نانبائی کو دکھایا۔ اب نانبائی نے غور کیا تو اسے معلوم ہوا کہ واقعی درہم کھوٹا ہے۔ اس نے وہ درہم تو عورت کو واپس دیا کہ اس کو بدلو۔ لیکن وہ میری سمجھ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے بہت سے آدمیوں سے ذکر کیا اور ان کو یقین نہ آیا۔ چنانچہ بطور امتحان میرے سامنے کھرے اور کھوٹے درہم ملا کر ڈال دیئے۔ میں نے ان کو الگ الگ کر دیا۔ اب تو میری ہر جگہ شہرت ہوگئی کہ فلاں نانبائی کے یہاں ایک کتا ہے جو کھوٹے کھرے درہم پہچان لیتا ہے۔ لوگ خواہ مخواہ مجھے دیکھنے آتے اور امتحان لیتے۔ اسی طرح نانبائی کی بکری بہت بڑھ گئی اور وہ میری بڑی خاطر کرنے لگا۔

ایک روز ایک عمر رسیدہ عورت روٹی لینے آئی اور اس نے چند درہم ملا کر نانبائی کو دیئے۔ اس نے پرکھنے کو میرے آگے ڈال دیئے۔ میں نے کھوٹے سکے الگ کر دیئے۔ عورت نے نانبائی کو تو دوسرے

اچھے درہم دیدیئے۔ لیکن جب چلنے لگی تو مجھے اشارے سے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ میں اس خیال سے اس کے پیچھے ہولیا کہ شاید اسی کی بدولت میں اس مصیبت سے چھوٹ جاؤں۔ نانبائی نے مجھے اس لئے روکنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ جانتا تھا کہ میں کہیں نہیں جاؤنگا۔ اِدھر اُدھر گھوم کر میں اسی دوکان پر لوٹ آؤں گا۔ جیسا کہ میں اکثر کرتا رہتا تھا۔ میں اسی عورت کے ساتھ ایک مکان میں آگیا وہاں ایک جوان خوبصورت لڑکی بیٹھی تھی۔ بڑھیا نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ بیٹی یہ ہی وہ کتا ہے جو کھوٹے کھرے درہم شناخت کر دیتا ہے۔ اس نے پہلے غور سے میری طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگی کہ ابھی اصل راز معلوم ہو جاتا ہے۔ تم مجھے ذرا سا پانی دو۔ بڑھیا نے ایک گلاس میں پانی لا کر رکھا۔ پھر اس جوان عورت نے اس پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور یہ کہہ کر مجھ پر پھینک دیا کہ تم کسی اور ہیئت سے کتے کی ہیئت میں آئے ہو۔ تو اپنی اصلی صورت پر لوٹ آؤ۔

پانی پڑتے ہی میں اپنی اصلی شکل میں آگیا۔ اور دوڑ کر اس کے قدموں پر گر پڑا۔ اس نے اٹھنے کو کہا۔ اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ یہ معاملہ کس طرح پیش آیا۔ میں نے اپنی محسنہ کو ساری داستان اول سے آخر تک سنائی۔ وہ دیر تک افسوس کرتی رہی۔ پھر بولی کہ تمہاری اس بدکردار بیوی کو کچھ سزا ضرور ملنی چاہیئے۔ چنانچہ اس نے کچھ پانی پڑھ کر مجھے دیا اور کہا کہ اس کو لے جاؤ اور اپنی بیوی پر ڈال کر جس جانور کا نام لو گے اس کی شکل بن جائے گی۔ میں نے اس کا بہت شکریہ ادا کیا اور پانی لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ خوش قسمتی سے جب میں پہنچا تو ابن کسی کام میں مصروف تھی۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ میں نے باآہستگی پیچھے سے اس پر پھینکا اور حکم دیا کہ گھوڑی بن جا۔ اور وہ فوراً گھوڑی کی شکل میں منتقل ہو گئی۔ اس کے بعد ہنٹر لیکر میں نے اتنا مارا کہ میرے ہاتھ درد کرنے لگے۔ پھر اس کو اصطبل میں باندھ دیا۔ کل حضور نے مجھے جس گھوڑی پر سوار اور اُسے پیٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ وہ ہی بدنصیب گھوڑی ہے۔ اب میں اس کو روزانہ سزا دیتا ہوں۔ تاکہ اسے احساس ہوتا رہے کہ جو بداعمالیاں وہ کرتی رہی ہے۔ وہ خود اسپر گذریں تو یہ تکلیف ہوتی ہے۔ اب حضور ہی انصاف فرمائیں کہ میں نے کیا ظلم کیا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میری مصیبت کے پیش نظر میرے فعل کو درست خیال فرمائیں گے۔ نعمان اپنا قصہ سنا کر ادب سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ خلیفہ نے کہا بیشک تمہاری مصیبت دردناک ہے۔ لیکن کیا اب تم اس کو اصلی صورت پر نہیں لا سکتے۔ ممکن ہے اس کی اصلاح ہو گئی ہو۔ نوجوان نے عرض کیا کہ حضور کا حکم سر آنکھوں پر لیکن اگر اس بدبخت نے میرے ساتھ برائی کی تو کیا کروں گا۔ خلیفہ ہارون الرشید خاموش ہو گئے اور حسن حبال کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں نے سنا ہے پہلے تم نہایت مفلس تھے اور اس کے بعد دفعتہً تمہاری مالی حالت بہت اچھی ہو گئی اس کے کیا اسباب تھے۔ بوڑھا ادب سے سلام کر کے آگے بڑھا اور اس طرح اپنا حال عرض کرنے لگا۔

خواجہ حسن خبال کا حال

ظل اللہ! میرا نام حسن ہے۔ اور میں اسی شہر بغداد کا رہنے والا ہوں۔ میں بہت ہی غریب رسن فروش تھا بمشکل اتنے پیسے ملتے تھے کہ اپنا اور بچوں کا پیٹ پال سکوں۔ خدا کا شکر ہے۔ زندگی کا سارا دور میں نے دیانتداری سے گذارا بے ایمانی یا جھوٹ سے کچھ حاصل کرنا میرے نزدیک اتنا بڑا جرم تھا کہ قتل کو بھی اتنی اہمیت نہیں دیتا تھا میری زندگی کے انقلاب میں دو شخصوں نے بہت بڑا حصّہ لیا ہے اور وہ دونوں خدا کے فضل سے اب بھی زندہ اور میری اس داستان کے سچے شاہد ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام سعد ہے اور دوسرے کا نام سعدی ہے۔

سعد و سعدی بغداد ہی کے رہنے والے اور دوست ہیں جن کا رشتہ مودت بچپن ہی سے قائم ہے ایک روز ان میں بحث شروع ہو گئی کہ انسان کی زندگی میں رنج و راحت افلاس ریاست تکلیف وصحت اس کی اپنی جد وجہد رکھ رکھاؤ سے پیش آتے ہیں۔ یا تقدیری امور ہیں۔ اور بغیر انسانی خواہش و کوشش کے خود بخود پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ سعدی جو رئیس اور صاحب ثروت ہے اس پر مصر تھا کہ ان امور میں ہمارے فعل و اختیار کو بھی دخل ہے اور سعد جو متوسط الحال ہے۔ یہ کہتا ہے کہ یہ سب چیزیں تقدیر سے ہوتی ہیں۔ انسان کا اسمیں کوئی دخل نہیں۔ یہ بحث جب زیادہ طویل ہو گئی اور دونوں نے فیصلہ کیا کہ اس کا امتحان کرنا چاہیئے۔ اور ایک نہایت غریب آدمی کو منتخب کر کے اس کی امداد کی جائے اور اس کو ہر قسم کی سہولت فراہم کی جائے کہ وہ اپنی کوشش اور ہمارے روپے سے اپنی حالت سنوارے اس کے بعد انجام دیکھ کر اس مسئلہ پر آخری رائے قائم کی جائے گی۔ دونوں دوست ایسے آدمی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا ہوں کہ کیوں بہر حال ان کی نظر انتخاب مجھ پر پڑی اور وہ دونوں میرے پاس آئے اور میرے حالات زندگی دریافت کئے۔ میں نے بخندہ پیشانی اپنی مختصر روداد زندگی ان کو سنا دی۔ میری حالت معلوم کر کے انہوں نے یہ ہی طے کیا کہ میری امداد کر کے اپنا امتحان شروع کیا جائے۔

دونوں دوسرے روز میری دوکان پر آئے۔ میں اکیلا تھا۔ مجھ سے کہا۔ کہ اگر میں تمہیں دو ہزار اشرفیاں کاروبار کرنے کے لئے دیدوں تو کیا تم ترقی کر کے آسودہ حال ہو سکتے ہو۔ میں نے کہا دو ہزار اشرفیاں دفعتاً مجھے رئیس نہیں بنا سکتیں۔ لیکن میں امید کرتا ہوں کہ رفتہ رفتہ حالت سنبھل سکتی ہے سعدی نے دو ہزار اشرفیوں کی تھیلی مجھے دیکر کہا کہ رقم میں تمہیں خدا کے لئے دیتا ہوں تاکہ تم اپنا کاروبار طریقے سے چلا سکو اور مجھے امید ہے کہ تم لہو و لعب میں اس کو ضائع نہیں کرو گے۔ اگر تمہیں کسی اور امداد کی ضرورت ہو تو میرے پاس چلے آنا۔ میں تمہیں ہر قسم کی آسانی فراہم کرنے کی کوشش کروں گا میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور جب وہ چلے گئے تو اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ ساتھ ہی ساتھ میں

دونوں دوستوں کا حسن خبال کی دوکان پر آنا

نے غور کرنا شروع کیا کہ اس سرمایہ سے کس طرح فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ فوری طور پر تو میں نے یہ طے کیا کہ کافی مقدار میں سن خرید کر چند ملازم رسّی بٹنے پر رکھ لئے جائیں اگر مال کی کھپت زیادہ ہوئی تو اس کام کو بڑھا لیا جائے۔ ورنہ پھر کسی دوسرے طریقے سے تجارت شروع کی جائے۔ یہ سوچ کر میں نے ایک سو نوے اشرفیاں تو اپنی پگڑی میں رکھیں اور دس اشرفیاں سن خریدنے کے لئے دوکان سے چلدیا۔ یہاں میں نے دیکھ بھال کر سن خریدا اور اس کو یاد کرا کے گھر بھیجدیا میں گوشت لینے کے لئے ایک قصاب کی دوکان پر ٹھہر گیا۔ گوشت لیکر میں چلا ہی تھا۔ ایک چیل نے جھپٹا مارا۔ گوشت تو بچ گیا۔ لیکن میری پگڑی اس کے پنجوں میں پھنس گئی۔ اور چیل پگڑی اور اشرفیاں لیکر اڑ گئی۔ میں نے پیچھا بھی کیا لیکن چند ہی قدم کے بعد وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اور اتنی اشرفیوں کے ساتھ پگڑی بھی کھو کر ہاتھ ملتا رہ گیا۔ گو اتنی بڑی چیز جانے کا مجھے بہت رنج تھا۔ لیکن سب سے بڑی پریشانی یہ تھی۔ کہ اگر سعدی نے آکر دریافت کیا کہ تم نے کیا کام شروع کیا ہے تو میں اس کو کیا جواب دوں گا۔ اگر صحیح حال بھی کہدوں تو کیا اس کو یقین آجائیگا۔ ضرور وہ یہی سمجھے گا کہ حسن خبال نے سب روپیہ عیش و آرام میں غارت کر دیا۔ اور اب بہانے بناتا ہے۔ جب میں گھر پہنچا تو بہت ہی افسردہ خاطر تھا۔ میری بیوی نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو میں نے اسے سب حال سنایا وہ غریب رونے لگی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ یہ سب تقدیر کی باتیں ہیں۔ ہماری قسمت میں غریبی لکھی ہے تو ہزار سعدی بھی ملکر ہمیں امیر نہیں بنا سکتے۔ اس لئے صبر کے سوا چارہ نہیں۔ چند روز طبیعت کو

ملال رہا۔ آہستہ آہستہ وہ بھی کم ہو گیا۔ اور میں بدستور سابق رسیاں بٹ بٹ کر اپنی زندگی گذارنے لگا۔ ایک مدت کے بعد وہی دونوں دوست میری دوکان پر آئے۔ اور میری تباہ حالی دیکھ کر دریافت کیا۔ میں نے بڑی شرمندگی کے ساتھ سارا واقعہ اس کو سنایا۔ سعدی نے اس کو بناوٹ پر محمول کیا اور کہنے لگا کہ آج تک کسی نے سنا بھی ہے کہ چیل اشرفیوں سمیت پگڑی لے جائے۔ لیکن سعد نے اس کو ٹوکا اور کہا کہ دوست قسمت اسی کا نام ہے میں حسن کو جانتا ہوں اس نے زندگی میں آج تک جھوٹ نہیں بولا۔ اور میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ اب بھی سچ بول رہا ہے۔ سعدی نے کہا کہ اول تو مجھے اس کا یقین نہیں آتا لیکن اگر یہ سچ بھی ہو تو نقصان اور اتفاقات زندگی کا ضروری جز ہیں ہم اپنی لاعلمی یا کم علمی سے اکثر ایسے نقصان اٹھا لیتے ہیں جن کی اصل وجہ اس وقت سمجھ میں نہیں آتی لیکن تجربہ کے بعد اس غلطی کو نہیں دہراتے۔ تو نقصان سے بھی بچ جاتے ہیں۔ اس لئے میں یہ نہیں مانتا۔ کہ تقدیر کا اثر خود بخود ہوتا رہتا ہے۔ اور تدبیر کوئی چیز نہیں۔ بلکہ اصل شے تدبیر ہے اور جب ہم محنت سے جی چراتے ہیں تو تقدیر کی پناہ پکڑ لیتے ہیں۔

اس کے بعد سعدی نے پھر مجھے دو سو اشرفیاں دیں اور تاکید کر دی کہ ان کو اچھی طرح استعمال کرو۔ اگر تم نے ضروری محنت کی۔ تو مجھے امید ہے تم آسودہ حال ضرور ہو جاؤ گے۔ میں نے اشرفیاں لیکر رکھ لیں۔ اور وہ دونوں دوست ہاتھ میں ہاتھ ڈالے باتیں کرتے ہوئے چلے گئے۔ کچھ دیر تو میں دوکان پر بیٹھا رہا۔ اس کے بعد اشرفیاں لے کر گھر آیا۔ اتفاقاً اسی روز میری بیوی اپنے ایک عزیز کے یہاں گئی ہوئی تھی۔ میں نے ایک سو نوے اشرفیاں گن کر ایک بھوسے کے گھڑے میں رکھ دیں اور اوپر سے اسکا منہ ڈہانک دیا تھا۔ دس اشرفیوں سے میں نے کچھ سن خریدا اور اپنی دوکان پر کام کرنے لگا میرا خیال تھا کہ منڈی میں دو چار روز رہتا۔ سن آنیوالا ہے۔ اس کو خریدونگا۔ دوسرے روز میری بیوی آ گئی لیکن میں اس سے یہ ذکر کرنا بھول گیا کہ فلاں گھڑے میں اشرفیاں رکھی ہیں اور دوکان پر چلا آیا۔ اتفاقاً دوپہر کو ایک مٹی فروخت کرنیوالا آ گیا۔ میری بیوی کو سر دھونے کیلئے مٹی کی ضرورت تھی اس نے وہی بھوسی کا گھڑا دے کر مٹی خرید لی۔ شام کو میں گھر آیا تو اپنی بیوی کو بتایا کہ وہ دونوں دوست پھر آئے اور دو سو اشرفیاں پھر دے گئے ہیں۔ میں نے وہ اشرفیاں فلاں گھڑے میں رکھ دی ہیں یہ سنکر وہ سر پیٹنے لگی کہ تم نے صبح سے مجھ سے ذکر کیوں نہیں کیا۔ میں نے وہ گھڑا مع بھوسی کے مٹی والے کو دیدیا۔ میری اس وقت کی حالت کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا تھا کہ کیا تھی۔ جی چاہتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور میں سما جاؤں یا اپنا گلا گھوٹ کر مر جاؤں۔ دیر تک میں خود بھی روتا رہا۔ مجھے روپے کے ضائع ہونے سے زیادہ اسکا افسوس تھا کہ سعدی مجھے جھوٹا بدمعاش آوارہ اور خدا جانے کیا کیا سمجھے گا۔ میں اس کو کسطرح منہ دکھاؤں گا۔ اس فکر میں گھل گھل کر بہت نحیف و زار ہو گیا۔ تو اب بھی روز آنہ اپنی دوکان پر جاتا تھا۔ لیکن حالت یہ تھی کہ تھوڑی تھوڑی دیر میں چاروں طرف دیکھ لیتا تھا۔

کہ کہیں سعد و سعدی تو نہیں آ رہے ہیں۔ چور نہ ہوتے ہوئے میری حالت چوروں سے بدتر تھی۔ آخر ایک روز میں نے ان دونوں کو آتے ہوئے دیکھا۔ جی چاہا کہ کہیں بھاگ جاؤں لیکن وہ مجھے دیکھ چکے تھے۔ اپنی جگہ سے اٹھنا محال تھا۔ دوکان پر آکر دونوں نے سلام کیا۔ اور میری حالت دریافت کی۔ شدت رنج شرم سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور میں انھیں کوئی جواب نہیں دے سکا۔ بڑی مشکل سے میں نے انھیں کل واقعہ سنایا۔ لیکن اس طرح کہ روتے روتے میری داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی۔ سعدی کو مالوس تھا۔ لیکن اس نے مجھے تشفی دی کہ تم اسقدر کیوں پریشان ہوتے ہو۔ بہرحال وہ روپیہ قرض نہیں تھا۔ میں نے خدا کے نام پر دیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ مجھے تمہاری کم عقلی پر افسوس ضرور ہے۔

اس کے بعد وہ دونوں دوست رخصت ہونے لگے۔ تو سعد نے جیب سے ایک پیسہ نکالکر مجھے دیا کہ اس کو اپنے پاس رکھو۔ اگر تمہاری تقدیر میں اچھے دن دیکھنے لکھے ہیں تو کیا عجب ہے۔ اسی پیسے سے تمہاری حالت بدلنی شروع ہو جائے۔ سعدی اس بات کو سنکر ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ جس شخص کو چار سو اشرفیاں آسودہ حال نہ بنا سکیں اس کو ایک پیسہ کیا امداد دے گا۔ سعد نے کہا میں یہ نہیں کہتا کہ اگر اس نے تدبیر سے کام لیا تو یہ پیسہ اسکو امیر بنا سکتا ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اگر اسکی قسمت میں ریاست ہے تو ممکن ہے یہ پیسہ ہی اس کے ظہور کا سبب بن جائے۔ میں نے پیسہ لے لیا اور وہ دونوں دوست اسی طرح بحث کرتے ہوئے چلے گئے۔

شام کو جب میں گھر پہنچا اور اپنی صدری اتاری تو اتفاقاً وہ پیسہ جو سعد نے دیا تھا نیچے گر پڑا میں نے اٹھا کر لا پروائی سے طاق میں ڈال دیا اور خود گھر کے کام میں مصروف ہو گیا۔ ابھی میں نے روٹی بھی نہیں کھائی تھی کہ محلہ کے ماہی گیر کی بیوی آئی اور کہنے لگی کہ مجھے ایک پیسہ کی ضرورت ہے آج در در پھری لیکن کہیں سے ایک پیسہ نہیں ملا۔ ہمارا جال ٹوٹ گیا ہے۔ میرا شوہر سوت لاکر اس کی مرمت کرنا چاہتا ہے اگر جال درست نہ ہوا تو کل ہمیں کھانے کو ٹکڑا بھی نہیں ملیگا۔ میں نے افسردگی کے ساتھ وہی پیسہ طاق سے اٹھا کر ماہی گیر کی بیوی کو دیدیا۔ وہ دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی۔ دوسرے روز ماہی گیر کی بیوی ایک مچھلی لیکر آئی اور کہنے لگی کہ میرے شوہر نے عہد کیا تھا کہ پہلے جال میں جو کچھ آویگا وہ آپ کو پیش کر دیگا۔ چنانچہ یہ مچھلی آئی ہے اور ہماری دلی خواہش ہے کہ تم اسے لے لو۔ میری بیوی نے انکار بھی کیا لیکن وہ نہ مانی اور مچھلی رکھ کر چلی گئی۔ میری بیوی مچھلی صاف کرنے لگی تو اس کے پیٹ میں سے کافی بڑا ایک شیشے کا ٹکڑا نکلا جو اس نے بچوں کو کھیلنے کے لئے دیدیا۔ دن بھر بچے اس سے کھیلتے رہے۔ رات کو جب ہم سب کھانا کھانے بیٹھے تو بڑے لڑکے نے وہ شیشہ کا ٹکڑا بھائیوں سے چھپا کر دسترخوان کے تاریک حصہ میں رکھدیا۔ لیکن اس کی چمک دوسرے بچے نے دیکھ لی اور جھپٹ کر اٹھا لیا اور چراغ کی روشنی میں اسے دیکھنے لگا۔ وہاں اس کی چمک دمک بہت خوشنما معلوم ہوتی تھی اتنے میں بڑے لڑکے نے

چھوٹے بھائی سے وہ شیشہ چھین لیا۔ اور بھاگ گیا۔ اور اندھیری کوٹھری میں چلا گیا۔ لیکن وہاں بھی ایسی روشنی ہو گئی۔ جیسے چراغ جل رہا ہو۔ اس روشنی کو دیکھ کر دوسرے بچے بھی شور مچاتے ہوئے اندر چلے گئے۔ میں اس خیال سے اٹھا کہ ان کو شور و غل سے روکوں۔ لیکن اندر گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بغیر چراغ کے کوٹھری روشن ہے۔ میں نے خود اس کانچ کے ٹکڑے کو ہاتھ میں لیکر دیکھا۔ تو خیال آیا کہ چلو سعد کے پیسے سے فائدہ تو ہوا کہ تیل کے پیسے بچ جائیں گے۔ اس کے بعد وہ شیشہ کا ٹکڑا بچوں کو دیتے ہوئے تاکید کر دی کہ اسکو کھو نہ دینا۔ ہم اس سے چراغ کا کام لیں گے

صبح کو حسب معمول دوکان پر چلا گیا۔ میری عدم موجودگی میں پڑوسی جوہری یہودی کی بیوی رسّی لینے ہمارے گھر آئی تو اس نے بچے کے ہاتھ میں وہ شیشہ کا ٹکڑا دیکھا اور حیران ہو کر پوچھا کہ یہ شیشہ کہاں سے لائے۔ میری بیوی نے بتایا کہ مچھلی صاف کرتے ہوئے اس کے پیٹ سے نکلا تھا۔ اور رات کو ایسا چمکتا ہے جیسے چراغ۔ اب ہم چراغ کے بجائے اسی کو رکھ لیا کریں گے۔ یہودن اسوقت واپس چلی گئی اور اپنے شوہر سے ذکر کیا کہ پڑوسی حسن کے یہاں مچھلی کے پیٹ سے ایسا نادر نایاب ہیرا نکلا ہے اور وہ اس کی قدر و قیمت سے واقف نہیں ہے۔ بچے اس سے کھیلتے پھرتے ہیں۔ یہودی نے اسوقت اپنی بیوی کو دوبارہ بھیجا اور کہا کسی نہ کسی طرح ان کو فروخت پر آمادہ کر کے جو کچھ مانگیں دے کر لے لو۔ یہودن پھر ہمارے گھر آئی اور کہنے لگی۔ تمہارے لئے تو یہ شیشہ بیکار شے ہے۔ میرے شوہر کو اس قسم کی چیزیں خریدنے کا شوق ہے۔ اگر تم پسند کرو تو میں اس کی قیمت بیس اشرفیاں دے سکتی ہوں۔ اسی وقت اتفاقاً ایک ضرورت سے میں گھر آیا۔ میری بیوی نے مجھ سے ذکر کیا۔ بیس اشرفیوں کا ذکر سن کر مجھے خیال آیا کہ یہ اتنے سے کانچ کے ٹکڑے کی اتنی بڑی قیمت دے رہی ہے۔ ضرور اس میں کوئی راز ہے۔ پھر مجھے سعد کے الفاظ یاد آ گئے کہ اگر تقدیر میں ہوا۔ تو اس پیسے کی بدولت رئیس بن سکتے ہو۔ میں تو ان خیالات میں غلطاں و پیچاں تھا۔ لیکن یہودن سمجھی کہ میں کم قیمت ہونے کی وجہ سے چپ ہوں۔ چنانچہ وہ کہنے لگی اچھا پچاس اشرفی لے لو۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی قیمتی چیز ہے۔ جو ایکدم اس نے بیس سے پچاس اشرفی دینے کا ارادہ کر لیا۔ میں پھر بھی خاموش رہا۔ تو وہ کہنے لگی کہ چلو سو اشرفی لے لو۔ میں نے سمجھ لیا کہ سعد نے جو کچھ کہا تھا۔ شاید اس کے پورے ہونے کا وقت آ گیا۔ چنانچہ میں نے ٹالنے کے خیال سے کہا کہ میں تو اس کو ایک لاکھ اشرفیوں میں بھی دینے کو تیار نہیں۔ یہودن کہنے لگی۔ یہ تو بہت قیمت ہے۔ لیکن اگر تم چاہتے ہو تو میں پچھتر ہزار اشرفیاں دے سکتی ہوں۔ اتنی بڑی رقم سنکر میں نقش حیرت بن گیا۔ کچھ دیر بعد اپنے اوسان بحال کر کے میں نے اس کو جواب دیا کہ تم اپنے شوہر کو بھیجدینا۔ میں ان سے بات کرونگا۔ یہودن چلی گئی اور تھوڑی ہی دیر میں اپنے شوہر کو لیکر آ گئی۔ جوہری نے وہ ہیرا لے کر دیکھا۔ پھر مجھ سے کہنے لگا کہ آپ اس کا کیا مانگتے ہیں۔ میں نے اس کی قیمت ڈیڑھ لاکھ اشرفیاں بتائیں۔ آخر بڑی رد و کد

کے بعد سوا لاکھ اشرفیوں پر فیصلہ ہوگیا۔

یہودی نے اسی وقت اشرفیوں کی تھیلیاں میرے حوالے کیں اور خود ہیرا لیکر چلا گیا۔ میری خوشی اور مسرت کی یہ حالت تھی کہ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں یہ صحیح ہے۔ جب میرے اعصاب قابو میں آئے۔ تو میں نے آئندہ کا پروگرام بنانا شروع کیا۔ جیسا کہ حضور نے ملاحظہ فرمایا۔ اور رسی بنانے کے کئی بڑے بڑے کارخانے کھول دیئے۔ کچھ روپیہ دوسرے کاروبار میں لگوا دیا۔ اور بڑے عیش و آرام سے زندگی بسر کرنے لگا۔ اس عرصہ میں سعد و سعدی کو نہیں بھولا۔ لیکن اپنی مصروفیات اور کچھ انکا پتہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ان سے ملاقات نہ کر سکا۔ اس عرصہ میں کارخانوں سے بھی مجھے معقول منافع ہونے لگا اور چند ہی مہینوں میں سارے خرچ نکالکر دو تین لاکھ اشرفیاں میرے پاس پس انداز ہوگئیں۔ کچھ مدت گذرنے کے بعد وہ دونوں دوست میرا حال دیکھنے آئے۔ اور پھر مجھے دوکان پر نہ دیکھ کر آس پاس کے دوکانداروں سے دریافت کیا کہ حسن حبال کہاں ہے۔ وہ کہنے لگے صاحب خدا جانے کہاں سے اس پر دولت پھٹ پڑی ہے۔ اب وہ حسن حبال سے حبال الملک التجار بغداد بن گیا ہے۔ اور ایک بہت بڑا محل فلاں جگہ تیار کرایا ہے وہ دونوں دوست بحث کرتے ہوئے میرے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ سعدی کہتا تھا کہ ثروت و امارت اس نے میری اشرفیوں سے حاصل کی ہے۔ اور شروع میں اصل حال چھپاتا رہا۔ سعد کہتا تھا نہیں یہ سب قسمت کا کرشمہ ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ میرے پیسے کی بدولت ہی اس کے حالات بدلے ہوں گے۔ جب وہ میرے مکان پر آئے تو ملازم کے ذریعہ اطلاع کرائی۔ میں ان کا نام سنکر خود باہر آیا۔ اور پورے اعزاز و احترام سے لاکر قالین پر بٹھایا۔ میری آسودہ حالت دیکھ کر وہ دونوں بہت خوش ہوئے اور مجھے مبارکباد دی اور حالات دریافت کئے۔ میں نے ان کو سارے حالات سنادیئے دونوں دوستوں میں پھر بحث شروع ہوگئی۔ اور دیر تک جھگڑتے رہے۔ سعدی کو کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ مچھلی کے پیٹ سے اتنا قیمتی ہیرا نکلا ہوگا۔ آخر میں نے اس خیال سے کہ کسی طرح اس بحث کا خاتمہ ہو ان کو اپنے باغ میں چلنے کی دعوت دی۔ وہ دونوں راضی ہو گئے اور ہم باغ میں چلے آئے وہاں آکر میں نے دیکھا کہ ملازم کسی جاہلانہ عقیدت کے زیر اثر ایک بہت بڑے درخت پر سے چیل کا گھونسلا اتار رہے ہیں۔ ہم ان کی ضعیف الاعتقادی پر گفتگو کرتے ہوئے اسی درخت کے نیچے جاکر کھڑے ہوئے اوپر چڑھے ہوئے آدمی نے گھونسلا کھینچکر نیچے پھینکا تو اس میں سے وہ ہی پگڑی نکل آئی جس میں سعدی کی دی ہوئی ایک سو نوے اشرفیاں بندھی ہوئی تھیں۔ پھر میں نے اس کو کھول کر دیکھا تو پوری ایک سو نوے اشرفیاں جوں کی توں اس میں موجود تھیں۔ اس کے بعد ہم گفتگو کرتے ہوئے گھر کی طرف لوٹے تو راستے میں گھوڑوں کو دیکھنے کے لئے اصطبل میں چلے گئے۔ وہاں سائیس کہنے لگا۔ کہ حضور آج کام میں دیر ہوگئی اور گھوڑوں کے لئے گھاس نہیں ملی۔ میں نے اس سے کہا۔ کہ

ان بے زبانوں کو بھوکا رکھنا ظلم ہے۔ تم بھوسہ یا آٹے کا بور خرید لاؤ کم از کم کچھ منہ تو ماریں گے۔ سائیس پڑوس میں بور تلاش کرنے چلا گیا اور میں اپنے دوستوں کو گھوڑے دکھانے لگا۔ تھوڑی دیر میں سائیس بھوسے کے کئی مٹکے اٹھوا لایا اور کہنے لگا۔ کہ حضور اس وقت تو صرف یہ ہی ملے ہیں۔ میں نے کہا چلو کچھ بھی سہی۔ تم ابھی ان کے سامنے ڈال دو۔ اتفاقاً میری نظر مٹکوں پر پڑی تو میں نے وہ مٹکا پہچان لیا۔ جسمیں سعدی کی دی ہوئی ایک سو نوے اشرفیاں رکھی تھیں۔ اس کا منہ اچھی طرح بند تھا جیسا میں نے کیا تھا۔ چنانچہ سعدی کو متوجہ کرتے ہوئے میں نے اس کو بتایا کہ دوسری مرتبہ اشرفیاں اس مٹکے میں رکھی تھیں۔ جسے غلطی سے میری بیوی نے فروخت کر دیا تھا۔ چنانچہ ان کے سامنے میں نے اس کو کھلوایا تو بھوسے میں پوری ایک سو نوے اشرفیاں موجود تھیں۔ سعدی اپنی بدگمانی پر نادم ہوا اور مجھ سے معافی مانگی۔ میں نے اس سے کہا۔ بھائی اسمیں تمہارا کوئی قصور نہیں حالات ہی ایسے تھے۔ کہ ہر شخص کو بدگمانی ہوتی۔ لیکن خدا کا بڑا احسان ہے کہ آپ کے سامنے مجھے سچا کر دیا۔ اسکے بعد سعدی نے سعد سے کہا کہ واقعی اب مجھے یقین آگیا تقدیر ہی ہر چیز پر غالب ہے۔ اور تدبیر بھی اسوقت بنتی ہے جب تقدیر موافق ہو۔ ظل اللہ! اسکے بعد کھانا کھا کر وہ دونوں دوست چلے گئے اور میں آپ کے زیر سایہ آرام و اطمینان کی زندگی بسر کر رہا ہوں حسن خیال اپنا احوال بیان کر کے خاموش ہو گیا۔ خلیفہ نے فرمایا کہ تمہاری حالت والا وہ ہیرا اب اپنے خزانہ میں سارا قصہ لکھوا کر اس کے ساتھ رکھوں گا۔ تاکہ آئندہ نسلیں اس ہیرے کی تاریخ سے واقف ہوں۔ پھر خلیفہ نے سب کو انعام و اکرام دیکر رخصت کر دیا۔

شہرزاد یہ قصہ بیان کر کے خاموش ہو گئی۔ شہریار نے ہنس کر کہا کہ ہماری بیگم کو تو بہت ہی عجیب و غریب قصے یاد ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ کل اس سے بھی عمدہ کہانی سنیں گے۔ شہرزاد نے بادشاہ کو جھک کر سلام کیا اور عرض کی کہ کل انشاء اللہ علی بابا اور چالیس چوروں کا قصہ سناؤں گی۔ اب شہرزاد اور دوسرے لوگوں کو یقین ہو چلا تھا کہ بادشاہ اپنا ظالمانہ رویہ چھوڑ دیگا۔ جو کچھ مدت سے اس نے شروع کیا تھا۔

علی بابا اور چالیس چور

دوسرے روز حسب معمول شہرزاد نے کہانی شروع کی۔

پہلے زمانہ میں شہر بغداد میں ایک امیر سوداگر رہتا تھا جس کے دو لڑکے تھے۔ ایک کا نام قاسم اور دوسرے کا نام علی بابا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد وہ چہلم سے فارغ ہو کر قاسم نے جائیداد تقسیم کر لی کیونکہ علی بابا فضول خرچ اور عیاش طبع تھا۔ قاسم کو خطرہ تھا کہ یہ ساری جائیداد غارت کر دیگا۔ مال و املاک کی تقسیم کے بعد دونوں بھائی الگ الگ رہنے لگے۔ قاسم بہت جزرس اور منتظم تھا۔ اس نے چند ہی روز میں اپنی حیثیت بڑھالی اور ایک مالدار تاجر کی لڑکی سے شادی کر کے آرام کی زندگی گذارنے لگا۔ قاسم کا خسر تھوڑے ہی دنوں بعد مر گیا اور چونکہ اس کے یہاں ایک لڑکی کے علاوہ دوسری

اولاد نہ تھی اسلئے اس کی تمام جائیداد بھی قاسم ہی کے قبضہ میں آگئی۔ اب قاسم بغداد کے بلند مرتبت تاجروں میں شمار ہونے لگا۔

علی بابا اپنی طبعی اسراف پسندی کی بدولت بہت خالی ہاتھ رہ گیا اسکی شادی بھی ایک غریب گھرانے میں ہوئی تھی۔ اس لئے وہاں سے بھی کسی امداد کی توقع نہ تھی۔ جب حالات زیادہ نازک ہو گئے تو علی بابا نے لکڑی کی فروخت کا کام شروع کیا۔ اس کے پاس کچھ گدھے تھے۔ جنھیں جنگل لے جاتا اور لکڑیاں اکٹھی کر کے گدھوں پر لاد کر شہر میں فروخت کر دیتا۔ اسطرح پیٹ بھرنے کی مقدار پیسے اسے ملتے تھے۔

ایک روز علی بابا لکڑیوں کی تلاش میں زیادہ دور نکل گیا۔ یہاں ایک طرف کچھ گھنا جنگل تھا۔ اور دوسری طرف ایک چھوٹی سی پہاڑی پر علی بابا لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ اسے سامنے سے کچھ سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ علی بابا کو شبہ ہوا کہ کہیں ڈاکو نہ ہوں۔ اور میرے گدھے چھین کر نہ لیجائیں چنانچہ اس نے جلدی جلدی گدھوں کو گھیر کر پہاڑی کے قریب ایک نشیب میں پہنچا دیا۔ جہاں وہ آسانی سے چھپ سکتے تھے۔ اور خود ایک بڑے درخت پر چڑھ کر پتوں کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں وہ سوار اسی درخت کے نیچے پہنچ گئے۔ جہاں علی بابا چھپا بیٹھا تھا۔ اس کا اندازہ صحیح نکلا۔ آنیوالے سوار مسلح ڈاکو تھے۔ جو کہیں سے لوٹ مار کر کے بہت سامال لئے ہوئے آرہے تھے۔ جب علی بابا نے اسی درخت کے نیچے ٹھہرے ہوئے دیکھا تو خوف کے مارے کانپنے لگا۔ ڈاکو وہاں آکر گھوڑوں سے اتر گئے اور تمام مال جمع کر کے اسی درخت کے قریب ایک غار میں اترے۔ پھر اس میں سے ایک ڈاکو نے کہا "کھل سم سم"، چنانچہ فوراً غار میں ایک دروازہ کھل گیا۔ اور وہ ڈاکو ایک ایک کر کے سب اندر چلے گئے۔ اس کے بعد دروازہ بند ہو گیا۔ علی بابا حیران ہوا اس تماشہ کو دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور وہ ڈاکو نکل نکل کر اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ اور جس طرف سے آئے تھے۔ اسی طرف چلے گئے جب تک وہ نظر آتے رہے علی بابا اسی درخت پر بیٹھا رہا۔ اس کے بعد یہ اطمینان کر کے کہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ درخت سے نیچے اترا۔ اور اپنے گدھوں کو ہانک کر وہیں لے آیا۔ پہلے تو اس نے ارادہ کیا تھا کہ جلد سے جلد یہاں سے بھاگ جائے لیکن پھر لالچ آیا کہ ڈاکوؤں کا خزانہ ضرور دیکھنا چاہیئے چنانچہ وہ غار میں اتر گیا اور وہاں جا کر اس نے بھی کہا "کھل سم سم" فوراً دروازہ کھل گیا اور علی بابا ادھر اُدھر جھانک کر اندر داخل ہوا۔ وہاں بیشمار مختلف اسباب کے علاوہ بہت سی درہم و دینار کی تھیلیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے جلدی جلدی کچھ اشرفیوں کی تھیلیاں لیں اور دروازہ کھول کر باہر آیا اسی طرح چند بار آکر اس نے اپنے گدھوں پر کافی اشرفیاں لاد لیں اور دروازہ بند کر کے گدھوں پر تھوڑے سے دکھاوے کیلئے لکڑیاں رکھ لیں اور گھر چلا آیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ بند کر لیا اور لکڑیاں ایک طرف ڈالکر اشرفیوں کی تھیلیاں بیوی کے سامنے رکھ دیں جنھیں دیکھ کر وہ بیحد خوش ہوئی اور جلدی جلدی گننے لگی۔ علی بابا نے کہا کہ اسطرح کب تک گنتی رہو گی۔

علی بابا اشرفیاں لاد کر لایا ہے
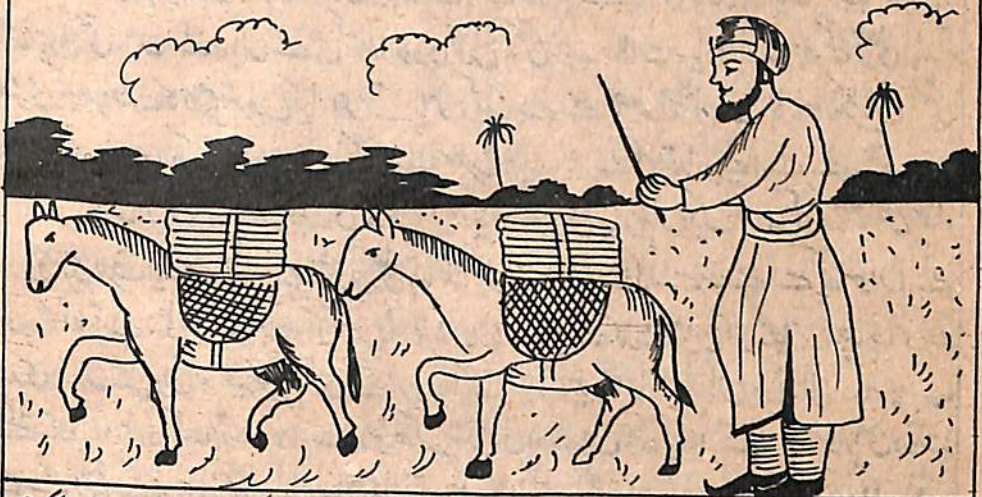
اسوقت توتم ان کو زمین میں دبا دو۔ بیوی نے کہا میں اندازہ ضرور کروں گی کتنی اشرفیاں ہیں اگر تم کو اتنی ہی جلدی ہے تو میں تول کر دفن کئے دیتی ہوں۔ علی بابا نے کہا۔ تیری مرضی لیکن یہ بات کسی کے علم میں نہیں آنا چاہیئے۔ بیوی بھاگتی ہوئی قاسم کے یہاں پہونچی۔ اور کہنے لگی۔ ذرا اپنی ترازو دیدو۔ قاسم کی بیوی کو تعجب ہوا کہ کھانے کو تو انھیں میسر نہیں۔ ترازو کا کیا کریں گے۔ پھر اس خیال سے پلڑے کے نیچے موم لگا دیا کہ جو کچھ تولیں گے کچھ نہ کچھ موم سے لپٹ جائے گا۔ اور معلوم ہو جائے گا کہ کیا تولا گیا ہے پھر ترازو علی بابا کی بیوی کو دیدی۔ علی بابا کی بیوی ترازو لیکر گھر آئی اور جلدی سے اشرفیوں کو تول کر دفن کر دیا اور ترازو ٹھاپ کے گھر واپس دے آئی۔ قاسم کی بیوی نے ترازو کو الٹ کر دیکھا تو موم سے ایک اشرفی چپٹی ہوئی تھی۔ وہ حیران رہ گئی کہ ان کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی۔ جسے یہ تول کر رکھنے لگے۔ حسد کی آگ اس کے سینہ میں بھڑک اٹھی۔ اور شام تک اسی فکر میں الجھی رہی۔ جب قاسم گھر آیا تو وہ اس سے کہنے لگی تم اپنے آپ کو بڑا امیر سمجھتے ہو۔ لیکن تمہارا بھائی علی بابا تم سے بھی بڑا مالدار ہے کہ اشرفیاں تول تول کر رکھتا ہے۔ قاسم نے ہنس کر کہا۔ کہ یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کرتی ہو۔ اس غریب کو کھانے کو تو میسر نہیں اشرفیاں کہاں سے لائیگا۔ قاسم کی بیوی نے ترازو کا قصہ بیان کر کے وہ پلڑا لاکر دکھایا جس پر اشرفی لگی ہوئی تھی۔ اسے یہ اشرفی دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور دل میں خیال کیا کہ یہ اشرفی بہت پرانے سکے کی ہے۔ غالباً علی بابا کو کوئی دفینہ ہاتھ لگ گیا ہے۔ اور باوجود اپنی خوشحالی کے قاسم بھی لالچ میں مبتلا ہو گیا اور صبح ہوتے ہی علی بابا کے گھر آکر اس سے سب حال کہا اور اصرار کیا کہ اگر تم نے مجھے بھی اس خزانہ کا حال نہ بتایا تو میں ابھی کوتوال شہر کو اطلاع دیدوں گا

اور اس دولت کے علاوہ تمہارا گھر بھی ضبط کرادونگا۔ ممکن ہے چوری کے الزام میں تمہارا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے
علی بابا نے ڈر کر سارا قصہ بھائی سے کہدیا اور دروازہ کھولنے کا طلسم بھی بتادیا۔ قاسم اسی وقت گھر آیا۔ اور
چند خچر لیکر اسیوقت اشرفیاں لانے کے لئے روانہ ہوگیا۔ علی بابا کے بیان کے مطابق سیدھا غار پر پہنچا اور کھل
سم سم کے لفظ کہے۔ دروازہ کھل گیا۔ قاسم نے اندر جاکر دروازے کے قریب اشرفیوں کی تھیلیاں اکٹھی کرنی
شروع کردیں۔ تاکہ آسانی سے باہر لادی جاسکیں لیکن وہ لفظ یاد نہ آئے۔ آخر مجبور ہوکر ایک جانب بیٹھ
گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ اب یہاں سے زندہ نکلنا مشکل ہے۔ وہ اسوقت پر لعنت بھیجتا تھا جب
اس کے دل میں لالچ پیدا ہوا اور یہاں آیا۔ تھوڑی دیر بعد اسے گھوڑوں کی ٹاپوں اور آدمیوں کے
بولنے کی آواز سنائی دی جس سے اس نے اندازہ کرلیا کہ غالباً ڈاکو آئے ہیں۔ اسوقت شدت خوف
سے اس کی یہ حالت تھی کہ بچاؤ کے لئے ایک قدم سرکنے کی بھی اپنے اندر ہمت نہیں پاتا تھا اتنے
میں باہر کھل سم سم کے لفظ کسی نے کہے۔ اور دروازہ کھل گیا۔ قزاق اندر داخل ہوئے اور دروازے
کے پاس اشرفیوں کی تھیلیوں کا ڈھیر دیکھ کر حیران ہوئے کہ یہاں کس طرح آئیں۔ ساتھ ہی ان
خچروں کا خیال آیا جو باہر بندھے ہوئے تھے۔ اب ان کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ انکی عدم موجودگی
میں کوئی یہاں ضرور آیا ہے۔ انہوں نے دروازہ روک کر اندر تلاش شروع کی۔ قاسم کے لئے وہاں
کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ آخر پکڑا گیا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے بیک ضرب شمشیر اس کی گردن الگ کردی
اور لاش کے چار ٹکڑے کرکے دروازے کے چاروں کونوں پر لٹکادیئے۔ اور اشرفیوں کی تھیلیاں
وہیں لیجاکر رکھدیں جہاں سے وہ اٹھائی گئی تھیں۔ اس کے بعد ڈاکو واپس چلے گئے۔ قاسم جاتے
ہوئے اپنی بیوی سے کہہ گیا تھا کہ میں دوپہر تک واپس آجاؤنگا۔ لیکن جب ظہر کا بعد بھی ہوگیا اور
قاسم نہ لوٹا تو اس کی بیوی کو تشویش ہوئی۔ اور علی بابا کے پاس آکر کہنے لگی کہ تمہارے بھائی اب تک
واپس نہیں آئے ہیں۔ علی بابا نے کہا۔ دور جگہ ہے۔ ممکن ہے آنے میں دیر ہوگئی ہو۔ ابھی کچھ دیر اور
انتظار کرو۔ یہاں تک کہ عشار کا وقت آگیا۔ عشار کے بعد پھر قاسم کی بیوی آئی۔ اور علی بابا سے کہنے لگی
کہ اب بھی نہیں آئے۔ علی بابا نے سمجھ لیا کہ ضرور دال میں کالا ہے۔ لیکن اس کی بیوی سے صرف اتنا ہی کہا
کہ مجھے حیرت ہے وہ کیوں نہیں لوٹا۔ مجھے یہ شبہ ہے کہ راستہ میں کہیں سپاہیوں نے اس کو نہ روک لیا ہو
بہرحال اسوقت تو کچھ بھی نہیں معلوم کیا جاسکتا۔ صبح کو دیکھ بھال کروں گا۔ قاسم کی بیوی نے ساری
رات آنکھوں میں کاٹ دی۔ لیکن قاسم نہ آیا۔ علی الصباح علی بابا بھاوج کو تسلی دے کر اپنے گدھوں
کے ساتھ جنگل کی سمت روانہ ہوا۔ جب وہ غار کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ قاسم کی لاش کے
ٹکڑے لٹک رہے ہیں۔ وہ صورت حال کو سمجھ گیا اور لاش کے ٹکڑے ایک گدھے پر لادلئے۔ اس
کے بعد خزانہ کا دروازہ کھول کر جسقدر مال و دولت بار کرسکتا تھا۔ بار کرکے جنگل میں آیا۔ اور اوپر تھوڑی
تھوڑی لکڑیاں ڈال کر واپس چلا آیا۔ اور اشرفیوں کے گدھے اپنے گھر چھوڑ کر قاسم کی لاش والا گدھا

اس کے گھر لے گیا اور لاش اتار کر قاسم کی بیوی کو سب واقعہ بتایا اور اس کو تسلی دی کہ جو کچھ ہونا تھا۔ ہو چکا۔ اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں میں زندگی بھر تمہاری خبر گیری کرتا رہوں گا۔ فی الحال کسی طرح اسکے دفن و کفن کا انتظام ہونا چاہیئے۔ اگر یہ راز افشاں ہو گیا تو سب پر مصیبت آجائے گی۔ مرحوم قاسم کی ایک کنیز تھی جس کا نام مرجینہ تھا۔ یہ لونڈی بیحد ذہین اور ہوشیار تھی۔ اس نے اس تمام کام کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ مرجینہ نے لاش کو چارپائی پر ڈال کر ایک چادر ڈھک دی۔ اس کے بعد خود بازار گئی اور ایک دوا فروش سے اس قسم کی دوائیں خریدیں جو قریب المرگ بیماروں کو دی جاتی ہیں اور رو کر کہنے لگی کہ میرے آقا بہت بیمار ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ وہ بچ سکیں گے یا نہیں۔ وہاں سے گھر آئی اور چند گھنٹوں کے بعد پھر اسی قسم کی دوا خرید لائی۔ اسی طرح دو دن تک وہ دوائیں لاتی رہی اور علی بابا بھی اپنے ملنے والوں سے یہی کہتا رہا کہ میرا بھائی سخت بیمار ہے۔

دوسرے روز مرجینہ بوڑھے مصطفٰے درزی کے پاس گئی اور اس کو چار اشرفیاں پیش کر کے کہنے لگی مجھے ایک کفن سلوانا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے گھر تک تمہیں آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے جاؤں گی۔ پہلے تو مصطفٰے نے ارادہ کیا کہ انکار کر دے لیکن چار اشرفیوں کا لالچ کم نہ تھا۔ وہ راضی ہو گیا۔ مرجینہ اس کو پٹی باندھ کر گھر لائی اور قاسم کی لاش دکھا کر کہنے لگی۔ کہ ایک جامہ تو ایسا تیار کرو جس میں یہ ٹکڑے بالکل صحیح آجائیں اور ایک معمولی کفن سی دو۔ اگر کام میری حسب پسند ہوا تو جسقدر اشرفیاں دے چکی ہوں اتنی ہی اور دوں گی۔ مصطفٰے مقتول کا کفن ایسے پر اسرار حالت میں سیتا ہوا گھبرایا تو بہت لیکن تحریص اتنی بڑی تھی کہ وہ اسکا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس نے جلدی جلدی ایک جامہ تھیلی نما سیا اور اس میں لاش کے ٹکڑے بانس کی لکڑیوں کے سہارے اس طرح جمائے کہ قبر میں اتارتے ہوئے یہ احساس نہ ہو کہ لاش کٹی ہوئی ہے۔ اس کے بعد معمولی کفن تیار کر کے نصف شب کے قریب مصطفٰے نے اپنا کام ختم کر لیا اور مرجینہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس کے گھر تک پہنچا آئی۔ جب انتظام مکمل ہو چکے تو قاسم کے گھر سے رونے پیٹنے کی صدا بلند ہوئی۔ علی بابا منتظر بیٹھا تھا۔ خود ہی روتا ہوا بھائی کے گھر آیا۔ صبح تک یہ بھی کھیل کھیلا جاتا رہا۔ دو چار آدمی محلہ سے بطور ہمدرد آئے اور تشفی دے کر چلے گئے۔ کیونکہ دفن و کفن کا کام صبح سے پہلے نہیں ہو سکتا تھا۔ علی بابا اور مرجینہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر مراسم غسل اپنے طور پر ادا کر دیئے اور صبح کو لوگوں کے جمع ہونے سے پہلے قاسم کی لاش کو کفنا کر مکمل کر لیا۔ صبح کو لوگ جمع ہوئے۔ علی بابا کو صبر کی تلقین کی اور دوپہر سے پہلے قبرستان لیجا کر دفن کر دیا۔ دو تین روز تعزیت والوں کی آمد و رفت رہی۔ اس کے بعد زندگی معمول پر آگئی۔ علی بابا نے مرحوم بھائی کی بیوی کو اشارتاً بتا دیا کہ اگر تم پسند کرو گی تو بعد عدت میں تم سے نکاح کر لونگا۔ قاسم چونکہ لاولد مر گیا تھا۔ اسکی بیوی نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ تنہا رہنے اور کاروبار چلانے میں بہت سے خطرات ہیں۔ اس لئے اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا۔ ابھی انتقال ہوتے قاسم کو دس روز بھی نہیں ہوئے تھے کہ علی بابا کی بیوی مکان کی

چھت سے گری اور ہلاک ہو گئی۔ اس اتفاقی حادثے نے جو تھوڑی بہت رکاوٹ تھی وہ بھی صاف کر دی اور مرحوم قاسم کی بیوی نے علی بابا کو بلا کر کہدیا کہ کل کام تم اپنے ہاتھ میں لے لو۔ علی بابا نے بھائی کی دوکان پر اپنے بیٹے عبداللہ کو بٹھا دیا اور دوسری جائیداد کی نگرانی خود کرنے لگا۔ پانچ سات روز کے بعد ڈاکو پھر اپنی پناہ گاہ اور خزانے میں آئے تو لاش کے ٹکڑے نہ دیکھ کر سوچنے لگے کہ یہاں تک ضرور کوئی اور شخص بھی آیا ہے۔ اسکے بعد وہ کھل سم سم کہکر اندر آئے اور اپنی دولت کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اس میں سے لاتعداد روپیہ نکالا جا چکا ہے۔ وہ بہت پریشان ہوئے اور اسی وقت مجلس شوائی منعقد کی یہ تو اطمینان تھا کہ ساتھیوں میں سے کسی نے غداری نہیں کی ہے۔ کیونکہ وہ سب اکٹھے رہے تھے اور کوئی شخص ان میں سے ایک دن کے لئے بھی اپنی جماعت سے الگ نہیں ہوا تھا۔ ڈاکوؤں کا سردار کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ یہ بڑی خطرناک صورت حالات ہے۔ ہم نے اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال کر یہ دولت اکٹھی کی تھی۔ اور کوئی بدمعاش آیا۔ اور نہایت اطمینان کے ساتھ نکال کرلے گیا۔ اگر ہم نے اپنے چور کا پتہ نہ چلایا۔ اور انتقام نہ لیا۔ تو خود ہی ہماری زندگی خطرے میں ہے۔ اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس وقت پکڑ لئے جائیں۔ اور پھانسی دی جائے۔ آپ چالیس جوان اور مضبوط آدمی ہیں۔ بتایئے۔ کون چور کی تلاش کی ذمہ داری لیتا ہے۔ ان میں سے ایک ڈاکو اٹھا اور کہنے لگا کہ میں جاتا ہوں۔ اور جہاں تک ممکن ہوگا اس خزانے تک آنیوالے کا پتہ لگاؤں گا۔ سردار نے اس کو شاباش دی اور وعدہ کیا کہ تم کامیاب ہو گئے۔ تو ساتھیوں کی طرف سے معقول انعام دیا جائے گا۔

ڈاکو اپنی مکین گاہ سے نکلا اور ایک عام شہری کے لباس میں شہر کے اندر آیا۔ اس کا خیال تھا کہ روپیہ کے متعلق کوئی پتہ چلانا تو ناممکن ہے۔ لیکن مقتول کے لاش کے ٹکڑوں کی بابت ممکن ہے کچھ معلوم ہو جائے اور یہ ہی ایسا سراغ تھا جس سے وہ کامیابی کی امید رکھتا تھا۔ دو روز تک ڈاکو شہر میں گھومتا رہا۔ لیکن اس نے چار ٹکڑوں والی لاش کا کوئی ذکر نہیں سنا جس سے اس نے اندازہ لگا لیا کہ ہمارا چور بہت ہوشیار اور دانا ہے۔ اتنی تگ و دو میں ناکام رہ کر وہ تقریباً مایوس ہو چلا تھا اور ارادہ کر لیا تھا کہ واپس جا کر ساتھیوں سے کہدیا جائے کہ بظاہر حالات چور کی تلاش ممکن نظر نہیں آتی۔ اپنے مستقر پر جانے سے پہلے وہ صبح سویرے بازار میں آیا تو سوائے ایک درزی کے دوکانیں بند تھیں۔ ڈاکو صرف وقت گذاری کے خیال سے دوکان میں چلا گیا۔ وہاں بوڑھا مصطفےٰ درزی معمولی چراغ کی روشنی میں کچھ سی رہا تھا۔ اس نے سلسلہ گفتگو شروع کرنے کے خیال سے ہنس کر کہا کہ بابا ماشاءاللہ اس عمر میں بھی تمہاری نگاہ بہت تیز ہے۔ مصطفےٰ اپنی تعریف سن کر خوش ہو گیا اور کہنے لگا جی ہاں میں اس سے بھی کم روشنی میں سلائی کا کام کر لیتا ہوں۔ ابھی چند روز پہلے بعض خاص حالات میں میں نے رات کو اتنی مدھم روشنی میں ایک کفن سیا تھا کہ دوسرا آدمی سوئی اور تاگے کو بھی اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن صاحب وہاں انعام بھی خوب ملا۔ گو اس میں شک نہیں کہ ایسی

کٹی ہوئی... اتنا کہکر مصطفےٰ خاموش ہوگیا۔ پھر بولا کہ مجھے اس سے کیا کام تھا اور کیسا تھا۔ میں تو یہ ذکر کر رہا تھا کہ مجھے اس نے آٹھ اشرفی دیں اور میں نے اندھیرے میں کفن سی دیا تھا۔ ڈاکو رازداری اور کٹی ہوئی لاش کا ذکر سنکر چونکا۔ اور دل میں خیال کرنے لگا کہ ممکن ہے جس شخص کی تلاش میں نکلا ہوں اسکا سراغ اسی سے کچھ نکل آئے۔ چنانچہ اس نے دو اشرفیاں نکالکر مصطفےٰ کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔ ہاں بابا اس لاش کی کیا خاص بات تھی۔ مصطفےٰ نے اشرفیوں کو دیکھا تو گفتگو پر آمادہ ہوگیا۔ اور بڑی پراسرار آواز میں کہا کہ وہ لاش جسکا ذکر کر رہا تھا۔ چار ٹکڑے کی ہوئی تھی۔ میں نے اس کو ایک تھیلے میں اس طرح بند کر دیا تھا کہ اٹھانے میں یہ معلوم نہ ہو کہ کفن کے اندر لاش کے ٹکڑے ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں۔
ڈاکو سمجھ گیا کہ منزل مقصود پر آگیا ہوں۔ اس نے مصطفےٰ سے کہا کہ تم مجھے وہ مکان دکھا سکتے ہو۔ جہاں تم نے کفن سیا تھا۔ اگر تم ایسا کر سکتے ہو تو میں تمہیں ایک اشرفی اور انعام دینے کو تیار ہوں۔ مصطفےٰ نے مایوسی سے سرہلاتے ہوئے کہا۔ افسوس میں تمہیں صحیح نشان دہی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مجھے وہاں آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے جایا گیا تھا۔ یہ سوچ کر اگر میں اسکو مکان دکھا سکتا تو ایک اشرفی اور مجھے مل جاتی۔ مصطفےٰ کے منہ سے آہ نکل گئی۔ ڈاکو نے تجویز پیش کی کہ میں تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھے دیتا ہوں۔ اس اندازے پر چلنے کی کوشش کرو۔ جس پر اس روز چلے تھے۔ اور اس طرح اگر کچھ کامیابی کا امکان نظر آیا تو میں اور اشرفی تمہیں دیدونگا۔ مصطفےٰ تیار ہوگیا۔ چنانچہ ڈاکو نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور سہارا دیتا ہوا ساتھ ساتھ ہولیا۔ بوڑھے مصطفےٰ نے سوچ سوچ کر بڑی احتیاط سے بڑھنا شروع کیا۔ اور ڈاکو کو ساتھ لئے ہوئے ٹھیک قاسم کے مکان کے آگے جاکر کھڑا ہوگیا۔ اس کے بعد ساتھی سے مخاطب ہوکر کہنے لگا کہ میں یقین کیساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں اس سے آگے نہیں گیا تھا۔ ڈاکو نے احتیاطاً قریب کے رہنے والوں سے دریافت کیا کہ کیا قریب زمانے میں یہاں کوئی موت ہوئی ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ ہاں ابھی چند روز ہوئے اس مکان کا مالک رات کے وقت فوت ہوگیا تھا۔ اور صبح کو لوگوں نے اس کو دفن کیا تھا۔ ڈاکو کو اطمینان ہوگیا کہ میں صحیح سراغ پر چلکر جائے مقصود پر آگیا ہوں۔ اس نے قاسم کے مکان پر کھڑیا سے ایک معمولی نشان لگا دیا اور پھر مصطفےٰ کی آنکھوں سے پٹی کھول کر ایک اشرفی اس کے ہاتھ پر رکھی اور سلام کر کے رخصت ہوگیا۔ ڈاکو سیدھا اپنی کمین گاہ پر پہنچا۔ اور سردار سے کہنے لگا کہ میں نے دشمن کا مکان معلوم کر لیا ہے۔ سب ڈاکو بہت ہی خوش ہوئے اور یہ طے پایا کہ آج رات کو مکان پر حملہ کیا جائے۔
جس وقت ڈاکو مکان پر نشان لگا رہا تھا۔ اسوقت مرجینہ کسی کام سے باہر گئی تھی۔ واپس آئی تو مکان کے دروازے پر سفید کھڑیا کا نشان دیکھ کر جھجکی۔ اور کچھ دیر تک سوچتی رہی۔ پھر گھر میں سے ایک کھڑیا کا ٹکڑا لیکر محلہ کے سارے دروازوں پر اسی قسم کے نشان بنا دیئے اور اطمینان سے اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔ رات کو حسب قرارداد سب ڈاکو لباس تبدیل کر کے شہر میں آئے۔ اور

جو شخص مکان پر نشان لگا گیا تھا ان کو لیکر محلہ میں آیا جہاں علی بابا رہتا تھا۔ لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس علاقے کے ہر گھر پر وہی نشان بنا ہوا ہے جو اس نے شناخت کیلئے لگایا تھا۔ اپنی ناکامی پر ڈاکو بہت شرمندہ ہوا۔ اور سردار سے کہنے لگا کہ میں نے ایک درزی کی معرفت بڑی مشکل سے مکان دریافت کیا تھا اور اس پر ایک قسم کا نشان لگا دیا تھا جیسا آپ ہر مکان کے دروازے پر دیکھ رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا چور بیحد ہوشیار ہے اور ہماری ہر نقل و حرکت اسکے علم میں ہے۔ سب ڈاکو مایوس و ناکام واپس لوٹے۔ تو بیحد چڑچڑے ہو رہے تھے۔ اپنے مسند پر پہونچ کر سردار نے کہا۔ اگر ہم لوگوں کے تساہل کا یہی حال رہا۔ تو وہ دن دور نہیں۔ جب کل سرمایہ برباد ہو جائے گا۔ اور ہم لوگ سر بازار سولی پر چڑھے ہونگے۔ تعجب کی بات ہے چالیس مشہور نامی ڈاکو ملکر ایک چور کی تلاش نہیں کر سکتے۔ سب حیران تھے کہ کیا کریں۔ آخر ایک ڈاکو اٹھا اور کہنے لگا کہ میں جاتا ہوں جس طرح بھی ممکن ہوا۔ پتہ لگاؤں گا۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں سے رخصت ہو کر شہر میں آیا اور کپڑا سلوانے کے بہانے مصطفےٰ درزی سے تعلقات بڑھائے۔ اسکے بعد ایک روز چند اشرفیاں دے کر اس کو آمادہ کر لیا کہ وہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر مکان مطلوبہ تک پہنچا دے۔ مصطفےٰ اسی طرح اس ڈاکو کو بھی قاسم کے گھر تک لے گیا ڈاکو نے یہ اطمینان کر کے کہ کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔ دروازے کے ایسے کونے پر جہاں بہت کم توجہ جانے کی امید تھی ایک سرخ نشان بنا دیا اور مصطفےٰ کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس کی دوکان پر لا چھوڑا اور خود اپنے جتھے میں پہنچا اور کہنے لگا کہ میں نے مکان معلوم کر لیا ہے آج رات اس جھگڑے کو ہمیشہ کے لئے ہٹا دیجئے۔ مرجینہ نے جب سے مکان پر سفید نشان لگا ہوا دیکھا تھا دل میں کھٹک گئی تھی۔ اسلئے جب کبھی باہر آتی۔ بڑی احتیاط سے مکان اور دروازے کو دیکھ لیتی کہ کوئی خلاف معمول چیز تو نہیں ہے۔ اس روز بھی مرجینہ گھر سے نکلی تو اس نے حسب عادت ہر حصے کو پورے غور سے دیکھا۔ اتفاقاً اسے وہ سرخ نشان نظر آگیا جو ڈاکو لگا گیا تھا۔ اس نے اسی قسم کے نشانات ہر دروازہ میں بنا دیئے اور خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

رات کو ڈاکو جمع ہو کر محلے میں پہونچے تو ہر مکان پر ایک ہی قسم کے نشان دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور مجبوراً بے نیل و مرام واپس لوٹ گئے۔ اس ناکامی نے ان میں خوف و ہراس پیدا کر دیا اور وہ اپنے نامعلوم دشمن سے ڈرنے لگے۔

تہ خانے میں آکر پھر سب نے مشورہ کیا لیکن کوئی ترکیب ان کی سمجھ میں نہ آئی اس وقت ڈاکوؤں کے سردار نے کہا کہ میں خود جاتا ہوں اور کوئی نہ کوئی انتظام کر کے آؤں گا۔ اس نے بھی مصطفےٰ درزی کو گانٹھا اور پہلی ترکیب کے مطابق قاسم کے مکان تک جا پہنچا۔ سردار نے آس پاس کے مکان وغیرہ کی وضع و حیثیت ذہن نشین کر لی اور جب اس کو یقین ہو گیا کہ میں اس مکان کو نہیں بھول سکتا تو بغیر کسی قسم کا نشان لگائے بغیر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں مکان

کو دیکھ آیا ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ تم سب کو لیکر وہاں تک پہونچ جاؤنگا۔ اب میں جو ترکیب بتاتا ہوں وہ کرو۔ سب ڈاکو کہنے لگے کہ ہم ہمیشہ آپ کا حکم مانتے رہے ہیں۔ اسوقت بھی آپ جو کچھ کہیں گے اس کے حروف بحروف تعمیل ہوگی۔ سردار نے کہا ہم چالیس آدمی ہیں۔ بازار جاکر انتالیس تیل کے اتنے بڑے بڑے کپے خرید لاؤ جس میں ایک ایک آدمی آسانی سے بیٹھ سکے اور ایک کپے میں تیل بھر لو۔ اس کے ساتھ چالیس خچر کپے لادنے کے لئے لے آؤ۔ میں خود تیل کا سوداگر بنوں گا۔ اور تم سب کپوں میں بیٹھ جانا۔ اس طرح ہم اپنے دشمن کے گھر جائیں گے اور میں کسی بہانے سے شب گذاری کی اجازت لیکر تم سب کو اس کے مکان پر لے جاؤنگا اس کے بعد جب موقع ہوگا۔ ہم سب مل کر مالک مکان کو قتل کر دیں گے اور اپنا مال واپس لے آئیں گے۔ ڈاکوؤں نے اس تجویز کو بہت پسند کیا۔ اور سردار کی دانائی کی بہت تعریف کی۔ اس کے بعد چند ڈاکو بازار گئے اور مطلوبہ سامان فراہم کرلائے۔ شام کو سردار نے ڈاکوؤں کو تیل کے کپوں میں بند کیا۔ اور کپوں کے منہ پر تیل مل دیا۔ پھر خچروں پر بار کرکے علی بابا کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں لوگوں سے مول تول کرتا ہوا علی بابا کے پاس اسوقت پہونچا۔ جب کافی رات جاچکی تھی۔ علی بابا مکان کے باہر ٹہل رہا تھا۔ سردار نے جاکر اس کو سلام کیا۔ اور بڑی لجاجت سے درخواست کی۔ میں دیہات کا رہنے والا تیل کا سوداگر ہوں۔ راستہ میں دیر ہو جانے کی وجہ سے رات گئے یہاں پہونچا ہوں اگر آپ ایک شب اپنی حویلی میں ٹھہرنے کی اجازت دیں تو بڑی نوازش ہوگی۔ علی بابا نے خوشی سے منظور کرلیا اور ملازموں کو حکم دیا کہ ان کے ٹھہرنے کا مناسب انتظام کردو۔ سردار نے علی بابا کے نوکروں کی امداد سے کپے منگوا کر ایک کوٹھری میں رکھے۔ خچروں کو اصطبل میں باندھا۔ اور ان کے گھاس دانے کا انتظام کرکے علی بابا کے پاس آیا اور اس کا بیحد شکریہ ادا کیا۔ سونے کے وقت علی بابا نے مرجینہ کو بلاکر ہدایت کی کہ یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ان کی ضروریات کا خیال رکھنا اور میں صبح سویرے غسل کروں گا۔ میرے لئے گرم پانی۔ کپڑے اور شوربا تیار رکھنا۔ مرجینہ نے کہا بہتر ہے۔ یہ کہہ کر واپس چلی گئی۔ اور علی بابا اپنی خوابگاہ میں جاکر لیٹ گیا۔ ڈاکوؤں کا سردار خچروں کی دیکھ بھال کے بہانے کپوں کے پاس آیا اور اپنے ساتھیوں کو تاکید کر گیا کہ جب تک میں آواز نہ دوں۔ ہر گز باہر نہ نکلنا۔ پھر وہ خود بھی جاکر لیٹ گیا۔

مرجینا اپنے سونے کے کمرے میں آئی تو خیال آیا۔ کہ ممکن ہے صبح سویرے آنکھ نہ کھلے شوربا ابھی تیار کرکے رکھ دینا چاہیئے۔ چنانچہ باورچی خانے میں گئی اور آگ جلاکر شوربہ پکنے کے لئے رکھدیا۔ اتفاقاً چراغ کا تیل ختم ہوگیا۔ مرجینہ نے عبداللہ ملازم کو بلاکر کہا کہ بازار سے تیل لے آؤ۔ چراغ گل ہوگیا۔ اور مجھے مالک کے لئے شوربہ تیار کرنا ہے۔ عبداللہ نے کہا۔ اس وقت آدھی رات کو تیل کہاں ملیگا۔ سب بازار بند ہوں گے۔ بقدر ضرورت تیل مہمان کے کپوں میں سے

لے لو۔ صبح کو تیل یا قیمت دیدینا۔ مرجینہ اچھا کہہ کر کپّوں کیطرف برتن لیکر آئی۔ اسکے پیروں کی آہٹ سُن کر ڈاکو سمجھے کہ شاید سردار آیا ہے۔ اندر سے پوچھا کہ کیا کام کا وقت آ گیا۔ مرجینہ آواز سنکر ایکدم تو ڈر گئی لیکن فوراً اسے اس نشان کا خیال آیا جو دروازے پر دو مرتبہ دیکھ چکی تھی۔ اور سمجھ گئی کہ یہ وہی ڈاکو ہیں جن کا خزانہ میرا مالک نکال لایا ہے۔ چنانچہ اس نے آواز بدل کر آہستہ سے کہا "ابھی نہیں"۔ پھر امتحاناً ہر کپّے کے پاس گئی۔ تو سب میں سے وہ ہی آواز آئی۔ کیا کام کا وقت آ گیا۔ اور ہر بار اس نے آہستگی سے جواب دیا کہ ابھی نہیں۔ آخری کپّے میں سے کوئی نہیں بولا تو مرجینہ نے ہاتھ لگا کر دیکھا اس میں تیل تھا۔ اس نے کچھ تیل برتن میں نکالا۔ اور واپس باورچی خانے میں آ کر چراغ روشن کیا۔ پھر شوربہ کی دیگچی اتار کر ایک بڑا کڑاہا چولہے پر رکھدیا۔ اور تیل والے کپّے میں سے سارا تیل نکالکر کڑاہا میں ڈالدیا۔ اور آنچ تیز کر دی۔ جب تیل خوب پک گیا تو ایک برتن لیکر نمبروار ہر کپّے میں ڈالتی چلی گئی۔ سارے ڈاکو کھولتے ہوئے تیل سے جل کر مر گئے۔ اس کے بعد مرجینہ نے علی بابا کے لئے شوربہ گرم کرنے کو رکھ کر اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ اور انتظار کرنے لگی کہ دیکھوں اب ڈاکوؤں کا سردار کیا کرتا ہے۔ ڈاکوؤں کے سردار کو جب یقین ہو گیا کہ سب گھروالے سو گئے ہوں گے تو وہ اٹھا اور کپّوں کے پاس جا کر آہستہ سے کہنے لگا کہ اٹھو کام کا وقت آ گیا لیکن وہاں سے کوئی جواب نہ ملا تو حیران ہو کر اس نے کپّوں کو دیکھا۔ وہ سارے ڈاکو تیل سے جلے ہوئے مردہ پڑے تھے۔ سردار گھبرا گیا۔ اور سمجھ گیا کہ میرا راز فاش ہو گیا ہے۔ مالک مکان نے ان سب کو ختم کر ہی دیا۔ اب مجھے بھی نہیں چھوڑیگا۔ چنانچہ وہ دیوار پھاند کر بھاگ گیا۔ دیر تک انتظار کے باوجود جب مرجینہ کو کوئی آواز نہ آئی تو وہ اٹھی اور سب کمروں کو دیکھا سردار کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو مردہ دیکھ کر بھاگ گیا ہوگا۔ اس کے بعد مرجینہ بھی اطمینان سے اپنے بستر پر لیٹ کر سو گئی۔

صبح کو علی بابا اٹھا اور غسل و تبدیل لباس سے فارغ ہو کر شوربہ پینے کیلئے باورچی خانے کیطرف گیا۔ تو دیکھا سب کپّے رکھے ہیں۔ اس نے مرجینہ سے کہا کہ شاید ہمارا مہمان ابھی سو کر نہیں اٹھا تم اس کے لئے ناشتہ تیار کر لو۔ تا کہ رخصت سے پہلے کچھ کھا پی لے۔ مرجینہ نے عرض کیا کہ کیسا سوداگر وہ تو ان ڈاکوؤں کا سردار تھا جن کی کمین گاہ میں آپ دو مرتبہ گئے تھے۔ اور جہاں قاسم قتل کیا گیا تھا آج وہ اپنے تمام ساتھیوں کو کپّوں میں بند کر کے ہمیں لوٹنے اور برباد کرنے آیا تھا۔ اس کے بعد اس نے رات کا کل واقعہ سنایا۔ کہ کس طرح تیل ختم ہونے کی وجہ سے میں کپّوں کے پاس گئی۔ اور ان میں سے آوازیں آئیں۔ اور کس طرح تیل گرم کر کے میں نے سب کو کپّوں کے اندر ہی ہلاک کر دیا علی بابا نے کپّوں کو جا کر دیکھا تو واقعی ہر کپّے میں ایک آدمی جلا پڑا تھا۔ اس نے مرجینہ کا بہت شکریہ ادا کیا۔ اور اپنے ملازموں کی امداد سے سب ڈاکوؤں کو ایک گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ ان کے ہتھیار اور خچروں پر اپنا قبضہ کر لیا اور اطمینان سے رہنے لگا۔

ڈاکوؤں کا سردار علی بابا کے گھر سے بھاگا تو سیدھا اپنے غار میں پہنچا اور دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ اب میں محفوظ ہوں اور اوسان درست ہوئے تو اس نے کل صورت حال پر غور کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی کہ علی بابا بہت ہوشیار اور زیرک دشمن ہے۔ اگر کسی وقت ذرا سی بھی چوک ہو گئی تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیگا۔ بہرحال اسے خیال آیا۔ کہیں اور چلا جاؤں لیکن جب اپنی اس دولت کا تصور آتا جو ہزاروں بار جان کو خطرے میں ڈال کر اس نے اکٹھی کی تھی۔ اور اب بلامحنت اس سے علی بابا مزے اڑا رہا تھا تو اس کے سینہ پر سانپ لوٹ جاتا۔ انتقام کی تیز آگ دل میں بھڑکنے لگی۔ ایک دن انہی خیالوں میں الجھا رہنے کے بعد ڈاکوؤں کا سردار اپنے محفوظ ٹھکانے سے باہر نکلا اور یہ سوچ کر شہر کی طرف چلا کہ جب علی بابا کے گھر سے انتالیس آدمیوں کی تیل سے جلی ہوئی لاشیں نکلی ہوں گی تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا ہو گا اور کیا تعجب ہے جو حکومت نے اس کو گرفتار ہی کر لیا ہو علی بابا کی امکانی گرفتاری کا خیال آ کر اس کے دل میں ایک قسم کی خوشی محسوس ہوئی۔ شہر میں پہنچ کر اس نے ایک سرائے میں قیام کیا۔ اور سرائے دار سے شہر کی خاص خاص خبروں کے متعلق دریافت کیا۔ سرائے کے مالک نے بہت سے قصے اور واقعات بتائے لیکن ان میں علی بابا کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ یہاں سے مایوس ہو کر ڈاکوؤں کا سردار بازار میں آیا اور جہاں دو چار آدمی کھڑے ہوئے باتیں کرتے نظر آتے وہ بھی جا کر سننے لگتا۔ لیکن تمام دن کوشش اور محنت کے باوجود اسے علی بابا کے متعلق کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی نہیں معلوم ہوئی۔ تھک ہار کر رات کو سرائے میں آ کر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ علی بابا سے نمٹنا آسان کام نہیں۔ جس آدمی نے انتالیس کڑیل جوانوں کی لاشیں خورد برد کر دیں۔ وہ کوئی چالاک اور ہوشیار آدمی ہو گا۔ دوسرے دن لباس تبدیل کر کے وہ پھر اسی تلاش میں نکلا اور اس محلے میں پہنچکر جہاں علی بابا رہتا تھا ایک دوکان پر بیٹھ گیا۔ اس نے مختلف لوگوں اور خود علی بابا کو کئی بار نہایت اطمینان سے اِدھر اُدھر پھرتے ہوئے دیکھا۔ تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی گو وہ علی بابا سے بیحد خوفزدہ ہو گیا تھا۔ لیکن انتقام کی آگ اس کے سینے میں سرد نہیں ہوئی تھی۔ اب اس نے ایک دوسری ترکیب سوچی۔ اور علی بابا کے لڑکے کی دوکان کے بالمقابل جواہرات کی دوکان کھول کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا نام خواجہ حسن اور سکونت مصر کی ظاہر کی۔ دو چار روز کے بعد اس نے علی بابا کے لڑکے سے تعلقات بڑہانے شروع کئے۔ گھنٹوں اس کی دوکان پر بیٹھتا اپنی سیاحت کے قصے سناتا۔ اور کاروبار کے متعلق اچھے سے اچھے مشورے اس کو دیتا۔ کئی بار اس نے علی بابا کے لڑکے کو اپنے یہاں مدعو کیا۔ سیر و شکار کے لئے لے گیا۔ اس طرح سے اس سے اپنی دوستی بڑھالی۔ کہ ایک دوسرے پر مکمل اعتبار کرنے لگے۔ ڈاکوؤں کے سردار کو یقین تھا کہ اسی طرح میرا آنا جانا علی بابا کے ہو جائے گا۔ اور جب کبھی موقع ملا اس سے اپنا انتقام لے کر رہوں گا

ایک روز علی بابا کے لڑکے عبداللہ نے بھی اپنے باپ کی اجازت سے خواجہ حسن کو اپنے گھر

مدعو کیا۔ علی بابا نے مرجینہ کو بلا کر عمدہ کھانے تیار کرنیکا حکم دیا اور ہدایت کی کہ عبداللہ کا کوئی جوہری مدعو ہے کھانوں میں کوئی ایسی کمی نہ رہ جائے جس سے اسے ہمارے متعلق کوئی بری رائے قائم کرنیکا موقع ملے عبداللہ اپنی دوکان پر آیا اور سویرے ہی خواجہ حسن کو لیکر سیر و تفریح کیلئے چلا گیا۔ شام کو اپنے مہمان کیساتھ گھر آیا۔ جہاں علی بابا نے خواجہ حسن کا اچھی طرح استقبال کیا اور اس کی تشریف آوری پر مسرت ظاہر کی۔ خواجہ حسن نے بھی موزوں الفاظ میں اس کا جواب دیا۔ اور ادہر ادھر کی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ اثنائے گفتگو میں خواجہ حسن نے دعوت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ میری طبیعت آج کل اچھی نہیں ہے۔ اور طبیب کی ہدایت کے مطابق نمک قطعاً نہیں کھاتا۔ علی بابا نے نہایت ہی اخلاق سے کہا۔ کہ کوئی مذائقہ نہیں اور مرجینہ کے پاس اطلاع کرادی کہ مہمان بعض وجوہ سے نمک نہیں کھاتا۔ اسلئے میٹھی چیزیں استعمال کی جائیں۔ مرجینہ یہ بات سنکر بہت حیران ہوئی۔ اور دل میں سوچا کہ ایسے مہمان کو ضرور دیکھنا چاہیئے جو نمک نہیں کھاتا۔ چنانچہ وہ کسی بہانے سے علی بابا کے پاس آئی اور غور سے خواجہ حسن کو دیکھ کر پہچان گئی۔ کہ یہ وہ ہی ڈاکوؤں کا سردار ہے۔ جو پہلے تیل کا سوداگر بن کر آیا تھا۔ اور غالباً میرے مالک سے انتقام لینے آیا ہے۔ اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ جب تک اس سردار کا انتظام نہیں کر دیا جائے گا۔ امن و اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے خیالات لئے ہوئے وہ باورچی خانے میں آئی۔ اور کھانا تیار کرنے لگی۔ جب کھانا دسترخوان پر چنا جا چکا اور سب لوگ کھانے کے لئے بیٹھ گئے۔ تو مرجینہ نے علی بابا کے ملازم عبداللہ کو بلایا کہ تم اپنا طبلہ وغیرہ اٹھالو اور میں گانے والیوں کا لباس پہن کر آتی ہوں۔ تاکہ اپنے مہمان کی مناسب خاطر و مدارات کی جائے۔ ابھی لوگ کھانے سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ مرجینہ عبداللہ کو لئے ہوئے اندر داخل ہوئی اور آداب بجالا کر علی بابا سے کہنے لگی کہ اگر اجازت ہو۔ تو مہمان کی خوشامد میں کچھ گا کر سناؤں۔ علی بابا اور خواجہ حسن مرجینہ کے سلیقہ سے بہت خوش ہوئے۔ اور اجازت دیدی۔ کہ گاؤ۔ جب کھانا ختم ہو چکا اور برتن اٹھائے گئے تو مرجینہ نے گانے کے ساتھ ناچنا بھی شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر اسی طرح رقص کرتی رہی۔ پھر اس نے ننگا خنجر ہاتھ میں لیکر یہ کہہ کر رقص شروع کیا کہ یہ رقص خنجر ہے علی بابا خواجہ حسن اور عبداللہ بار بار اس کو انعام دیتے اور وہ انعام لینے کے لئے ایک خاص طریقہ سے ناچتی ہوئی باری باری ہر ایک کے پاس جاتی۔ ایک دفعہ برہنہ خنجر ہاتھ میں بلند کر کے رقص کرتی ہوئی خواجہ حسن کی طرف چلی اور اس سے پیشتر کہ کوئی صورت حال کو سمجھ سکتا مرجینہ نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اپنا خنجر خواجہ حسن کے سینہ میں اتار دیا۔ وار اتنا اچانک اور سخت تھا کہ خواجہ حسن چند لمحے تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ علی بابا اور اس کا بیٹا سناٹے میں آگئے۔ اور جب اوسان بحال ہوئے تو مرجینہ سے پوچھنے لگے کہ تو نے یہ کیا غضب کیا۔

مرجینہ ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی اور دعائے درازی اقبال دے کر کہنے لگی کہ یہ شخص خواجہ حسن

نہیں ہے۔ وہی ڈاکوؤں کا سردار ہے۔ جو اب سے پہلے تین مرتبہ آپ کے قتل کی کوشش کر چکا ہے۔

مرجینہ کا خنجر لیکر چلنا

اور ابھی چند روز گذرے ہیں کہ اپنے چالیس آدمیوں کے ساتھ تیل کا سوداگر بن کر یہاں ٹھہرا تھا میرے خیال میں اب بھی اس کی نیت اچھی نہ تھی۔ سب سے پہلے اسوقت مجھے شبہ پیدا ہوا جب آپ نے اطلاع بھیجی کہ مہمان نمک نہیں کھاتا۔ میں ایک بہانے سے اُسے دیکھنے آئی۔ اور پہچان گئی تو مجھے یقین ہوگیا کہ اس نے نمک کھانے سے اسی لئے انکار کیا ہے۔ کہ آپ کا نمک خوار بن کر آپ پر ہاتھ اٹھانا اسے مشکل ہوتا۔ اب آپ اس کی جامہ تلاشی لیکر دیکھیے۔ مجھے یقین ہے کہ لباس میں ضرور کوئی آلہ قتل پوشیدہ ہوگا۔ چنانچہ مقتول کے کپڑے ہٹا کر دیکھا تو واقعی ایک خنجر اس کے پاس موجود تھا۔ علی بابا نے جب زیادہ غور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ خواجہ حسن دراصل وہی تیل کا سوداگر ہے جو پہلے آیا تھا۔ علی بابا نے مرجینہ کی دانائی اور ہوشیاری کی بہت تعریف کی اور اسی وقت اس کو آزاد کر کے اپنے بیٹے عبداللہ سے اسکا نکاح کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر ان سب نے مصنوعی خواجہ حسن کی لاش کو گہرے گڑھے میں دفن کر دیا۔

چند روز گذرنے کے بعد علی بابا نے مرجینہ کی شادی عبداللہ سے کر دی اور ایام عدت گذرنے کے بعد مرحوم قاسم کی بیوہ سے خود عقد کر لیا اور سب امن و چین سے رہنے لگے۔

یہ قصہ ختم کر کے شہرزاد نے بادشاہ کی طرف دیکھا۔ شہریار نے بڑی محبت سے اسکی کہانی

کی تعریف کی۔ اور کسی دوسرے نئے قصّے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ چنانچہ اس روز بھی شہرزاد کے متعلق کوئی حکم جاری نہیں ہوا۔ شہرزاد کے والد وزیر مملکت نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ غالباً اب شہریار اپنی اس دیرینہ عادت کو چھوڑ دیگا جو اس نے اپنی پہلی بیوی کی بیوفائی سے متاثر ہو کر اختیار کی تھی۔

علی خواجہ اور ایک تاجر کی کہانی

اگلی شب کو شہرزاد نے حسب معمول کہانی شروع کی۔

خلفائے عباسیہ کے عہد حکومت میں ایک مشہور و معروف بادشاہ ہارون الرشید گذرا ہے جس کی شوکت و سطوت سے دنیا کانپتی تھی۔ اسکا انصاف و عدل دور دور تک مشہور تھا۔ غریب اور زمانے کے ستائے ہوئے بے کس انسان اس کے ظل رحمت میں پناہ حاصل کرتے تھے۔ اسی خلیفہ کے زمانہ معدلت آثار میں ایک متوسط الحال تاجر علی خواجہ بغداد میں رہا کرتا تھا۔ جسکا نہ تو امراء بغداد میں شریک و شمار ہوتا تھا نہ ایسا مفلس تھا۔ کہ لوگ اسکے سائے سے بچیں۔ نہ وہ کسی کا مقروض تھا۔ نہ قرض خواہ۔ ایک دیانتدار چھوٹا سا سوداگر تھا۔ اپنے گھر میں تنہا۔ ماں باپ مر چکے تھے۔ بھائی بہن کوئی تھا ہی نہیں۔ شادی اس نے بالارادہ نہیں کی تھی۔ کیونکہ وہ یقیناً تساہل زندگی سے گھبراتا تھا۔ کفایت شعاری اور تنہا ہونیکی وجہ سے اس کے پاس ڈیڑھ ہزار اشرفیاں پس انداز ہو گئیں تھیں۔ یہی کل اثاثہ تھا۔ ایک روز خواب میں اس نے دیکھا کہ کوئی شخص اس سے کہہ رہا ہے کہ علی خواجہ تمہیں حج کرنا چاہیئے۔ تمہارے پاس کافی سرمایہ ہے صبح کو اٹھا تو اس نے معمولی بات سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ لیکن دوسری اور تیسری شب کو پھر اس نے یہی خواب دیکھا۔ تو طے کر لیا۔ کہ مجھے ضرور حج کے لئے جانا چاہیئے۔ چنانچہ سامان سفر درست کر کے اس نے پانچسو اشرفیاں تو اپنے ساتھ رکھ لیں۔ باقی ایکہزار کیلئے پریشان تھا کہ کہاں رکھوں۔ سفر میں اتنی بڑی رقم لئے پھرنا کسی طرح بھی موزوں نہیں تھا۔ سوچتے سوچتے اسے اپنے ایک دوست تاجر کا خیال آیا۔ جو بہت ہی نیک اور دیانتدار مشہور تھا۔ اس نے فوراً ایک گھڑے میں ہزار اشرفیاں گن کر رکھیں اور اوپر سے روغن زیتون ڈالدیا۔ پھر گھڑے کا منہ خام کر کے اپنے دوست کے یہاں لے گیا۔ سلام و دعا کے بعد علی خواجہ نے اپنے سفر حج کا ذکر کر کے گھڑا امانت رکھنے کی درخواست کی۔ تاجر نے مبارک باد دیتے ہوئے گودام کی کنجیاں علی خواجہ کو دیدیں۔ اور کہا کہ اپنی حسب مرضی جہاں مناسب معلوم ہو رکھدو انشاء اللہ اسی طرح واپس مل جائیگا۔ علی خواجہ نے گودام کھول کر اپنا گھڑا رکھدیا۔ اور خود سفر حج کے لئے روانہ ہو گیا۔ فریضۂ حج سے فراغت کے بعد چونکہ کافی سرمایہ بچ گیا تھا اسلئے علی خواجہ نے مختلف مال خرید لیا اور جدہ وغیرہ ہوتا ہوا مصر جا پہونچا۔ جہاں کاروبار میں اس کو کافی منافع ہوا۔ پھر یہاں سے مال خرید کر یروشلم۔ بیت اللحم یہاں حضرت عیسیٰ کو یہود نے مصلوب کرنے کی کوشش کی تھی۔ دیکھتا ہوا مسجد اقصیٰ کی زیارت کے لئے بیت المقدس گیا اور وہاں سے کچھ مال ادل بدل کر کے دمشق آیا

کچھ دن یہاں ٹھہرا اور پورے سات ماہ کے سفر و کاروبار کے بعد بغداد میں داخل ہوا۔
علی خواجہ کے حج کے جانے کے بعد اس کا دوست تاجر یہ بھی بھول گیا کہ اس کے پاس کوئی امانت رکھی ہے۔ یا نہیں۔ یہاں تک کہ حجاج واپس آئے اور علی خواجہ کا ذکر چھڑا۔ تو اسے یاد آیا۔ اس کا روغن زیتون کا ایک گھڑا میرے پاس رکھا ہوا ہے۔ وہ اپنے دوست کی واپسی کا منتظر رہا۔ لیکن ساڑھے چھ ماہ گذر گئے اور علی خواجہ واپس نہ آیا۔
ایک روز رات کو انہیں روغن زیتون کی ضرورت پیش آئی۔ بازار بند تھا سوداگر نے اپنی بیوی سے ذکر کیا۔ کہ علی خواجہ حج کو جاتے ہوئے اپنا روغن زیتون میرے پاس امانت رکھوا گیا تھا۔ اس میں سے تھوڑا سا تیل نکال لو۔ اس کی بیوی نے منع کیا۔ کہ امانت میں تصرف ناجائز ہے۔ اس کو نہ چھیڑو۔ لیکن وہ نہ مانا۔ اور کہنے لگا کہ اتنی مدت گذر گئی۔ اس کا آج تک کچھ پتہ نشان نہیں ملا۔ کیا تعجب ہے مر گیا ہو۔ اگر آ ہی گیا تو اس کو بتا دونگا۔ اور جتنا تیل لیا ہے واپس کر دوں گا۔ بیوی پھر بھی منع کرتی رہی۔ لیکن سوداگر کنجی لیکر تیل لینے چلا گیا۔ وہاں جا کر اس نے گھڑا کھولا۔ اور تیل نکالکر گھر آنے لگا تو تیل میں اس کو اشرفی نظر آئی جو غالباً تیل لیتے ہوئے پھسل کر باہر آ گئی تھی۔ سوداگر کو بہت تعجب ہوا۔ اور وہ دوبارہ گودام میں آیا۔ گھڑا کھول کر اچھی طرح دیکھا تو اس میں اشرفیاں بھری ہوئی تھیں۔ اس نے ہنس کر دل میں کہا کہ علی خواجہ بڑا چالاک آدمی تھا۔ خوب حفاظت کا انتظام سوچا۔ اس کے بعد تاجر نے سب کی سب اشرفیاں نکال لیں کچھ تو اشرفیاں نکلنے سے اور کچھ تیل نکال لینے کی وجہ سے گھڑا خالی ہو گیا۔ دوسرے روز اس نے تازہ روغن زیتون لے کر گھڑے میں بھر دیا اور منہ بند کر کے وہیں رکھ دیا جہاں علی خواجہ چھوڑ گیا تھا۔
اس واقعہ کو بھی دو تین ماہ گذر گئے۔ اتفاقاً اس وقت گھومتا پھرتا علی خواجہ بغداد آ گیا۔ اور ایک روز آرام کر کے اپنے دوست سے ملنے گیا۔ اس نے بڑی آؤ بھگت کی اور حج سے فارغ ہونے پر مبارکباد دی۔ پھر کچھ دیر علی خواجہ اپنے سفر کا حال سناتا رہا۔ جب چلنے لگا تو اپنی امانت کا سوال کیا۔ تاجر نے نہایت لاپرواہی سے کنجیاں اس کے آگے ڈالدیں۔ اور کہا کہ جہاں آپ نے وہ گھڑا رکھا ہوگا وہیں سے دیکھ کر اٹھا لیجئے۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ کی امانت کونسی ہے۔ علی خواجہ گودام میں گیا اور اپنا گھڑا پہچان کر اٹھا لیا۔ باہر آ کر دوست کا شکریہ ادا کیا اور خوشی خوشی اپنے گھر پہنچا۔ گھڑا کھول کر جب اشرفی نکالنے کا ارادہ کیا۔ تو دیکھا گھڑا خالی ہے صرف روغن زیتون بھرا ہوا ہے۔ علی خواجہ گھبرا گیا اور الٹے پیروں دوست کے پاس آ کر کہا۔ کہ میں نے جو گھڑا آپ کے پاس امانت رکھوایا تھا اس میں ایکہزار اشرفیاں تھیں۔ اگر آپ نے کسی ضرورت سے استعمال فرمالیں ہیں تو مجھے بتا دیجئے۔ اور جب گنجائش ہو گی۔ مجھے دیدینا

تاجر نے بڑی کڑی نظروں سے دیکھ کر اشرفیوں کے متعلق صاف انکار کر دیا۔ اور کہنے لگا کہ تم نے تو مجھ سے صرف تیل کا ذکر کیا تھا۔ اسوقت تو اشرفیوں کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ اب تم اشرفیاں بتانے لگے۔ مجھے معلوم نہیں۔ علی خواجہ نے منت خوشامد کی دھمکیاں دیں لیکن بے سود رہا۔ آخر مجبور ہو کر روتا پیٹتا گھر چلا آیا۔ وہ دن اور تمام رات اس نے بڑے رنج وغم میں گذاری۔ صبح کو چند دوستوں سے ذکر آیا وہ بھی افسوس کرنے لگے۔ آخر تجویز یہ ہوئی کہ قاضی کے یہاں مرافعہ کیا جائے۔ علی خواجہ نے قاضی کے سامنے اپنا معاملہ رکھا۔ تاجر نے صاف لفظوں میں انکار کیا۔ بلکہ ایک شخص کو شہادت میں بھی پیش کر دیا کہ علی خواجہ نے امانت رکھتے ہوئے صرف یہ ہی کہا تھا کہ میں اپنا روغن زیتون کا گھڑا رکھ کر جا رہا ہوں۔ اشرفیاں رکھنے کا ذکر تک نہیں آیا۔ قاضی نے عدم ثبوت میں دعوےٰ خارج کر دیا۔ مقدمہ کی کافی شہرت ہو گئی تھی۔ بغداد میں اس واقعہ کا ہر جگہ ذکر تھا۔ بعض لوگ علی خواجہ کو مظلوم سمجھتے تھے اور بعض کا خیال تھا کہ وہ بد دیانتی کر رہا ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ علی خواجہ نے اپنا معاملہ بالآخر خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں پیش کیا۔ خلیفہ نے دوسرے روز دونوں فریق کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ رات کو جب معمولی لباس تبدیل کر کے خلیفہ جعفر و مسرور گشت کے لئے نکلے۔ اور لوگوں کے حالات دیکھے۔ عمال کے متعلق لوگوں کی رائے آتی۔ سنتے ایک محلہ میں جا نکلے جہاں کچھ لڑکے اکٹھے ہو کر کھیل رہے تھے۔ اتفاقاً جوقت ایک بڑے لڑکے نے تجویز پیش کی کہ آؤ قاضی کا کھیل کھیلیں میں قاضی بنتا ہوں اور تم علی خواجہ اور تاجر کا مقدمہ پیش کرو۔ قاضی صاحب کا فیصلہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں انصاف کروں گا۔ قاضی نے جعفر سے متوجہ ہو کر کہا کہ بچوں کا تماشہ دیکھ کر چلیں گے۔ ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ دیکھیں اس معاملہ کے متعلق لوگوں کی ذہنیت کیا ہے۔ کیونکہ یہ بچے وہ ہی کریں گے اور کہیں گے جو دوسرے لوگوں سے سنتے ہوں گے۔

ان لڑکوں میں سے بڑا لڑکا تو قاضی صاحب بنکر بیٹھ گیا۔ ایک لڑکا علی خواجہ مدعی بنا۔ دوسرے کو تاجر بنایا گیا۔ اور چند بچے سپاہی تجویز ہوئے۔ علی خواجہ نے اپنا دعوےٰ پیش کیا کہ آج سے سات سال پہلے میں نے ایک گھڑے میں ایکہزار اشرفیاں رکھ کر اوپر روغن زیتون بھر دیا تھا اور وہ گھڑا حج کو جاتے ہوئے اس تاجر کے پاس بطور امانت چھوڑ گیا تھا۔ بعض خاص حالات کیوجہ سے آنے میں دیر ہو گئی۔ جب واپس آ کر میں نے اپنا گھڑا مانگا تو اس نے مجھے اپنے گودام سے گھڑا اٹھوا دیا میں اس کو لیکر گھر آ گیا اور جب کھول کر دیکھا تو اس میں صرف تیل تھا۔ اشرفی ایک بھی نہیں تھی۔ قاضی نے علی خواجہ سے سوال کیا کہ کیا گھڑا رکھتے ہوئے تم نے اس کو بتایا تھا کہ اس میں اشرفیاں ہیں۔ علی خواجہ نے جوابدیا۔ "نہیں"۔ پھر اس لڑکے نے جو قاضی بنا ہوا تھا تاجر سے سوال کیا۔ کہ تم کیا کہتے ہو۔ تاجر نے جواب دیا کہ مجھے اس کی اشرفیوں کا کوئی علم نہیں ہے۔ عام حالات میں اس شبہ کی بھی کوئی وجہ نہیں تھی کہ گھڑے میں مال ہو گا۔ کیا میں اسی کے لئے گھڑا کھول کر دیکھتا۔ اس کے علاوہ میں قسم کھانے

لڑکوں کا قاضی بنکر فیصلہ کرنا

کو بھی تیار ہوں۔ قاضی نے کہا ٹھیک پھر علی خواجہ سے متوجہ ہو کر کہا کہ وہ گھڑا لاؤ جسمیں اشرفیاں تھیں۔ لڑکے نے ایک گھڑا لا کر رکھدیا قاضی لڑکے نے اس کو دیکھا۔ اور پھر سپاہیوں سے کہا کہ شہر سے چند تیل فروشوں کو بلا لاؤ۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جو تیل گھڑے میں بھرا ہوا ہے۔ وہ سات سال پرانا ہے۔ یا تازہ۔ سپاہی لڑکے تین چار لڑکوں کو لائے اور قاضی کے سامنے پیش کیا۔ قاضی نے ان سے کہا کہ تم اس گھڑے کا تیل دیکھ کر ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ یہ کتنی مدت کا ہے۔ ان لڑکوں نے جھوٹ موٹ تیل دیکھا۔ اور پھر چکھا اور آپس میں مشورہ کر کے کہا کہ حضور تیل دیکھا اور یہ تیل زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کا نکلا ہوا ہے۔ قاضی نے کہا تم کیسے کہتے ہو کہ تیل اتنی مدت کا ہے۔ مدعی و مدعا علیہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تیل کم از کم سات سال پرانا ہے۔ تیل فروشوں نے کہا کہ ہماری عمر اسی کام میں گذری ہے کیا ہم نئے اور پرانے تیل کو شناخت نہیں کر سکتے۔ یہ تیل ہرگز زیادہ دنوں کا نہیں ہو سکتا۔ اس کا مزہ بالکل ٹھیک ہے۔ رنگ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پرانے تیل میں چکٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ جو اس میں بالکل موجود نہیں۔ آپ سب حاضرین اس کو چکھ کر دیکھیں بالکل تازہ زیتون کی خوشبو آرہی ہے۔ قاضی نے تاجر کو مخاطب کر کے کہا کہ اچھا اب ان سب کو جانے دو تم خود چکھ کر بتاؤ کہ تیل نیا ہے۔ یا پرانا۔ اینہ تاجر ڈر گیا اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگا۔ حضور مجھے معاف فرمائیں۔ بیشک مجھ سے غلطی ہوئی اور میں نے ہی اس کی اشرفیاں

نکالی ہیں۔ میں اس کو زر نقد دینے کو تیار ہوں اور جو کچھ آپ جرمانہ فرمائیں وہ بھی ادا کر دوں گا۔ نقلی قاضی نے کہا ہرگز نہیں۔ تم سب بددیانت ہو اور تم نے خیانت کا اتنا بڑا جرم کیا ہے کہ اس کی سزا معمولی نہیں ہو سکتی۔ میں تمہیں پھانسی کی سزا دیتا ہوں۔ قاضی کا فیصلہ سنکر لڑکے تالیاں پیٹنے لگے اور کھیل ختم کر کے اپنے اپنے گھر کو چلے گئے۔

خلیفہ اور جعفر لڑکوں کی ذہانت اور کارروائی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ خلیفہ نے جعفر کو مخاطب کر کے کہا۔ کل ان بچوں کو دربار میں طلب کرو۔ میں علی خواجہ کے مقدمہ کا فیصلہ انہی سے کراؤں گا۔ اس لڑکے کی ہوشیاری دیکھ کر میں بہت خوش ہوا ہوں۔ جعفر بھی دیر تک تعریف کرتا رہا۔ اور کہنے لگا کہ شاید ایسا اچھا فیصلہ تو ہم بھی نہ کر سکتے۔ خلیفہ نے کہا۔ ہاں بہت عجیب اتفاق ہے اس کے بعد سب واپس چلے آئے۔ دوسرے روز جعفر نے علی خواجہ کو اطلاع بھیجی کہ اپنے ساتھ وہ متنازعہ گھڑا بھی لیتا آئے۔ سب بچوں کو بلا کر اس نے خوب شاباش دی اور ہمت دلائی کہ جس طرح رات کو تم نے فیصلہ کیا تھا۔ اسی طرح خلیفہ کے سامنے کرنا۔ تمہیں بہت انعام ملیگا۔ پھر سب کو خلیفہ کے حضور میں پیش کیا۔ خلیفہ نے لڑکے کو بڑی محبت سے اپنے پاس بٹھا کر کہا کہ اب اس مقدمہ کا فیصلہ تم ہی کرو۔ لڑکے نے علی خواجہ سے کہا کہ آپ اپنا دعویٰ پیش کیجئے۔ علی خواجہ نے سارا واقعہ سنایا۔ پھر لڑکے نے تاجر سے کہا۔ آپ کیا چاہتے ہیں۔ اس نے انکار کیا۔ لڑکے نے خود تیل کو چکھ کر حکم دیا کہ تیل فروش بلائے جائیں۔ چنانچہ اسی وقت حاضر کئے گئے۔ انہوں نے تیل کو دیکھ کر بتایا کہ تیل بالکل نیا ہے۔ پھر لڑکے نے سب اہل دربار سے کہا کہ آپ بھی دیکھ لیجئے۔ اس کے بعد وہ تاجر سے مخاطب ہو کر بولا کہ تم نے بھی ا۔ سب حاضرین اس تیل کو نیا بتاتے ہیں حالانکہ تم اور خواجہ دونوں تسلیم کرتے ہو کہ یہ گھڑا سات سال پہلے رکھا گیا تھا۔ اب اگر تم نے اس کو نہیں کھولا اور اشرفیاں نکال کر اس میں دوسرا تیل نہیں ڈالا تو پھر کہاں سے آیا۔ خلیفہ نے بہ نگاہ قہر سوداگر کیطرف دیکھ کر کہا جواب دو۔ سوداگر خوف سے کانپ گیا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر اقرار جرم کر لیا اور معافی مانگنے لگا۔ لڑکے نے خلیفہ کی طرف دیکھ کر دست بستہ عرض کیا کہ حضور فیصلہ تو ہو گیا۔ اب سزا دینا یا معاف کرنا آپکا کام ہے۔ خلیفہ نے یہ سنکر لڑکے کو بہت پیار کیا۔ تمام دربار اس کی ذہانت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ خلیفہ نے قاضی شہر کو تنبیہ کی کہ آئندہ غور سے مقدمے سنا کرو۔ سوداگر کو حکم دیا کہ وہ علی خواجہ کی اشرفیاں واپس کرے اور چھ ماہ جیل خانے میں رہے۔ اس کے بعد خلیفہ نے لڑکے کو ایکہزار اشرفیاں انعام دیں اور اسکے والد کو حکم دیا کہ اس کی تعلیم میں پوری جدوجہد کرے۔ انشاء اللہ یہ لڑکا آئندہ قابل شخص ہو گا۔

یہ کہانی سنا کر شہرزاد نے عرض کیا کہ کل انشاء اللہ کل کے گھوڑے کا قصہ سناؤں گی جو بڑی دلچسپ داستان ہے۔

کل کے گھوڑے کا قصّہ

رات کو جب بادشاہ بستر استراحت پر لیٹ چکا تو دنیا زاد نے کل کے گھوڑے کی کہانی کی فرمائش کی۔ شہرزاد نے شہریار سے اجازت لیکر اس طرح قصہ شروع کیا۔

ایران قدیم میں جب وہاں کا مذہب آتش پرستی تھا۔ ایک بادشاہ گذرا ہے جو بہت ہی عادل اور انصاف پسند تھا۔ رعایا دل شاد ملک آباد۔ بڑے امن و چین سے وقت گذر رہا تھا۔ بادشاہ کا دستور تھا کہ سال کے پہلے دن عید نوروز مناتا۔ سب امیر و غریب شہر سے باہر ایک میدان میں جمع ہوتے۔ مختلف قسم کے کھیل کود دکھائے جاتے۔ نیزہ بازی تیر اندازی گھوڑ دوڑ کے مقابلے ہوتے۔ بادشاہ بہ نفس نفیس اس تقریب میں شریک ہوتا۔ اس روز بادشاہ کے سامنے نذریں پیش کی جاتیں اور دور دور سے لوگ عجیب و غریب چیزیں لاکر پیش کرتے۔ اور انعام پاتے۔ اس قسم کے ایک نوروز میں ایک ہندوستانی کاریگر نے ایک لکڑی کا گھوڑا پیش کیا جو سونے چاندی کے ساز سے مزین تھا۔ بادشاہ نے اس کو دیکھ کر پوچھا کہ اس میں کیا خاص بات ہے۔ یوں تو لکڑی کا گھوڑا یہاں بھی ہر کاریگر بنا سکتا ہے۔ ہندوستانی کاریگر نے عرض کیا کہ حضور یہ کل کا گھوڑا ہے۔ اس پر سوار ہو کر آسمان پر اڑ سکتے ہیں۔ اور جب چاہیں نیچے اتر سکتے ہیں۔ بادشاہ یہ سن کر بہت حیران ہوا۔ اور کہنے لگا کہ اگر واقعی اس میں یہ کمال ہے تو اس کے نادر و نایاب ہونے میں کلام نہیں۔ لیکن بغیر تجربہ کے کیا اطمینان کیا جاسکتا ہے۔ کاریگر نے کہا کہ آپ حکم دیں۔ میں اس کا کام آپ کو دکھاؤں۔ بادشاہ نے کہا کہ فلاں پہاڑ پر ایک قسم کا درخت ہے اس کا پتہ لاؤ۔ ہندوستانی کاریگر نے جھک کر سلام کیا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر اس کی ایک کل مروڑی۔ گھوڑا زمین سے بلند ہو کر آسمان کی طرف اڑنے لگا۔ یہاں تک کہ دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گیا بادشاہ اور حاضرین اس کرامات سے بہت متعجب ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ پھر وہی گھوڑا اترتا ہوا دکھائی دیا اور لمحہ بھر میں زمین پر آکر ٹھہر گیا۔ کاریگر نے گھوڑے سے اتر کر مطلوبہ پتہ بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ نے گھوڑے اور کاریگر کی بہت تعریف کی اور کہنے لگا کہ بیشک یہ عجائبات عالم میں سے ایک چیز ہے اور میں اس کو لینے کے لئے تیار ہوں۔ بتاؤ تم اس کے عوض میں کیا لینا چاہتے ہو۔ کاریگر نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ بادشاہ نے امان دی کاریگر کہنے لگا کہ مجھے روپیہ پیسہ کی ضرورت نہیں۔ حضور میری شادی اپنی شہزادی سے کردیں۔ بس یہ ہی اس گھوڑے کی قیمت ہے۔ کاریگر کی آواز سنکر حاضرین سناٹے میں آگئے۔ لیکن شاہ ایران ناراض نہیں ہوا اور گہری سوچ میں پڑ گیا۔ بادشاہ کے لڑکے شہزادہ فیروز نے سوچا کہ گھوڑے کی ذات دیکھ کر والد پسند کرچکے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شادی کا اقرار کرلیں اور سارے زمانے میں ہماری سبکی ہو کہ شاہ ایران کا داماد ایک بڑھئی ہے۔ اس گھوڑے کا کچھ انتظام کرنا چاہئے۔ پھر اس نے خیال کیا کہ کیوں نہ میں اس

پر سوار ہو کر اڑ جاؤں اور چند روز کہیں غائب رہوں۔ والد یہ سمجھ کر کہ میں اس کل کے گھوڑے کی بدولت ہلاک ہو گیا ہوں۔ اس کاریگر کو یا تو قتل کرادیں گے یا ملک بدر کر دیں گے۔ اور اس طرح ہم اس ننگ سے بچ جائیں گے۔ چنانچہ اس سے پیشتر کہ بادشاہ کاریگر کو کچھ جواب دیتا شہزادہ فیروز آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ آپ کے اقرار و انکار سے پہلے میں بھی اس گھوڑے کا تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا بیشک تم بھی امتحان کر لو۔ کیونکہ یہ عجیب چیز روئے زمین پر کسی دوسرے بادشاہ کے پاس نہیں ہوگی اور میں اس کو ضرور حاصل کرونگا اور پھر اس سے پہلے کہ کاریگر کچھ کہہ سکتا شہزادہ گھوڑے پر ایک دم سوار ہوا اور اڑنے والی کل گھمادی۔ گھوڑا ایک دم اوپر اٹھا اور آناً فاناً میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

فیروز کا کل کے گھوڑے پر اُڑنا

جب شاہزادہ فیروز اس طرح اڑ کر چلا گیا تو ہندوستانی کاریگر آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ حضور شاہزادے نے میری بات تک نہیں سنی اور کل گھما کر گھوڑے کو اڑا لے گئے۔ میرے خیال میں انھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اسکو نیچے کس طرح اتارنا چاہیئے۔ کئی کلیں اسمیں اور بھی لگی ہوئی ہیں۔ بعض سے رفتار تیز ہوتی ہے۔ بعض اسکا رخ بدلتی ہیں۔ کچھ بلندی کو گھٹاتی بڑھاتی ہیں۔ اگر نیچے اتارنے والی کل نہ ملی تو شاہزادہ معلوم نہیں کب تک اسطرح ہوا میں اڑتے رہیں گے۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ ضرورت کے وقت وہ مجبوراً ساری کلوں کو ہلائیں گے تو کسی نہ کسی موقع پر نیچے اترنے کی کل بھی ہاتھ لگ جائے گی پھر بھی کتنی مصیبت اور پریشانی انھوں نے اپنی جلد بازی سے پیدا کر دی۔ بادشاہ یہ سنکر بہت پریشان ہوا اور کہنے لگا کہ اگر فیروز نے اتفاقاً نیچے اترنے والی کل گھمادی۔ اور نیچے اتر ہی آیا۔ لیکن وہ جگہ دریا یا پہاڑ ہوئی تو کیا ہوگا۔ کاریگر نے کہا کہ گھوڑا نیچے تک تو صحیح سالم اتار لائے گا۔ اس کے بعد کی ذمہ داری نہیں لی جاسکتی

بادشاہ نے کہا کہ اگر شاہزادہ بخیروخوبی واپس نہ آیا تو میں تمہیں قتل کردونگا۔ کاریگر نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ حضور اس میں میرا کیا قصور ہے۔ شاہزادے نے گھوڑے کی پوری ترکیب نہ سمجھی۔ مجھے اس کا کوئی حال تک نہ کہنے دیا۔ اور اس پر بیٹھ کر پرواز کرنا شروع کردی۔ میرے پاس ایسا کیا ذریعہ تھا کہ میں ان کو روک سکتا۔ بادشاہ نے کہا خیر دیکھا جائے گا۔ لیکن شاہزادے کی واپسی تک تم یہاں سے نہیں جاسکو گے۔ پھر اس نے کوتوال کو حکم دیا کہ اس کو اپنی نگرانی میں رکھو۔ اس کے بعد بادشاہ بڑی سراسیمگی کے عالم میں محل کیطرف چلا اور سارا میلہ درہم برہم ہوگیا۔

شہزادہ فیروز گھوڑے پر سوار ہو کر اڑنے کو تو اڑ گیا۔ لیکن جب اتنی بلندی پر پہنچا کہ زمین نظر آنی بند ہوگئی۔ تو گھبرایا۔ اور گھوڑے کو اتارنے کے لئے مختلف کلوں کو گھمانے لگا۔ لیکن جوں جوں وہ پرزوں کو ہلاتا بلندی بڑھتی جاتی۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے پہاڑ ریت کے ذرا ذرا سے ٹیلے معلوم ہونے لگے۔ اسوقت فیروز کی طبیعت اتنی گھبرائی کہ ممکن تھا وہ اپنا توازن کھو بیٹھتا لیکن بڑی جدوجہد سے اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور اوسان بحال کر کے سوچا کہ کوشش جاری رکھنی چاہیئے بہرحال اسمیں اترنے کیلئے کوئی پرزہ ضرور ہوگا۔ بڑی دیر کی کوشش کے بعد آخر اس کو بائیں جانب ایک کل ملی جب اسکو گھمایا تو گھوڑا نیچے اترنے لگا۔ فیروز کو بہت تسلی ہوئی اور وہ آہستہ آہستہ ایک جگہ آکر اتر گیا۔ یہ رات کا وقت تھا اس کو کوئی اندازہ نہیں ہوسکا کہ میں کہاں ہوں۔ گھوڑے سے اتر کر جب اس نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ کسی محل کی چھت پر کھڑا ہے۔ وہ خوفزدہ ہوگیا کہ اگر کسی نے مجھے دیکھ لیا تو کیا خیال کریگا۔ ممکن ہے چور سمجھ کر گرفتار کرلیا جاؤں۔ دیر تک اسی کشمکش و پیچ میں رہا۔ لیکن اب نہ کوئی جائے رفتن تھی اور نہ پائے ماندن۔ آخر فیصلہ اس نے یہی کیا کہ جو کچھ بھی ہو نیچے اتر کر دیکھنا چاہیئے کہ کس کا مکان ہے۔ ممکن ہے میری حالت پر اس کو رحم آجائے۔ لیکن اگر امید کے خلاف کوئی خطرہ نظر آیا تو گھوڑے پر سوار ہو کر اڑ جاؤنگا۔ یہ طے کر کے شہزادہ فیروز زینہ کی تلاش میں ادھر ادھر پھرنے لگا۔ معمولی جستجو کے بعد اسکو نیچے اترنے کا راستہ مل گیا۔ اور آہستہ آہستہ بغیر کسی آہٹ کے اترنے لگا۔ اندر سے محل نہایت آراستہ و پیراستہ تھا ہر طرف کافی شمعیں جل رہی تھیں۔ دالان میں کئی خواجہ سرا آرام کی نیند سو رہے تھے اس سے آگے کمرے میں چند نہایت حسین سلونی رنگ کی کنیزیں محو خواب تھیں۔ شہزادے نے اندازے سے معلوم کرلیا کہ یہ شاہی زنانہ محل ہے۔ ہمت کر کے اور آگے بڑھا۔ تو ایک کمرے کے دروازے پر ریشمین کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ جابجا نہایت نایاب تصاویر آویزاں تھیں۔ اندر گیا تو دیکھا کہ نازک سے چھپر کھٹ پر ایک نازنین ماہ طلعت رشک گلزار جمال نوعمر شہزادی شب خوابی کے لباس میں آسودہ خواب ہے فیروز رعنائی جمال دیکھ کر ہزار جان سے عاشق ہوگیا۔ اتفاقاً اسیوقت شہزادی کی آنکھ کھل گئی اور وہ اپنے کمرے میں ایک غیر شخص کو دیکھ کر ڈر گئی اور قریب تھا کہ اس کی چیخ نکل جائے۔ لیکن شاہزادے نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ کسی سزا سے پہلے میری داستان مصیبت سن لیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ عجیب و غریب روداد سنکر آپ

بھی مجھ سے ہمدردی کرنے پر مجبور ہو جائینگی۔ شہزادی اس عرصہ میں اپنے اوسان بحال کر چکی تھی۔ اب جو اس نے فیروز کو غور سے دیکھا تو اس کے دل میں بھی ایک بعید کونے میں پیار جاگ اٹھا تھا۔ شہزادی نے کہا۔ کہ بیٹھ جاؤ۔ اور مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور کسطرح یہاں تک پہونچے۔ شہزادے نے ایک طرف بیٹھکر اپنا واقعہ سنایا کہ میں ایران کا شاہزادہ ہوں۔ آج صبح عید نوروز کے بعد ایک ہندی کاریگر کل کا گھوڑا لایا۔ جس کو میرے والد نے تجربے کے بعد بیحد لپسند کیا۔ لیکن اس کاریگر نے معاوضہ میں بادشاہ سے بیٹی کا رشتہ مانگا۔ میں غیرت کے جوش میں بغیر گھوڑے کی پوری ماہیت دریافت کئے اس پر بیٹھ گیا اور اڑ گیا۔ لیکن اترنا نہ جانتا تھا۔ تمام دن ہوا میں اڑتا رہا۔ اور یہ ارادہ تھا اس کو کہیں تباہ کردوں گا۔ تاکہ ایک ادنیٰ کاریگر سے بہن کی شادی روک سکوں میں اڑ تو گیا اب بمشکل اترنے کی کل معلوم ہونے پر اندھیرے میں آپ کے محل کی چھت پر اتر گیا اور راستے کی تلاش میں یہاں تک آیا۔ لیکن آہ یہاں تک آکر میں اپنے آپ کو بھول گیا۔ شہزادی فیروز کا آخری فقرہ سنکر شرما گئی۔ اور پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگی۔ کہ آپ کی داستان واقعی عجیب ہے۔ لیکن آپ اطمینان رکھئے کہ یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں صبح کو آپ کا کل کا گھوڑا بھی دیکھوں گی۔ اس کے بعد اس نے اپنی خواصوں کو جگایا اور سب حال بیان کرکے یہ بھی کہدیا۔ اس شاہزادے کو میں پیار کرنے لگی ہوں۔ چند روز یہاں مہمان رکھوں گی۔ اس کا راز کسی پر ظاہر نہ ہو۔ کنیزوں نے اٹھکر اسی وقت شاہزادے کیلئے کھانا تیار کیا۔ شہزادہ فیروز کھانا کھا چکا تو ایک الگ کمرے میں اس کے سونے کا انتظام کردیا گیا۔ دوسرے روز شہزادی نے کہلا بھیجا کہ تم ابھی باہر نہ نکلنا میں وہیں آکر گفتگو کروں گی۔ فیروز ضروریات سے فارغ ہوکر اس کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں شہزادی آئی اور مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔

دوران گفتگو میں شہزادے کو معلوم ہوا کہ جہاں میں آج کل ہوں یہ ملک بنگالہ ہے اور میری بہتر یہاں کی شہزادی ہے۔ بنگالی شہزادی نے بڑی احتیاط سے اسکو اپنے محل میں رکھا۔ چند روز میں دونوں بے تکلف ہوگئے۔ فیروز نے اپنی محبت کا اظہار کردیا۔ شہزادی نے شرماکر اس کی پوری پذیرائی کی اور ایک روز وہ کہنے لگی کہ آپ میرے والد سے ملیں۔ اور اظہار مدعا کریں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ منظور کریں گے شاہزادے نے عذر کیا کہ اس غریب الوطنی کی حالت میں کیسے ان کو یقین آئے گا۔ میرا ملک یہاں سے بہت دور ہے۔ اگر وہاں سے خبر وغیرہ منگائی گئی تو برس گذر جائیں گے۔ میں اپنے والد کا اکیلا بیٹا ہوں اور وہ اتنی محبت کرتے ہیں کہ اگر میری اطلاع انھیں جلد ہی نہ ملی تو ممکن ہے جانبر نہ ہوسکیں گے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میں اور تم کل کے گھوڑے پر سوار ہوکر ایران چلیں۔ وہاں میں اپنے والد کو شادی کے لئے تیار کرلونگا اور جب ایکدفعہ یہ فرض ادا کیا تو انہی کی معرفت تمہارے والد سے بات چیت ہو جائے گی اور اسطرح امید ہے وہ بھی ہمیں معاف کردیں گے۔ شہزادی بنگالہ جو فیروز سے بیحد محبت کرنے لگی تھی۔ راضی ہو گئی اور ایک روز دونوں ملازمین کی نگاہوں سے بچ کر کل کے

گھوڑے پر سوار ہو کر ایران جا پہونچے۔ شہزادے نے بیرون شہر اپنے ایک محل میں اسکو ٹھہرایا اور داروغہ محل کو تاکید کردی کہ شہزادی کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اسکے بعد خود باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ ایران بیٹے کے واپس آجانے سے بہت خوش ہوا جشن عام کا حکم دیا اور وہ ہندی کاریگر بھی چھوڑ دیا گیا۔ فیروز نے اپنی ساری داستان سنائی۔ اور عرض کیا کہ شہزادی کو پورے اعزاز سے شہر میں لایا جائے شاہ ایران نے اسیوقت حکم دیدیا کہ شہزادی کو احترام سے لائیں۔ فیروز امراء وزراء کو لے کر اسکے استقبال کو روانہ ہوا۔

ہندوستانی کاریگر چھوٹ کر باہر آیا تو اس کو سب حالات معلوم ہوئے۔ وہ دل میں جلا ہوا تھا۔ سیدھا بیرون شہر محل میں پہنچا اور داروغہ سے کہا کہ کل کے گھوڑے میں کچھ خرابی ہوگئی ہے مجھے شاہزادے نے حکم دیا ہے کہ اسکو درست کروں۔ اس نے اجازت دیدی۔ کاریگر محل کے اندر گیا اور شاہزادی بنگلہ کو زبردستی گھوڑے پر سوار کر کے لے اڑا۔ فیروز جب حشم و خدم کے ساتھ وہاں پر پہونچا تو گھوڑا اور شاہزادی دونوں غائب تھے۔ داروغہ سے حال دریافت کیا تو اس نے ہندی کاریگر کی آمد کا حال سنایا۔ شہزادے نے سر پیٹ لیا۔ اور اسی وقت فقیرانہ لباس پہنکر اس کی تلاش میں نکلا۔ باپ نے ہرچند روکا۔ لیکن وہ نہ مانا۔ زاد راہ کے طور پر ایک ڈبیہ میں کچھ جواہرات لئے اور ایک سمت کو روانہ ہوگیا۔

کاریگر شہزادی کو لیکر کشمیر کے ایک جنگل میں اترا اور وصل کا خواہشمند ہوا۔ شاہزادی نے انکار کیا جب کاریگر کا اصرار بڑھا تو اس نے غصہ میں آکر اس کے منہ پر تھوک دیا۔ کاریگر غیرت کے مارے آپے سے باہر ہوگیا۔ اور شہزادی کے قتل کا ارادہ کیا۔ اتفاقاً شاہ کشمیر شکار کھیلتا ہوا اس طرف آنکلا۔ اور یہ دیکھ کر ایک مرد کسی عورت کو قتل کرنا چاہتا ہے دور ہی سے اس کو دھمکایا۔ کاریگر ڈر کر رک گیا۔ اتنے میں بادشاہ وہاں پہونچا اور حال دریافت کیا۔ شاہزادی نے سب حال عرض کر کے کہا کہ یہ مجھکو زبردستی بھگا لایا ہے۔ کاریگر نے انکار کیا اور کہنے لگا کہ یہ میری بیوی ہے اور گھر جانے سے انکار کرتی ہے۔ شاہ کشمیر نے ایک غلام کو اشارہ کیا۔ اس نے کاریگر کو ایک تلوار کا ہاتھ مار دیا تو وہ وہیں گر کر ختم ہوگیا اور کشمیر کا بادشاہ جو شہزادی پر عاشق ہو چکا تھا اس کو ساتھ لے کر اپنے محل کو روانہ ہوا۔

شاہ کشمیر شاہزادی کے ساتھ محل میں آیا اور اسکی خدمت کے لئے خواصیں مقرر کردیں چند روز کے بعد شہزادی کو معلوم ہوا کہ بادشاہ مجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ وہ گھبرائی اور دو تین روز تک روتی رہی۔ کہ کیا کروں۔ آخر اس کی سمجھ میں ایک تدبیر آگئی۔ چنانچہ شادی سے ایک ہفتہ پہلے وہ بیمار بن گئی۔ کپڑے پھاڑ ڈالے۔ پاس آنیوالے کو مارتی۔ کبھی کاٹنے کو دوڑتی۔ بادشاہ نے بڑے بڑے معالج بلائے۔ لیکن کسی طرح شہزادی کا جنون کم نہ ہوا۔ اسی حال میں کئی مہینے گذر گئے

فیروز فقیر بن کر شہزادی کی تلاش میں نکلا۔ تو شہزادہ جنگلوں میں پھرتا ہوا خدا کے حکم سے کشمیر میں آپہونچا یہاں آکر اس نے شہزادی کی بیماری کا حال سنا تو خیال آیا حکیم بن کر اس کو بھی دیکھنا

شاہزادی کشمیر کے بادشاہ کیساتھ

چاہیئے۔ ممکن ہے گوہر مقصود ہاتھ لگ جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے آپ کو طبیب ظاہر کیا اور ایک روز دربار شاہی میں جا پہونچا۔ اور عرض کیا کہ میں شہزادی کی تکلیف کا حال سنکر آیا ہوں ممکن ہے میرے ہاتھ سے اس کو شفا ہو جائے۔ بادشاہ نے جو شہزادی کی صحت سے مایوس ہو چکا تھا۔ ایک خواجہ سرا کو حکم دیا۔ اس کو مریضہ کے پاس لیجاؤ۔ اور جس طرح کہے تعمیل کرو۔ خواجہ سرا اس کو لیکر شہزادی کے محل میں آیا۔ فیروز نے دور سے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ میری شہزادی ہے۔ اس نے سب کو رخصت کر کے تنہائی میں شہزادی سے کہا۔ کہ آپ کا خیر خواہ حاضر ہے۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اور پہچانتے ہی دوڑ کر سینے سے لپٹ گئی۔ اس کے بعد رو رو کر اپنی مصیبت کی داستان سناتی رہی۔ اور شہزادے نے کہا کہ تم چند روز میں آہستہ آہستہ تندرست ہو جاؤ۔ پھر میں یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر کرونگا۔ شہزادی نے کہا کہ تمہارا کل کا گھوڑا یہاں خزانے میں رکھا ہے۔ یہ لوگ اس کے خواص سے لاعلم ہیں۔ کسی تدبیر سے اس کو حاصل کر لو تو بڑی آسانی ہو جائے گی۔ شہزادہ نے کہا سب انتظام ہو جائے گا۔ پھر اس کو تسلی دے کر واپس آگیا چند روز علاج ہوا۔ اور شہزادی قریب قریب ٹھیک ہو گئی۔ شاہ کشمیر بہت خوش ہوا۔ اور فیروز کو بہت کچھ انعام و اکرام دینے لگا۔ فیروز نے عرض کیا کہ ابھی شہزادی کا مرض پوری طرح زائل نہیں ہوا ہے۔

یہ غالباً کسی سحر کی سواری پر بیٹھی ہے اور اترتے ہوئے اس کی منت پوری نہیں کی گئی۔ جب تک دوبارہ اسی سواری پر بٹھا کر دھونی دے کر منتر نہیں پڑھا جائیگا۔ مرض کے اعادہ کا خطرہ رہے گا۔

شاہ کشمیر اس نئے طبیب کی قابلیت کا کچھ معترف تھا ہی۔ یہ بات سنکر بہت ہی معتقد ہو گیا اور لکڑی کے کل والے گھوڑے کا ذکر کر کے کہا کہ یہ غالباً اسی سحر کے گھوڑے پر سوار ہوئی تھی۔ چنانچہ اس نے دھونی کا سب سامان منگایا۔ اور وہ گھوڑا بھی لاکر حاضر کیا گیا۔ ان سب کو میدان میں لاکر فیروز نے شاہزادی کو بلوایا۔ پھر عود واگر وصندل کی دھونی جلائی اور اس پر گھی وغیرہ ڈال کر خوب پڑھا اور شاہزادی کو گھوڑے پر سوار کرا دیا۔ جب دھواں اتنا پھیل گیا کہ لوگ قریب کی چیز کو بھی اچھی طرح نہیں دیکھ سکتے تھے۔ شہزادہ خود بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور کل موڑ کر ہوا میں لے اڑا۔ پھر پکار کر آواز دی کہ او ظالم شاہ کشمیر شاہزادی میری محبوبہ تھی تو اس کو زبردستی اپنے قبضہ میں لانا چاہتا تھا۔ اب میں اس کو لے جا رہا ہوں۔ تیرے لئے یہ ہی سزا کافی ہے کہ تو اس کی یاد میں تڑپتا رہے۔ اس کے بعد اس نے گھوڑے کو بلند کر لیا اور سب منہ دیکھتے رہ گئے۔ فیروز شہزادی کو لیکر اپنے محل میں اترا۔ اس کے آنے سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور بڑے اہتمام سے شاہزادی اور فیروز کی شادی کر دی۔ اس کے بعد سب حالات شاہ بنگالہ کو لکھ دیئے۔ وہ مجبوراً راضی ہو گیا اور بیٹی کے لئے مناسب جہیز بھیجا۔ اور سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

شہزادہ احمد اور پری بانو کا قصّہ

قدیم زمانے میں ہندوستان کے کسی حصہ میں ایک نہایت نیک اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ اس کے تین لڑکے تھے۔ سب سے بڑا حسین۔ منجھلا علی اور چھوٹا احمد۔ بادشاہ سب سے یکساں محبت کرتا تھا۔ ان تینوں بھائیوں کی ایک چچازاد بہن تھی نور النہار۔ اس کا باپ مر چکا تھا اور شاہ ہند ہی کے پاس رہتی تھی۔ نور النہار بیحد حسین اور ذہین لڑکی تھی۔ حسین۔ علی اور احمد تینوں اس سے محبت کرتے تھے۔ اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ میری شادی نور النہار سے ہو۔ بادشاہ بھی اس بات سے واقف تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح اس معاملہ کا تصفیہ ہو جائے۔ بہت غور کے بعد ایک روز اس نے تینوں بیٹوں کو بلایا اور کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم تینوں بھائی نور النہار کو پسند کرتے ہو۔ لیکن میں تم میں سے کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اس کا حل یہ ہے کہ تم تینوں سفر کے لئے جاؤ اور میرے لئے حسب مرضی تحفہ لاؤ۔ جس کا تحفہ زیادہ اچھا ہو گا اسی سے نور النہار کی شادی کر دونگا۔ تینوں بھائی نے سر تسلیم خم کیا اور سفر کے لئے تیار ہو گئے۔ بادشاہ نے معقول زاد راہ دیکر سب کو رخصت کر دیا۔ جوالی شہر تک تو وہ ایک ساتھ رہے۔ اور پھر الگ الگ سمت میں روانہ ہو گئے۔ بڑے شہزادے حسین کو بشن گڑھ دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ وہ اسی سمت روانہ ہوا اور بہت دشوار گذار راستوں سے ہوتا ہوا وہاں جا پہنچا۔ شہر کی زیبائش دیکھ کر اسے بہت خوشی ہوئی۔ رعایا خوشحال تھی۔ اور زر و جواہر کی ہر طرف افراط نظر آتی تھی۔

ایک روز حسین بازار میں ایک دوکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ کہ ایک دلال غالیچہ لیکر آیا اور دوکاندار کو دکھا کر کہنے لگا کہ اگر پسند ہو تو یہ غالیچہ چالیس ہزار اشرفی میں ملتا ہے۔ حسین نے بڑے تعجب سے اُسے دیکھا اور کہنے لگا کہ اس میں کیا خاص کرامات ہے جو اتنی قیمت مانگتے ہو۔ دلال نے کہا۔ کہ یہ عجیب چیز ہے۔ اس پر بیٹھ کر جہاں جانیکا حکم دیجئے۔ فوراً اسی جگہ پہنچا دیگا۔ شہزادہ اس کا یہ وصف سن کر بہت خوش ہوا اور دل میں سوچنے لگا کہ والد کے لئے اس سے بہتر اور کونسا تحفہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے چالیس ہزار اشرفی میں غالیچہ خرید لیا اور یہ سوچ کر کہ میں اس کی مدد سے ذرا سی دیر میں وطن پہونچ سکتا ہوں شہر کی تفریح کے لئے مزید قیام کا ارادہ کر لیا۔ تینوں بھائی یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ ایک سال کی مدت ختم ہونے کے قریب سب شہر سے باہر ایک جگہ ملیں گے اور ساتھ ساتھ والد کے پاس جائیں گے حسین مطمئن سیر و تفریح میں مشغول رہا۔ ایک روز اس نے وہاں کا بت خانہ دیکھا جہاں پیتل کے

بُت خانہ

قد آدم بت تھے۔ اور لاتعداد جواہرات بطور نذر کے وہاں چڑھائے جاتے تھے۔ اس بت خانہ کے چاروں طرف باغ تھے اور اسمیں جگہ بہ جگہ بت نصب تھے۔ قریب ہی محل شاہی تھا۔ اس کے چاروں طرف بہت سی عمارتیں تھیں۔ ان میں سے بعض اسطرح بنائی گئی تھیں کہ جہاں چاہو ان کو لے جاؤ۔ محلوں کے دروازوں پر نہایت عمدہ صناعی سے ہاتھی بنائے گئے تھے۔ غرض ایسے محلات تھے کہ حسین ان کو دیکھ کر حیران بھی ہوا۔ اور مسرور بھی۔ جب بھائیوں کے ملنے کا وقت قریب آیا تو اپنے غالیچہ پر بیٹھ کر جائے مقررہ پر پہونچ گیا۔ اور دوسرے بھائیوں کا انتظار کرنے لگا۔

شہزادہ علی سفر کرتا ہوا شیراز پہنچا۔ اور شہر میں ایک مکان لیکر رہنے لگا۔ اور تلاش میں مصروف تھا کہ باپ کے لئے کیا تحفہ لے۔ ایک روز اس کو بھی ایک سوداگر ملا۔ اور ہاتھی دانت کی ایک گز کے قریب لمبی دوربین دکھا کر کہنے لگا کہ یہ آپ جیسے رئیسوں کے قابل تحفہ ہے۔ اسکی قیمت چالیس ہزار اشرفیاں ہے۔ علی نے پوچھا کہ اسمیں کیا کمال ہے۔ صرف اتنے ہاتھی دانت کے ٹکڑے کی اسقدر قیمت تو کوئی بیوقوف شخص بھی نہیں دے سکتا۔ سوداگر کہنے لگا کہ جناب یہ صرف ہاتھی دانت نہیں اسمیں عجوبہ یہ ہے کہ جس چیز کے دیکھنے کی خواہش ہو۔ اسمیں دیکھئے فوراً ہزاروں میل کا حال آئینہ ہو جاتا ہے۔ علی نے دوربین لیکر پہلے اپنے باپ کا حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ دربار میں بیٹھا ہوا فیصلہ کر رہا ہے۔ اس نادر دوربین کو دیکھ کر علی بہت خوش ہوا اور دلمیں خیال کیا کہ والد کے لئے اس سے بہتر اور کیا تحفہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے دوربین کی قیمت دے کر لے لی اور جگہ عودہ کی طرف روانہ ہوا۔ بعد قطع منازل وہاں آپہنچا۔ اور بڑے بھائی سے ملکر بہت خوش ہوا۔

شہزادہ احمد بھائیوں سے جدا ہو کر سمرقند پہنچا اور کسی عمدہ تحفہ کی تلاش میں پھرتا رہا۔ ایک روز ایک شخص اسکو ملا جو ایک مصنوعی سیب لئے ہوئے تھے۔ اس نے احمد سے مخاطب ہو کر کہا۔ آپ مجھے کسی ملک کے شہزادے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ سیب ملاحظہ فرمایئے۔ بادشاہ کے قابل تحفہ ہے۔ احمد نے پوچھا کہ اس کی کیا قیمت ہے۔ وہ شخص کہنے لگا۔ چالیس ہزار اشرفیاں۔ احمد نے کہا بھائی اسمیں کیا قدرت ہے بظاہر تو یہ ایک معمولی مصنوعی سیب ہے۔ وہ شخص کہنے لگا کہ اسکی خاصیت یہ ہے اگر کسی قریب المرگ بیمار

نورالنہار کو بستر مرگ پر دیکھنا
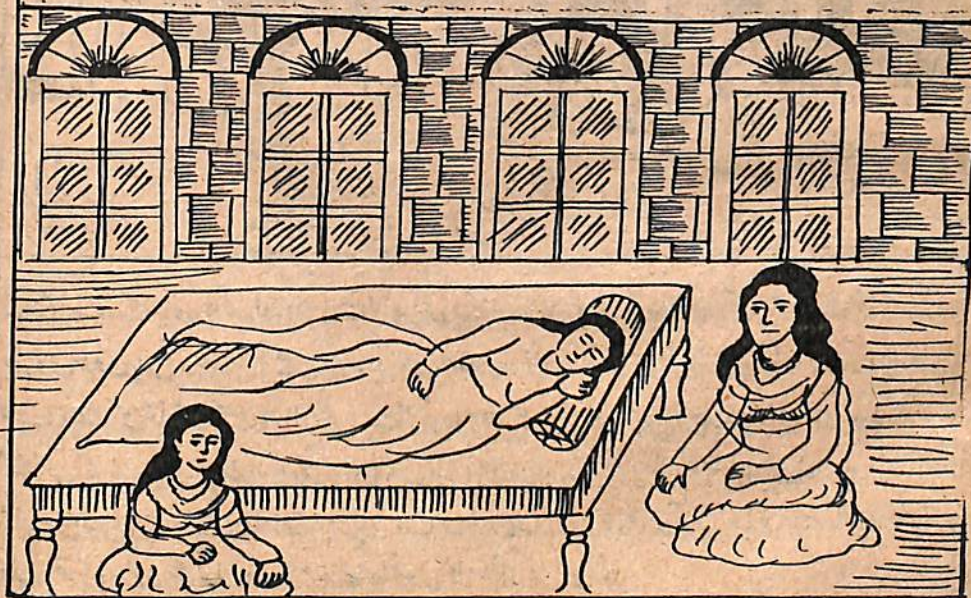
بیمار کو سنگھا دیا جائے تو فوراً تندرست ہو جاتا ہے۔ احمد نے وہاں کے دارالشفا میں کئی مریضوں پر تجربہ کیا اور جب صحیح ثابت ہوا تو باپ کے لئے یہ عجیب و غریب تحفہ چالیس ہزار اشرفیاں دیکر خرید لیا پھر یہ بھی منزل مقصود کیطرف روانہ ہوا اور آخر اپنے دوسرے بھائیوں سے جاملا۔ وہاں تینوں نے اپنے اپنے تحفے دکھائے اور خود ہی کہنے لگے کہ بظاہر والداب بھی یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کس کا تحفہ عمدہ ہے ایک روز سب نے علی سے کہا تم اپنی دوربین سے دیکھو کہ نورالنہار کیا کر رہی ہے۔ علی نے دوربین نکالکر حال دیکھا اور کہنے لگا کہ وہ سخت بیمار ہے اور سب اس کے پلنگ کے گرد پریشان بیٹھے ہیں۔ باقی دونوں بھائیوں نے بھی یہ حال دیکھا تو پریشان ہو گئے۔ اور صلاح ہوئی کہ حسین کے غالیچہ پر بیٹھ کر فوراً پہنچنا چاہیئے۔ چنانچہ تینوں غالیچہ پر بیٹھ گئے۔ پھر علی نے حکم دیا۔ نورالنہار کے کمرے کے سامنے ہمیں پہنچادے۔ غالیچہ اڑا اور چند لمحوں میں کمرے کے دروازے کے آگے آکر ٹھہر گیا۔ تینوں اندر جاتے پہنچے تو بادشاہ ان کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ احمد نے فوراً سیب نکالکر نورالنہار کو سنگھایا۔ اس کو اسی وقت ہوش آگیا اور تھوڑی دیر میں بالکل ٹھیک ہو گئی۔ تینوں شاہزادوں نے اپنے اپنے تحفے بادشاہ کے سامنے پیش کئے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ پھر کہنے لگا۔ اسوقت تینوں تحفوں نے برابر کام دیا ہے اگر ان میں سے ایک بھی موجود نہ ہوتا تو نورالنہار اچھی نہ ہوتی۔ اس لئے میرے خیال میں کسی کو فوقیت نہیں دی جاسکتی۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ جنگل میں چلکر تم تینوں تیر چلاؤ۔ جس کا تیر سب سے آگے جائیگا۔ اسی سے نورالنہار کا عقد کر دونگا۔ شاہزادے راضی ہو گئے۔ اور جنگل میں جاکر ایک کھلے میدان میں تیر چلائے۔ احمد کا

شاہزادوں کا بادشاہ کی موجودگی میں تیر چلانا

تیر تو کسی کو نظر ہی نہ آیا۔ ہر چند دور و نزدیک دیکھا لیکن اسکا پتہ نہ چلا۔ باقی حسین و علی میں علی کا تیر آگے نکل گیا۔ چنانچہ نورالنہار کی شادی بادشاہ نے علی سے کردی۔ احمد و حسین اس تقریب میں شریک نہیں ہوئے حسین نے فقیری لے لی اور گوشہ نشین ہو گیا لیکن احمد پریشان تھا کہ میرا تیر کہاں گیا۔ چنانچہ وہ اسکی تلاش میں روانہ ہوا۔ تین چار میل آگے جاکر احمد کو اپنا تیر زمین میں دھنسا ہوا ملا۔ وہ حیران تھا کہ تیر یہاں کیسے آیا۔ تیر لیکر وہ اپنے والد کو دکھانے کا ارادہ رکھتا تھا کہ آپ نے بہت جلدی میں فیصلہ کر دیا کہ اتفاقاً اس کو وہیں ایک دروازہ نظر آنے لگا۔ احمد رفع استعجاب کیلئے دروازہ کھول کر اندر گیا تو اسے وسیع میدان میں ایک نفیس محل نظر آیا وہ اس کی جانب بڑھا تو محل کے اندر سے ایک مہ جبین زہرہ تمثال نوجوان شہزادی چند کنیزوں کے جھرمٹ میں نکلی اور احمد کے قریب آئی۔ احمد نے بڑے ادب سے سلام کیا۔ شہزادی نے اس کو خوش آمدید کہا اور نام لیکر خیر و عافیت دریافت کی خبر پوچھی۔ احمد حیران رہ گیا کہ اسکو میرا نام کیسے معلوم ہوا۔ آخر وہ ضبط نہ کرسکا۔ اور پوچھا کہ آپ مجھے کس طرح جانتی ہیں وہ مہ جبین مسکرائی اور احمد سے کہنے لگی کہ آئیے پہلے تشریف رکھئے۔ پھر میں سب حال عرض کرونگی۔ احمد اس کے ساتھ ایک بارہ دری میں آیا جہاں اس کو ایک نفیس مسند پر بٹھا کر وہ نوجوان عورت بھی بیٹھ گئی۔

پری بانو اور احمد کی گفتگو
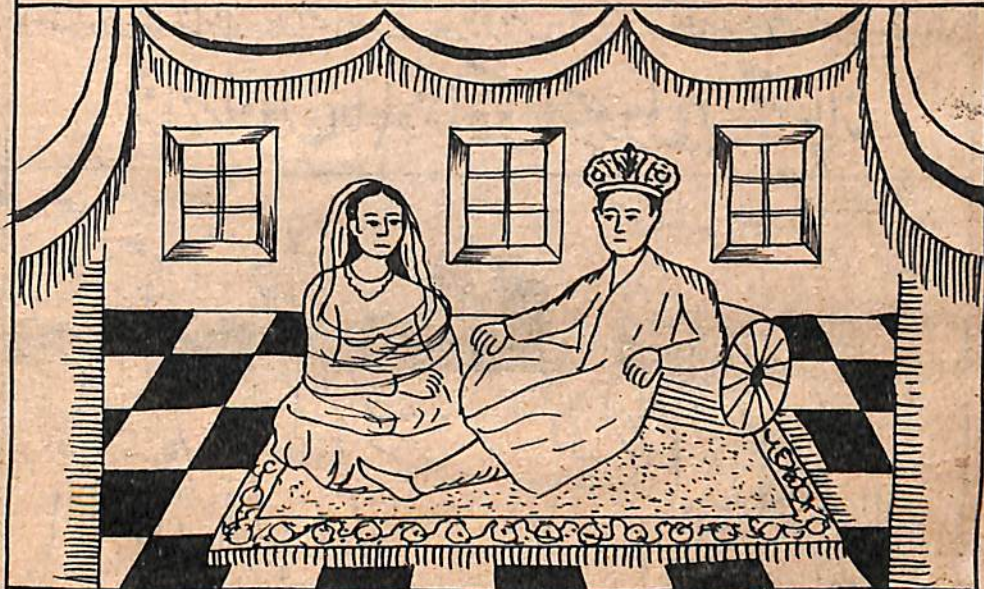
احمد نے دیکھا کہ بارہ دری میں ایسے لاجواب جواہرات لگے ہوئے ہیں کہ ہفت اقلیم کی دولت بھی اس کے آگے ماند ہے۔ اس کے بعد وہ عورت بولی کہ میں پریوں کی نسل سے وابستہ ہوں میرا نام پری بانو ہے۔ مدت سے آپ کو جانتی ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ تینوں بھائی نورالنہار سے شادی کے

خواہشمند تھے۔ میں نے ہی آپ کے والد کو یہ طریقہ بتایا تھا کہ شاہزادوں سے تحفے منگائیے۔ پھر خود ہی حسین کو بشن گڑھ میں غالیچہ دیا۔ علی کو شیراز میں دوربین اور تمہیں سمرقند میں سیب۔ جب اسطرح فیصلہ نہ ہو سکا تو میں نے ہی تمہارے والد کو تیر کی ترکیب سمجھائی۔ لیکن یہ مجھے معلوم تھا کہ تمہارا تیر سب سے آگے جائے گا اس لئے میں نے اس کو ہوا میں روک لیا اور یہاں لا کر گاڑ دیا۔ دراصل آپ کو یہاں تک تکلیف دینے کی خطاوار میں ہی ہوں۔ اب آپ کو اختیار ہے جو سزا جی چاہے دیجیے۔

احمد پری بانو کو دیکھ کر عاشق ہو چکا تھا۔ کہنے لگا۔ کہ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ قدرت نے نور النہار سے زیادہ حسین شہزادی سے ملا دیا۔ اب آپ کا درم نا خرید غلام ہوں۔ پری بانو مسکرا کر کہنے لگی کہ مجھے تو مزید کچھ کہنا سننا ہی نہیں۔ سارے واقعات سنکر آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میں مدت سے آپ کی کنیز ہوں۔ احمد نے محبت سے پری بانو کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور آپس میں وفاداری کے قول قرار ہو گئے پھر احمد کہنے لگا کہ یہ تو فرمائیے۔ ہمارا آپ کا میل کیونکر ہوگا۔ آپ کے والد مجھے غلامی میں قبول کرنے کو تیار ہوں گے۔ پری بانو نے کہا کہ اس معاملہ میں والد نے مجھے اختیار دے رکھا ہے۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔

اس کے بعد دونوں کا نکاح ہو گیا۔ تمام دن احمد پریوں کا ناچ دیکھتا رہا۔ شب کو کھانے کے بعد دورِ شراب چلا۔ اور جب کافی رات بیت گئی تو دونوں عاشق و معشوق خلوت کدے میں چلے گئے۔ رات عیش و راحت میں بسر ہوئی۔ صبح کو پھر وہی رقص و سرود کی محفل ہوتی رہی۔ غرض دونوں میاں بیوی آرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔ اسی طرح ایک مہینہ گذر گیا تو ایک روز احمد نے پری بانو سے کہا کہ میں اپنے والدین سے ملنا چاہتا ہوں۔ پری بانو کہنے لگی کہ یوں تو آپ کو اختیار ہے جہاں چاہیئے جائیے لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ اگر مجھ سے بیوفائی برتی تو میں زندہ نہیں رہوں گی۔ آپ کی جدائی میری برداشت سے باہر ہے۔ احمد نے بہت قسمیں کھا کر اطمینان دلایا کہ صرف ملکر چلا آؤں گا۔ پری بانو نے بادل ناخواستہ اجازت دے دی اور ایک نہایت عمدہ گھوڑا جس کا ساز لاکھوں روپے کا تھا۔ سواری کیلئے حاضر کیا۔ احمد اس پر سوار ہو کر باپ سے ملنے چلا۔

علی کی شادی کے بعد حسین و احمد نظر نہ آئے۔ تو بادشاہ نے وزیر سے پوچھا۔ وہ کہنے لگا حضور حسین تو گوشہ نشین ہو گئے ہیں لیکن احمد کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ کہاں گئے ہیں۔ بادشاہ بہت پریشان ہوا اور منادی کرادی جو احمد کو ڈھونڈ کر لائیگا اسے منہ مانگا انعام ملیگا۔ لیکن اس کا پتہ نہ چلا۔ آخر ایک روز بادشاہ نے نجومیوں کو بلا کر سب احوال دریافت کیا۔ ان لوگوں نے حساب لگا کر کہا کہ حضور شاہزادہ زندہ و سلامت اور بڑے عیش و آرام میں ہے اور عنقریب آپ سے ملیگا۔ بادشاہ اس دن سے اس کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ احمد پری بانو سے رخصت ہو کر باپ سے ملنے چلا۔ راستے میں جب لوگوں نے اس کو دیکھا تو ایک جم غفیر ساتھ ہو گیا اور محل تک ہمراہ آیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیا غل ہے تو لوگوں نے عرض کیا کہ شاہزادہ احمد آئے ہیں

اتنے میں احمد آکر باپ کے قدموں میں گر گیا۔ بادشاہ نے اٹھا کر سینے سے لگایا اور پھر پوچھنے لگا کہ تم کہاں چلے گئے تھے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نورالنہار کی شادی علی سے ہونے کی وجہ سے ناراض ہو گئے لیکن پھر بھی کم از کم اپنا پتہ تو دیتے۔ احمد نے کہا کہ میں اپنے تیر کی تلاش میں گیا تھا۔ پھر ایک ایسی جگہ پہنچ گیا کہ عرض نہیں کر سکتا۔ بہرحال اب میں خوش ہوں۔ اور جلدی جلدی قدمبوسی حاصل کرتا رہونگا۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر تم خوش ہو تو میں بھی خوش ہوں۔ مجھے تمہارا راز معلوم کرنے کی خواہش بھی نہیں ہے۔ بس اتنا ہے کہ کبھی کبھی صورت دکھا جایا کرو۔ احمد نے وعدہ کیا کہ ہر ماہ حاضر ہوتا رہونگا۔ اس کے بعد باپ سے رخصت ہو کر پری بانو کے پاس آیا۔ وہ چشم براہ تھی۔ بڑی محبت سے استقبال کیا۔ اور اندر لے گئی۔ اس کے بعد وہ دونوں عیش و عشرت سے رہنے لگے۔ پری بانو کو روز بروز احمد سے زیادہ محبت ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ایک لمحہ بھی اسے نظروں سے اوجھل کرنا نہ چاہتی تھی۔ لیکن یہ اجازت دے دی تھی کہ ہر مہینہ والد سے ملنے چلے جایا کرو۔

غرض دونوں پیار سے رہتے رہے۔ احمد ہر مہینہ ماں باپ سے ملنے چلا جاتا اور ہر بار اس کی شان و شوکت پہلے سے زیادہ ہوتی۔ بادشاہ کے وزیروں میں سے ایک احمد کی شان دیکھ کر حسد کرنے لگا۔ ایک روز موقع پا کر اس نے شہزادے کی شکایت بادشاہ سے کر دی کہ احمد اپنی جائے رہائش آپ سے پوشیدہ رکھتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ ان کی حشمت و دولت روز آنہ بڑھ رہی ہے۔ کہیں وہ فوجی طاقت پیدا کر کے آپ پر حملہ نہ کر دیں اور آپ بیخبری میں نقصان اٹھائیں۔ نورالنہار کی شادی کے سلسلہ میں وہ آپ سے ناراض بھی ہیں۔ وقت کی بات یہ گفتگو بادشاہ کو بھی کھٹک گئی۔ اس نے ہر طرف آدمی روانہ کئے لیکن کوئی پتہ نہ چلا۔ آخر اس نے ایک بوڑھی ساحرہ کو بلایا اور کہا کہ تم احمد کی جائے رہائش معلوم کرو۔ ساحرہ وعدہ کر کے چلی آئی۔ جب احمد کے آنیکا وقت آیا تو وہ منتظر رہی۔ احمد حسب دستور آکر باپ سے ملا۔ پہلے تو بادشاہ نے باتوں سے اسکا پتہ معلوم کرنا چاہا لیکن احمد نے نہ بتایا جب احمد رخصت ہو کر چلا۔ تو وہ ساحرہ چھپ کر پیچھے ہو لی۔

احمد جنگل میں آکر دروازے میں داخل ہو گیا۔ اب جو ساحرہ نے دیکھا تو احمد غائب تھا۔ وہ پریشان ہوئی بات ہی ایسی تھی کہ دروازہ بغیر پری بانو کی مرضی کے کسی کو نظر آنا ممکن نہ تھا۔ وہ ساحرہ بڑی چالاک تھی۔ اس نے دوسرے مہینہ کا انتظار کیا اور جب احمد نکلا تو آپ بیمار بن کر راستے میں پڑ گئی۔ رحمدل احمد نے اس کا حال سنا تو بڑھیا کو اپنے ساتھ لاکر پری بانو کے سپرد کر دیا۔ کہ تم اس کی خبر گیری رکھنا۔ اور خود باپ سے ملنے چلا گیا۔ پری بانو نے بڑھیا کو دیکھ کر پہچان لیا۔ لیکن احمد کی محبت کی وجہ سے خاموش رہی۔ اور اس کی اچھی خاطر تواضع کرتی رہی۔ دو روز بعد وہ مصنوعی مریضہ تندرست ہو کر چلنے لگی تو پری بانو نے خواصوں کے ساتھ دروازے سے باہر بھیجدیا۔ بڑھیا نے پلٹ کر دیکھا اور دروازہ دیکھنا چاہا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

احمد والد کے پاس چند روز رہ کر واپس آگیا۔ بڑھیا ساحرہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور کل حال بیان کر دیا۔ پھر کہنے لگی۔ کہ گو احمد سعادت مند ہے۔ لیکن ممکن ہے پری کے بہکانے میں کوئی حرکت کر بیٹھے۔ وزیر نے کہا۔ کہ آپ شاہزادے کو تو قید کرا دیجئے۔ یا قتل کرا دیجئے۔ لیکن ساحرہ نے منع کیا اور کہنے لگی کہ اسطرح پریوں سے دشمنی ہو جائے گی اور وہ سارا ملک تباہ و برباد کر دیں گے۔ ان سے لڑائی مول لینا حماقت ہے۔ آپ ایسا کیجئے کہ اب کی مرتبہ شاہزادہ آئے تو اس سے کہئے کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تمہاری بیوی پری ہے۔ اس لئے تم اس سے کہکر میرے لئے ایک ایسا خیمہ منگا دو جو آدمی کی جیب میں آجائے۔ اور جب کھول کر پھیلائیں تو ایک لاکھ آدمی اس کے نیچے آجائیں۔ اگر شاہزادہ وہ خیمہ لے آیا تو میں اور چند چیزیں بتاؤں گی۔ ان کی فرمائش کیجئے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پری ناراض ہو کر خود ہی اس کو قتل کر دے گی۔ یہ رائے سب نے پسند کی اور احمد کے آنے کے منتظر ہو گئے۔

حسب معمول احمد آیا تو باپ نے خلاف توقع بہت مدارات کی اور ایک روز موقع پاکر کہدیا کہ بیٹا یہ تو مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تمہاری شادی پری سے ہو گئی ہے اور اس سے مجھے خوشی بھی ہوئی چونکہ تمہاری مصلحت نہیں۔ اس لئے میں پتہ وغیرہ نہیں پوچھتا۔ لیکن ایک تحفہ کی ضرور خواہش ہے۔ تم اپنی بیوی سے کہہ کر ایک ایسا خیمہ لا دو جو ایک آدمی کی جیب میں آجائے۔ اور جب کھولیں تو اس میں ایک لاکھ آدمی سما جائیں احمد نے کہا کہ میں نے تو آج تک وہاں ایسا خیمہ نہیں دیکھا لیکن میں پری سے درخواست کرونگا۔ پھر بھی وعدہ نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ چیز میرے اختیار کی نہیں ہے۔ ہاں اگر ممکن ہوا تو حاضر کر دوں گا۔ بادشاہ نے کہا جب وہ تمہاری بیوی ہے تو کیا وجہ ہے کہ تمہاری خواہش پوری نہ کرے۔ اور اگر اس کو اپنے خاوند کی کوئی پرواہ نہیں۔ تو تمہیں مرد کہلاتے ہوئے شرم آنی چاہیئے۔ کم از کم میں تو تمہارا منہ نہیں دیکھوں گا۔ احمد رنجیدہ دل گرفتہ پری بانو کے پاس آیا تو چہرے سے ملال ٹپکتا تھا۔ پری بانو نے پوچھا نصیب اعدا چہرے پر گرد ملال کیوں ہے۔ شہزادے نے کل حال سنایا۔ پھر تعجب سے کہنے لگا معلوم نہیں والد کو میرا حال کیسے معلوم ہوا۔ پری بانو سن کر ہنسنے لگی کہ جس بڑھیا کو تم علاج کے لئے لائے تھے وہ بادشاہ کی بھیجی ہوئی کمینی ساحرہ تھی۔ وہ ہی سب کچھ دیکھ گئی ہے۔ اس نے بادشاہ کو سمجھایا ہے۔ احمد کہنے لگا کہ والد نے آج مجھ سے یہ کہا کہ اگر تم اپنی بیوی سے اتنے مرعوب ہو تو اپنے آپ کو مرد کہلانا چھوڑ دو۔ اسکا مجھے بیحد رنج ہے۔ پری بانو نے احمد کو سینے سے لگا لیا اور پیار سے کہنے لگی میری جان میری روح قربان تم اتنی سی بات کا رنج کیوں کرتے ہو۔ خیمہ میں منگائے دیتی ہوں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ کے مشیروں نے کوئی برا ارادہ کر لیا ہے۔ تم دیکھو گے کہ ان کی فرمائش دن بدن بڑھتی ہی رہے گی اور انجام میں وہ خود برباد ہو جائیں گے۔ میں جانتی ہوں کہ وہ بانو کی زندگی میں اس جان و روح احمد کو بری آنکھ بھی نہیں دیکھ سکتا۔ پھر اس نے داروغہ محلات کو بلا کر کہا کہ توشہ خانے سے فلاں خیمہ نکال لاؤ۔ جب خیمہ باہر لا کر پھیلایا گیا تو احمد اس کی وسعت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کے بعد پری بانو نے اسکو مختصر کرا کے

احمد کو پیش کیا۔ تو وہ اسقدر مختصر تھا کہ احمد کی جیب میں آگیا۔ مہینہ بھر تک احمد پری بانو کے ساتھ داد عیش لیتا رہا۔ اور جب مہینہ ختم ہوا تو خیمہ لیکر باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ خیمہ دیکھ کر بظاہر خوش ہوا پھر تنہائی میں ساحرہ کو بلا کر کہا کہ خیمہ تو آگیا۔ وہ بولی کہ یہ فرمائش کیجئے کہ شیروں کے چشمے کا پانی لاؤ۔ چنانچہ جب باپ بیٹا کھانا کھانے بیٹھے تو بادشاہ نے خیمہ کی تعریف و توصیف کے بعد کہا کہ بیٹا اپنی بیوی سے کہہ کر شیروں کے چشمے کا پانی اور منگادو۔ اس کی یہ خاصیت ہے کہ جس بیمار کو پلا دیا جائے۔ تندرست ہو جاتا ہے۔ ایسی نایاب چیز کا ہونا مسرت کی بات ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ قرب وجوار کے بادشاہ میری حکومت کی ہیبت مانیں۔ احمد نے کہا میں وعدہ تو نہیں کرتا لیکن آپ کی فرمائش اس تک پہنچا دوں گا۔ پھر وہ باپ سے رخصت ہو کر پری بانو کے پاس آیا اور باپ نے جو کچھ کہا تھا اس کو بتا دیا۔ پری بانو پہلے دیر تک احمد کو پیار کرتی رہی۔ پھر کہنے لگی کہ وہ بدنصیب ساحرہ بادشاہ کو بہکاتی ہے۔ اور ایسی ایسی چیزوں کی فرمائش کرتی ہے۔ جن کا پورا کرنا ہر ایک جن و پری کے بس میں نہیں ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ان فرمائشوں پر جھلا کر کوئی جن یا پری تمہیں قتل کردے لیکن انہیں کیا معلوم کہ پری بانو اپنے پیارے احمد کو کتنا چاہتی ہے اور ساری فرمائشیں پوری کر کے انجام کار انہیں کے سر پر تباہی لائے گی۔ اس کے بعد اس نے شہزادے سے کہا کہ میں تمہیں ایک گیند دوں گی اور چار گوشت کے ٹکڑے دروازے سے باہر نکل کر گیند کو زمین پر ڈال دینا اور اس کے پیچھے پیچھے چلے جانا۔ وہ تمہیں شیروں کے چشمے پر لے جائے گی۔ وہاں چار شیر ہیں دو پہرے پر جاگتے ہوں گے اور دو سو رہے ہوں گے۔ تمہیں دیکھ کر سوتے شیر بھی بیدار ہو جائیں گے۔ اسوقت یہ گوشت کے ٹکڑے ان کے آگے ڈال دینا۔ جب وہ کھانے میں مصروف ہوں تو تم جلدی سے پانی لیکر گھوڑے پر سوار ہو کر چلے آنا۔ پھر اس نے ایک گیند احمد کو دی اور بکری منگا کر ذبح کر کے اس کے چار ٹکڑے کرا کر گھوڑے پر بندھوا دیئے اور احمد کو سینہ سے لگا کر رخصت کیا۔ شہزادہ گیند کے پیچھے شیروں کے چشمے تک جا پہنچا۔ جوں ہی شیروں نے دیکھا۔ دوسرے شیروں کو بھی جگا دیا اور سب ملکر احمد کی طرف دوڑے۔ احمد نے گوشت کے ٹکڑے ان کے آگے ڈال دیئے اور خود جلدی سے چشمے میں سے چھاگل بھر کر گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھا اپنے باپ کے محل میں پہنچا۔ پانی لے جا کر سامنے رکھدیا۔ باپ بہت خوش ہوا۔ اور کہنے لگا کہ بیشک تمہاری بیوی سچی اور وفادار ہے۔ پھر احمد کو باعزاز مہمان رکھا اور پھر خفیہ طور پر ساحرہ سے ملا اور کہنے لگا کہ شاہزادہ تو شیروں کے چشمے کا پانی لے آیا اور اس کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ یہ سن کر ساحرہ بھی ڈر گئی اور کہنے لگی کہ اس کی معشوقہ کوئی بہت ہی طاقتور پری ہے۔ اب آپ اس سے یہ کہئے کہ مجھے ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے۔ جس کا قد دس گز اور داڑھی بیس گز کی ہو لیکن اس کا ایک بال بھی زمین پر نہ لگے۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی ہوں اور مونچھیں کانوں پر لپٹی ہوئی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یہ فرمائش پوری نہیں ہو سکے گی اور ضرور شاہزادہ اس جن کے ہاتھوں مارا جائے گا۔

بادشاہ نے یہ بات سنکر اس بڑھیا ساحرہ کو رخصت کر دیا اور خود شاہزادے کے پاس آیا اور اس سے فرمائش کا ذکر کیا۔ شاہزادہ باپ کی فرمائشوں سے دلگیر حالت میں پری بانو کے پاس آیا اور سب حال کہہ سنایا۔ پری بانو ہنسی اور کہنے لگی کہ یہ فرمائش تو کچھ نہیں۔ ساحرہ نے جس شخص کا حلیہ بتایا ہے وہ میرا بھائی ہے۔ جب تم جاؤ گے تو اسے بلا دوں گی۔ اور امید ہے کہ انجام بھی قریب آگیا ہے۔ پھر دونوں مہینہ بھر تک عیش و عشرت میں مشغول رہے۔ جب شاہزادے کی روانگی کا وقت آیا تو پری بانو نے ایک انگیٹھی روشن کر کے کچھ پڑھا اور اپنے سر کا بال توڑ کر جلایا۔ اسی وقت ایک ہیبت ناک آدمی سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ جس کا دس گز کا قد اور بیس گز کی بل کھاتی ہوئی ڈاڑھی تھی۔ قریب تھا کہ شاہزادہ غش کھا کر گر جائے۔ آنیوالے شخص نے سلام کیا۔ اور پری بانو نے اس سے کہا کہ بھائی شیرو بیٹھو۔ شیرو نے احمد کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ آدم زاد کون ہے۔ پری بانو نے شرما کر اس سے کہا کہ یہ میرا شوہر ہے۔ جس وقت میں نے شادی کی آپ کوہ قاف گئے ہوئے تھے۔ اس لئے بلا نہ سکی۔ شیرو نے احمد کو پیار کیا اور پھر پری بانو سے پوچھا کہ اس وقت مجھے کیوں بلایا ہے۔ پری بانو نے شروع سے آخر تک کل قصہ بیان کیا اور کہا کہ ایک وزیر کے یہ سب بیج بوئے ہوئے ہیں۔ اور ایک ساحرہ ہے جو یہ سب فرمائشیں کراتی ہے۔

شیرو۔ احمد اور پری بانو
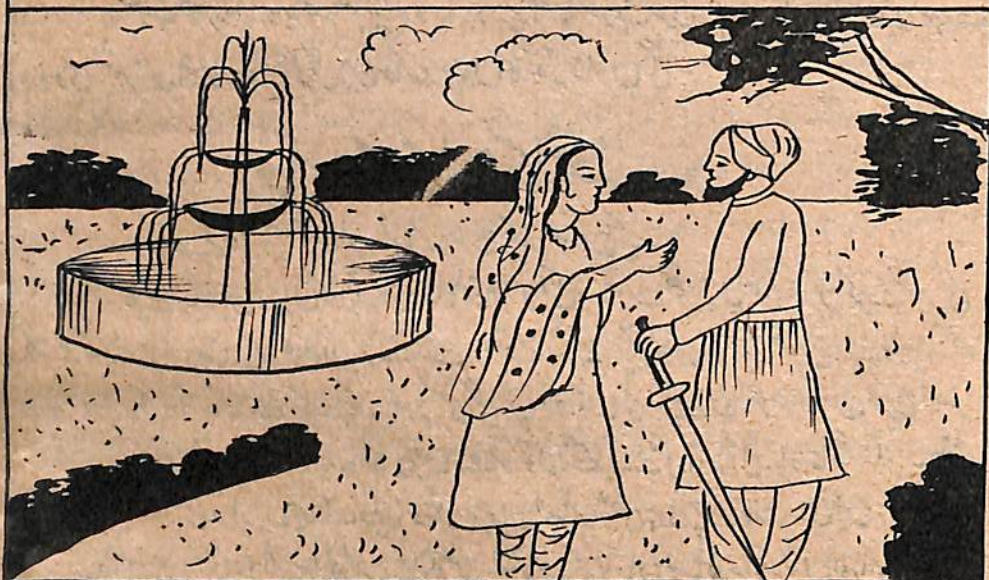
شیرو اٹھ کھڑا ہوا اور احمد سے کہنے لگا کہ عزیز بھائی آؤ۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں احمد اس کے ساتھ محل سے باہر آیا۔ اور دونوں بادشاہ کے محل کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں جس نے شیرو کو دیکھا۔ خوف سے چیخیں مارتا ہوا بھاگا۔ دربار تک پہونچتے پہونچتے سارے شہر میں بھگدڑ

پڑ گئی۔ یہاں تک کہ احمد شیرو کو لئے ہوئے بادشاہ کے سامنے پہونچ گیا۔ شیرو نے بادشاہ سے پوچھا کہ تم نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ اس کی صورت دیکھ کر بادشاہ اوندھے منہ گر پڑا اور پیشاب خطا ہو گیا۔ سب امیر وزیر تھر تھر کانپنے لگے۔ جب بادشاہ نے شیرو کو کوئی جواب نہ دیا تو اس نے غصہ میں اپنا بائیس من کا گرز اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ بادشاہ تخت پر پڑا انٹھا ہو کر رہ گیا۔ پھر اس نے سب حاسد امراء وزراء کو ایک گرز مار کر ختم کر دیا۔ صرف ایک وزیر جو احمد کا حامی تھا۔ کی سفارش سے بچا دیا۔ اس کے بعد شیرو نے رعایا کی مزاج پرسی کا ارادہ کیا لیکن احمد نے کہا کہ ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔ پھر شیرو نے اس خبیث ساحرہ کو بلوایا اور اپنے سامنے قتل کرا دیا۔ جو اس جھگڑے کی بانی تھی۔

اس کے بعد اس نے احمد کو تخت پر بٹھایا اور سب کو بلا کر حلف وفاداری لیا۔ احمد کے ایما پر علی کو ایک صوبے کا حاکم مقرر کر کے بھیجدیا۔ حسین کو بلا کر پوچھا کہ آپ جہاں کی حکومت چاہیں وہاں بھیجدوں۔ حسین نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں اب گوشہ نشین ہی رہنا چاہتا ہوں۔ احمد نے کہا۔ آپ کی مرضی۔ اگر کسی وقت کوئی تکلیف ہو تو مجھے مطلع فرمائیے۔ اب احمد نے یہیں رہنا شروع کیا۔ پری بانو بھی محل میں آگئی۔ اور اپنے پیارے شوہر کے ساتھ رہنے لگی۔

شیرو واپس چلا گیا۔ جاتا ہوا کہہ گیا۔ کہ اگر کسی وقت میری ضرورت ہو تو بے تکلف ہو کر بلا لینا۔

جب شہرزاد نے یہ قصہ ختم کیا تو دنیازاد دیر تک تعریف کرتی رہی اور بادشاہ نے بھی بہت داد دی۔ شہرزاد نے وعدہ کیا کہ کل تین حاسد بہنوں کا قصہ سناؤں گی

حاسد بہنوں کا قصہ

وعدہ کے مطابق شہرزاد نے اس طرح قصہ شروع کیا۔

پچھلے زمانہ میں ایران کا ایک بادشاہ تھا۔ اس کی یہ عادت تھی کہ لباس تبدیل کر کے شہر کی گشت کرتا۔ تاکہ رعایا کے بھلے اور برے سے واقف رہے۔ ایک روز وہ حسب معمول اپنے وزیر کے ساتھ شہر میں پھرنے کے لئے نکلا۔ ایک چھوٹی سی گلی میں مکانوں کو دیکھنے لگا۔ کہ غربا کس طرح بسر کرتے ہیں۔ انہی مکانوں میں سے ایک مکان میں سے عورتوں کے بولنے کی آواز آئی۔ بادشاہ گفتگو سننے کیلئے ٹھہر گیا۔ کواڑ کی دراز میں جھانک دیکھا تو تین نوجوان عورتیں بیٹھی ہوئی چرخہ کات رہی ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی بہن بولی۔ کہ اگر میرا کچھ بس چلے تو میں بادشاہ کے نانبائی کیساتھ بیاہ کر لوں اور اس مشقت کی زندگی سے نجات پالوں۔ منجھلی کہنے لگی۔ اور میں بادشاہ کے باورچی سے نکاح کر لوں تاکہ عمدہ عمدہ کھانے روز ملیں۔ . . . . جب سب اپنے خیالی پلاؤ پکا چکیں تو چھوٹی بولی میں بادشاہ ہی سے بیاہ کیوں نہ کروں کہ سارا ملک مجھے ملکہ کہے۔ پھر سب ہنسنے لگیں۔ بادشاہ نے وزیر کہا

کہ اس گھر کو پہچان لو۔ صبح ان عورتوں کو دربار میں حاضر کرنا۔ اس کے بعد بادشاہ گشت ختم کرکے آرام کرنے چلا گیا۔ دوسرے روز تینوں بہنیں دربار میں پیش کی گئیں۔ بادشاہ نے رات کا قصہ پوچھا تو وہ ڈر گئیں۔ لیکن خسرو نے نرمی سے کہا کہ خوف کی کوئی ضرورت نہیں جو بات تھی بیان کرو۔ مجبوراً انہوں نے رات جو کچھ کہا تھا۔ بادشاہ کے سامنے دہرایا۔ بادشاہ نے اسی وقت بڑی اور منجھلی بہنوں کی شادی نانبائی اور باورچی سے کردی اور چھوٹی کو اپنی ملکہ بنا لیا۔ چند روز بعد دونوں بڑی بہنیں چھوٹی سے حسد کرنے لگیں۔ اور فکر ہوئی کہ اسے کسی طرح بادشاہ کی نظروں میں ذلیل کریں۔ قضا و قدر سے اسی زمانہ میں ملکہ کو آثار حمل ظاہر ہونے لگے۔ دونوں بہنیں مبارکباد کو آئیں۔ چھوٹی بہن غریب ان کے فریب سے ناواقف تھی۔ بڑی محبت سے پیش آئی اور باتوں باتوں میں ولادت کے وقت ان دونوں بہنوں کو بلانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ وہ بہت خوشی سے راضی ہو گئیں اور پختہ ارادہ کر لیا کہ جب اسکے یہاں بچہ ہوگا تو اس کو الگ کر کے بلی کا بچہ اس کی گود میں ڈال دیں گے اور مشہور کردیں گے کہ بلی کا بچہ پیدا ہوا ہے اس طرح ضرور بادشاہ ناراض ہو کر یا تو اس کو قتل کرا دیگا۔ یا نکال دے گا۔

جب ملکہ کے یہاں وضع حمل کا وقت آیا تو اس نے اپنی بہنوں کے بلانے کی بادشاہ سے اجازت لے لی اور اطلاع کرا دی یہاں میرے پاس آجاؤ۔ بڑی اور منجھلی بہنیں آگئیں اور ایک بلی کے بچہ کا انتظام کر لیا۔ ملکہ کے یہاں ایک خوبصورت لڑکا پیدا ہوا۔ حاسد بہنوں نے بچے کو تو ایک ٹوکری میں بند کر کے اس نہر میں بہا دیا جو باغات میں چلتی تھی اور ملکہ کی گود میں بلی کا بچہ رکھ دیا۔

سارے محل میں مشہور ہو گیا کہ بلی کا بچہ پیدا ہوا ہے۔ خسرو کو بہت غصہ آیا۔ اس نے ملکہ کو قتل کرانا چاہا۔ لیکن عقلمند وزیر نے روکا اور کہا کہ چند روز صبر کیجئے۔ اس میں کوئی راز معلوم ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ ملکہ کا کیا قصور ہے۔ قدرت نے جو کچھ پیٹ میں بنایا۔ وہی پیدا ہو گیا۔

ٹوکری نہر میں بہتی ہوئی جا رہی تھی کہ بادشاہ کے مالی کی نظر پڑ گئی۔ اس نے نکالکر دیکھا۔ تو اس میں ایک نوزائدہ بچہ تھا۔ مالی کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ خوشی خوشی بچہ کو لیکر اپنے گھر آیا اور اپنی بیوی کے سپرد کر دیا۔ مالن نے اپنے بچے کی طرح پالنا شروع کر دیا۔ ٹوکری چونکہ محل کی طرف سے آئی تھی۔ مالی نے کسی سے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا کہ ممکن ہے کوئی بادشاہی راز ہو۔ بچہ پلتا رہا یہانتک کہ ایک سال کا ہو گیا۔

دوسرے سال ملکہ کے یہاں پھر بچہ پیدا ہوا۔ بدنصیب ملکہ نے لاعلمی سے اپنی بہنوں کو اس مرتبہ بھی بلا لیا تھا۔ اب کے انہوں نے مردہ کتے کا پلا ڈال کر مشہور کر دیا کہ مردہ کتے کا بچہ پیدا ہوا ہے۔ اصلی لڑکا ٹوکری میں بہا دیا۔ اتفاقاً اس کو بھی مالی نے پکڑ لیا اور اپنے گھر پرورش کرنے لگا۔ تیسرے سال پھر ملکہ لڑکی کی ماں بنی۔ لیکن حاسد بہنوں نے اس کو مردہ مشہور کر دیا۔ اور لڑکی کو نہر میں بہا دیا قضا و قدر سے لڑکی بھی مالی کو مل گئی۔ اس نے اسے بھی رکھ لیا۔ بادشاہ نے ناراض ہو کر ملکہ کو ایک

لوہے کے پنجرے میں بند کر کے شہر کی جامع مسجد کے دروازہ میں رکھوا دیا کہ ہر آنیوالا اس کے منہ پر تھوک دے اور جو انکار کرے اس کو قتل کر دیا جائیگا۔ لوگ مجبوراً ملکہ کے منہ پر تھوکتے لیکن اس میں بادشاہ کے ظلم کو برا سمجھتے۔

تینوں بچے مالی کے یہاں پرورش پاتے رہے۔ مالی نے تعلیم و تربیت شاہزادوں جیسی کرائی۔ لڑکی اسی طرح پڑھتی جیسے شاہزادوں کا قاعدہ ہے۔ بڑے بھائی کا نام مالی نے بہمن اور چھوٹے کا پرویز اور لڑکی کا پری زاد رکھا اور اسی نام سے ہر ایک مشہور ہوا۔ اسی زمانہ میں اتفاقاً مالن بیمار ہو کر مر گئی۔ بچوں کو اتنا ہی رنج ہوا جیسا کہ ماں کا ہونا ہے۔ کیونکہ وہ اسی کو ماں سمجھتے تھے۔ اسی اثناء میں سب پڑھ لکھکر جوان ہو گئے۔ مالی بہت روپیہ پیسے والا تھا۔ اس نے بادشاہ سے اجازت لیکر ایک محل تعمیر کرا دیا۔ اور بہت بڑا باغ بنوایا۔ جس میں ایک چڑیا خانہ بھی تھا اور مع تینوں بچوں کے اس میں رہنے لگا۔ ابھی یہاں رہتے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے مالی بھی مر گیا۔ بچے بہت پریشان ہوئے لیکن کیا ہو سکتا تھا صبر کر کے بیٹھ گئے۔

دونوں بھائی سیر و شکار کو جاتے۔ پری زاد باغ میں اپنا دل بہلاتی۔ یا کبھی کبھی گا لیتی۔ اتفاقاً ملکہ کی حاسد بہنوں کو ان کا بھی پتہ چل گیا اور ان کی آتش حسد بھڑک اٹھی۔ انہوں نے آپسمیں مشورہ کیا کہ ملکہ کا تو خوب انتظام ہو گیا۔ لیکن یہ بچے اگر زندہ رہے تو ممکن ہے کسی وقت حال کھل جائے۔ ان کو بھی یہاں سے چلتا کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایک کٹنی کو بلا کر اپنا منشا ظاہر کیا۔ وہ کہنے لگی تم اطمینان رکھو۔ ان کو ایسے طریقے سے یہاں سے ہٹا دوں گی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پاوے گی۔

ایک روز جب پرویز اور بہمن شکار کو گئے ہوئے تھے وہ کٹنی ان کے گھر آئی اور پری زاد سے نماز کی اجازت لیکر نماز پڑھنے لگی۔ پری زاد اس نیکی سے بہت متاثر ہوئی اور باصرار کھانا کھلا کر اپنے ساتھ باغ دکھانے لے گئی۔ مکار کٹنی باغ دیکھ کر کہنے لگی کہ یوں تو یہاں ہر چیز ہے۔ لیکن اسمیں تین چیزوں کی کمی ہے۔ اگر وہ مل جائیں تو بے نظیر ہو جائے گا۔ پری زاد نے پوچھا۔ وہ کیا چیزیں۔ کٹنی نے کہا ان کا ملنا ذرا مشکل ہے۔ پری زاد نے اصرار کیا کہ تم بتاؤ تو سہی۔ بڑھیا نے کہا اس میں بولتی چڑیا۔ گاتا درخت۔ اور سنہری چشمے کے پانی کی کسر ہے وہ آجائیں تو پھر یہ باغ نمونہ ارم ہو جائے گا۔ پری زاد بولی اماں یہ چیزیں کہاں مل سکتی ہیں۔ کٹنی نے کہا یہاں سے بیس روز کی منزل پر ہندوستانی سرحد کے پاس جو پہلا شخص ملیگا۔ وہ راستہ بتا سکتا ہے۔ اگر ہمت والا آدمی ہو تو ضرور ان نادرات کو پا سکتا ہے ورنہ یوں لاکھوں آدمی دنیا میں بھیڑ بکری کی طرح پھر رہے ہیں۔ بڑھیا شوق کی آگ بھڑکا کر رفو چکر ہو گئی لیکن پری زاد ایک گہری سوچ میں پڑ گئی۔ شام کو دونوں بھائی شکار سے آئے تو خلاف معمول بہن کو متفکر پایا۔ حال دریافت کیا تو اس نے سب کیفیت بیان کی۔ بہمن نے کہا تم اتنا رنج کاہے کو کرتی ہو۔ میں جاتا ہوں اور یہ سب چیزیں لے کر آؤں گا۔ اگلے روز بہمن سفر کے لئے تیار ہو گیا اور بہن کو خنجر

نکالکر دیا کہ یہ میری نشانی ہے۔ جب تک یہ شفاف رہے تو سمجھنا میں بخیر ہوں اور جب دیکھو کہ یہ میلا ہو گیا ہے تو اس وقت مجھے کوئی مصیبت ضرور درپیش آئی ہو گی۔ اگر خون آلودہ ہو جائے تو سمجھنا کہ میں اس دنیا میں نہیں رہا۔

بہمن بھائی بہن سے رخصت ہو کر بیس روز تک اسی راستے پر چلتا رہا جو کٹنی نے بتایا تھا۔ اکیسویں روز سرحد ہندوستان پر ایک فقیر کی کٹیا نظر آئی۔ وہ سیدھا وہاں پہونچا تو دیکھا ایک فقیر بیٹھا ہے اور اس کا تمام چہرہ بالوں سے چھپا ہوا ہے۔ بہمن نے قینچی نکالکر فقیر کا خط بنایا اور پھر ادب سے سلام کیا۔ فقیر خوش ہوا اور کہنے لگا۔ بابا یہاں کیسے آنا ہوا۔ بہمن نے اپنا مطلب عرض کیا اور کہا کہ اپنی بہن کے لئے بولتی چڑیا گانے والا درخت اور سنہری چشمے کے پانی کی تلاش ہے۔

فقیر اور بہمن کی ملاقات

فقیر نے آہ سرد بھر کر کہا کہ بیٹا مجھے راستہ تو معلوم ہے لیکن وہاں خطرات بہت ہیں۔ چونکہ تم نے میری خدمت کی ہے۔ میں اس لئے منع کرتا ہوں۔ بہت سے اسی آرزو میں گئے لیکن واپس کوئی نہیں آیا۔ بہمن نے اصرار کیا تو فقیر نے اپنی گدڑی میں سے ایک گیند نکالکر دی۔ اور کہا کہ اس کو زمین پر ڈال دو۔ اور خود اس کے تعاقب میں روانہ ہو جانا۔ یہ گیند رُکے گی۔ تم بھی گھوڑے سے اتر جانا۔ سامنے ہی ایک پہاڑ ہو گا اس پر چڑھنا۔ جب تم پہاڑ پر چڑھو گے تو ہر طرف متوجہ کریں گی۔ مگر نظر نہیں آئیگا۔ اسوقت ضبط سے کام لینا۔ اگر تم نے پیچھے پھر کر دیکھ لیا تو تم پتھر کے ہو کر رہ جاؤ گے اور اگر اوپر چلے گئے تو تمہاری مطلوبہ چیزیں وہیں موجود ہوں گی۔ لے کر چلے آنا۔

بہمن نے فقیر کا شکریہ ادا کیا۔ اور گیند زمین پر ڈال کر خود اس کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ گیند ایک پہاڑ کے درمیان میں ٹھہر گئی۔ بہمن گھوڑے سے اترا اور پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ ابھی چند ہی قدم چڑھا تھا کہ چاروں طرف سے شور و غل مچ گیا۔ لینا۔ لینا۔ پکڑو پکڑو۔ بہمن کا خون کھول گیا۔ چند قدم اور بڑھا تو بالکل برابر سے سخت گالی کی آواز آئی اور بہمن جوش میں تلوار لیکر پیچھے ہٹا۔ تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ لیکن وہ خود پتھر کا ہو کر رہ گیا۔

تصویر بہمن کا پتھر ہو جانا
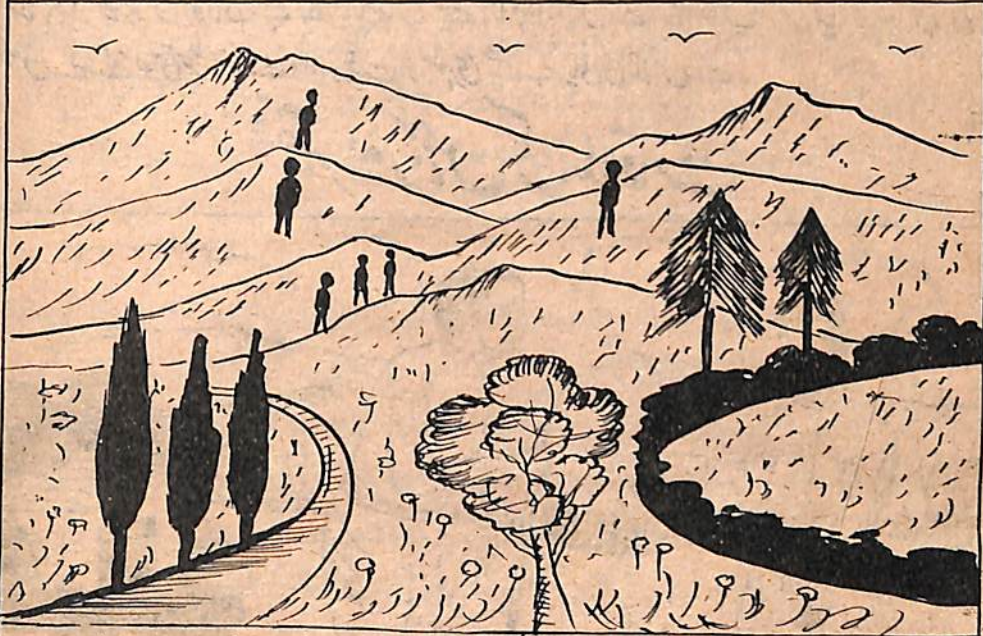
پری زاد روزانہ بہمن کا وہ دیا ہوا خنجر دیکھتی اور اس کی سلامتی کی دعائیں مانگا کرتی۔ ایک روز اس کی طبیعت اداس تھی۔ دن بھر میں کئی بار اس کا خنجر اٹھا کر دیکھا۔ وہ بدستور چمک رہا تھا اسی طرح شام ہو گئی۔ لیکن اس کی پریشانی رفع نہ ہوئی۔ پرویز باہر سے آیا۔ تو کہنے لگا کہ ذرا مجھے بہمن کا خنجر دکھانا۔ میرا جی خوف سے بیٹھا جا رہا ہے۔ پریزاد اندر سے خنجر لائی اور میان سے نکالا تو بالکل تاریک ہو گیا تھا۔ یہ حال دیکھ کر پریزاد رونے لگی اور پرویز کو کہا کہ ضرور بہمن پر کوئی زبردست افتاد پڑی ہے۔ خنجر تاریک ہو گیا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ زندہ ضرور ہے۔ پرویز بھی بہت پریشان ہوا۔ اور بہن کو سمجھا بجھا کر کہنے لگا کہ میں بہمن کو تلاش کرنے جا رہا ہوں۔ پریزاد نے کہا کہ بھائی میں یہاں اکیلی کس طرح رہوں گی۔ پرویز نے کہا میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ لیکن سوچو اگر اسوقت بہمن کی امداد نہ کیگئی تو اس کا کیا حشر ہو گا۔

اس کے بعد دونوں بہن بھائی مل کر بہت روئے۔ پرویز نے اپنے گلے سے موتیوں کی مالا

اتار کر بہن کو دی ۔ اور کہا ۔ اس سے میری حالت کا اندازہ ہوتا رہیگا ۔ جب تک یہ اچھی رہے میں بخیر رہونگا اور جب اس کے دانے ایک دوسرے سے جڑ جائیں وہ میری موت کا دن ہوگا ۔ پریزاد نے بھائی کا ہار گلے میں پہن لیا ۔ اور کہا جاؤ میں تمہیں بھی خدا کے سپرد کرتی ہوں ۔

پرویز بیس دن سفر کے بعد اکیسویں روز اس فقیر کی کٹیا پر پہونچا ۔ اور وہ ہی سوال کیا ۔ کہ بولتی چڑیا ۔ گاتا ہوا درخت اور سنہرے چشمے کا پانی لینے آیا ہوں ۔ فقیر نے سمجھایا کہ بیٹا کیوں اپنی جان دیتا ہے ۔ چند روز ہوئے ۔ تیرا ہمشکل ایک نوجوان گیا تھا ۔ لیکن واپس نہیں آیا ۔ شاید پتھر کا ہوگیا ہوگا ۔ تم اس ارادے سے باز آؤ ۔ پرویز نے کہا ۔ بابا وہ میرا بھائی تھا ۔ اب میں ضرور جاؤنگا ۔ یا اپنی جان دوں گا ۔ یا بھائی کا انتظام کرلوں گا ۔ جب فقیر نے دیکھا کہ یہ نہیں مانے گا تو ایک گیند نکال کر اس کو دی اور سب نشیب و فراز سمجھا دیئے ۔ پرویز گیند کو ڈال اس کے پیچھے روانہ ہوا ۔ گیند پہاڑ کے دامن میں جا کر رک گئی ۔ پرویز گھوڑے سے اتر کر پہاڑ پر چڑھنے لگا ۔ جوں ہی اس نے قدم بڑھایا ۔ ہر طرف سے شور و غوغا بلند ہونا شروع ہوگیا اور گالیوں کی بوچھار شروع ہوگئی ۔ کوئی اسکا نام لے لے کر دھمکانے لگا ۔ کہ باوجود انتہائی کوشش اور ضبط کے پرویز ضبط نہ کرسکا ۔ اور تلوار لیکر پیچھے پلٹا اور اسی وقت پتھر کا ہوگیا ۔

پرویز گیند کے تعاقب میں

جس روز پرویز پتھر کا ہوگیا ۔ اسی روز پریزاد کے گلے میں پڑی ہوئی مالا کے دانے ایک ایک سے قریب ہوگئے ۔ جس سے پریزاد نے سمجھ لیا کہ پرویز پر بھی کوئی افتاد پڑی ہے ۔ تمام دن وہ دونوں بھائیوں کو یاد کر کے روتی رہی ۔ دوسرے روز اس نے فیصلہ کیا کہ جب بھائی نہ رہے تو میں رہ کر کیا کرونگی ۔ چنانچہ

مردانہ لباس پہنکر گھوڑے پر سوار ہوئی اور توکل بہ خدا چلدی۔ بیس روز کی مسافت کے بعد اکیسویں روز درویش کے جھونپڑے پر پہونچ گئی۔ اور وہی سوال کیا۔ درویش نے آہ سرد بھر کر کہا کہ بیٹی تجھے معلوم ہے کہ تم مرد نہیں ہو پھر اتنا بڑا ارادہ کیوں کیا اس میں بڑے بڑے جوان مرد ضائع ہو گئے۔ پریزاد نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ بابا ابھی چند روز ہوئے میرے دو بڑے بھائی آکر کھپ گئے۔ اب میں یا توان کا بدلہ لوں گی۔ یا یہیں ختم ہو جاؤں گی۔ رکوں گی نہیں۔ فقیر نے پہاڑ کے سب اسرار بتا دیئے۔ اور ایک گیند نکال کر پریزاد کو دیدی کہ اسکے تعاقب میں چلی جاؤ۔ پہاڑ تک پہونچ جاؤگی۔ پریزاد نے گیند لیکر درویش کو سلام کیا۔ پھر اپنی جیب سے روئی نکالکر کانوں میں اسطرح ٹھونسنی شروع کی کہ وہ بند ہو گئے۔ یہ دیکھکر درویش مسکرایا کہنے لگا معلوم ہوتا ہے کہ بیٹی تو ضرور کامیاب ہو جائے گی۔ یہ ترکیب کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی بیشک نہ کان میں آوازیں آئیں گی اور نہ دھوکا کھاوے گی۔ جاؤ خدا تمہاری مدد کرے۔ پریزاد گیند کے ساتھ روانہ ہوئی اور پہاڑ کے دامن میں پہنچکر گھوڑے سے اتری کانوں کی روئی از سر نو ٹھیک کی اور پہاڑ پر چڑھنے لگی۔ ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں لیکن پریزاد کے کان بند تھے کچھ سنائی نہیں دیا۔ وہ بے تکلف پہاڑ کی چوٹی پر پہونچ گئی۔ وہاں ایک چڑیا کا پنجرہ لٹک رہا تھا۔ پریزاد نے اپنے کانوں کی روئی نکالی اور سنا کہ چڑیا شور کر رہی ہے اس کو پکڑ لو۔ یہ چور ہے۔ پریزاد نے بڑھکر اسکا پنجرہ اتار لیا۔ چڑیا بیہوش ہو گئی۔ کچھ دیر کے بعد بولی۔ اب میں آپ کی غلام ہوں۔ پریزاد نے کہا گانے والا درخت کہاں ہے۔ چڑیا نے اس کا پتہ بتا دیا۔ اور کہا کہ اس کی شاخ توڑ لو وہ ہی کافی ہے۔ پریزاد نے اس کی شاخ توڑ لی۔ پھر سامنے کے چشمے میں سے وہیں رکھا ہوا ایک چاندی کا گھڑا بھر لیا۔ چشمے کا پانی بالکل سنہری تھا۔ پھر پریزاد نے چڑیا سے پوچھا کہ میرے بھائی جو پتھر کے ہو گئے ہیں کسطرح اچھے ہوں گے چڑیا بولی یہ سب طلسم کا کھیل ہے۔ اسی چشمے کا پانی ان پر ڈال دو۔ پھر خدا کی قدرت دیکھو۔ پریزاد نے بھائیوں کو پہچان کر ان پر سنہرے چشمے کا پانی چھڑکا۔ وہ اسی وقت اصل حالت میں آگئے اور بہن سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد تینوں نے ملکر ان سب آدمیوں پر پانی چھڑکا جو اس سے پہلے پتھر کے بنے ہوئے کھڑے تھے۔ حکم خدا سے سب اپنی اصلی حالت پر آگئے۔ اور پریزاد کا بیحد شکریہ ادا کیا۔ اسکے بعد سب پہاڑ سے نیچے اترے تو دیکھا سب گھوڑے کھڑے ہنہنا رہے ہیں۔ اپنے اپنے گھوڑے پہچان کر سب ان پر سوار ہو کر شاہراہ پر آگئے۔ وہاں آکر دیکھا نہ فقیر ہے نہ اس کی کٹی صاف میدان پڑا ہے۔ پریزاد کہنے لگی کہ یہ فقیر ہی طلسم سے متعلق تھا۔ جب طلسم ختم ہوا۔ وہ غائب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے ان سب نوجوانوں کو رخصت کیا اور خود بھی نوجوانوں کے ساتھ نوادرات لئے ہوئے اپنے وطن کو روانہ ہو گئی۔ گھر آکر اس نے گانے والے درخت کی شاخ ایک موزوں جگہ لگا دی اور ایک عمدہ حوض سے فوارہ تیار کرا کر اس میں سنہرے چشمے کا پانی ڈال دیا۔ اگلے دن صبح کو دیکھا تو ایک پورا درخت کھڑا تھا جسمیں سے عجیب و غریب سُر پھوٹ رہے تھے۔ حوض لبریز تھا۔ فوارہ زور سے چل رہا تھا۔ بارہ دری میں چڑیا کا پنجرہ

پتّھر کے بنے ہوئے نوجوانوں کی واپسی

لٹکا ہوا تھا۔ اور وہ عمدہ باتیں کرتی تھی۔ سارے شہر میں ان چیزوں کی شہرت ہو گئی۔ لوگ جوق در جوق ان عجائبات کو دیکھنے کے لئے آتے اور حیران رہ جاتے۔ ایک روز بہمن و پرویز نے سوچا کہ شکار کھیل کر بچ کر نکل جائیں لیکن سامنا ہو ہی گیا۔ مجبوراً مودب کھڑے ہو گئے اور جب بادشاہ قریب سے گذرا تو جھک کر تعظیم بجا لائے۔ ان کو دیکھ کر بادشاہ کی طبیعت خود بخود کھچنے لگی۔ چنانچہ سواری روک کر دریافت کیا تم کس کے لڑکے ہو۔ انہوں نے عرض کیا حضور کے فلاں مالی کے لڑکے ہیں اور فلاں جگہ حضور کی اجازت سے جو محل تیار کرایا تھا اس میں رہتے ہیں۔ بادشاہ کے دل میں لمحہ بہ لمحہ ان کی محبت بڑھ رہی تھی۔ صرف بات بڑھانے کو پوچھا۔ کہاں سے آرہے ہو۔ بہمن نے عرض کیا شکار کھیلنے گئے تھے۔ بادشاہ نے کہا کہ بغیر اجازت تم شاہی شکارگاہ میں کیوں گئے۔ دونوں بھائیوں نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ ہمیں ممانعت کا علم نہیں تھا۔ آئندہ خطا نہیں ہوگی۔ بادشاہ ان کا طور طریقہ دیکھ کر اور زیادہ خوش ہوا پھر مسکرا کر کہنے لگا اچھا میرے ساتھ آؤ اور دکھاؤ کیسا شکار کھیلتے ہو۔ دونوں بھائی ساتھ ہوئے۔ جنگل میں جاکر تھوڑی دیر میں کئی شیر مار کر لائے اور بادشاہ کے آگے پیش کئے۔ بادشاہ ان کی جرأت مہارت دیکھ کر اور زیادہ متاثر ہوا اور کہنے لگا تم میرے ساتھ محل شاہی میں چلو۔ کھانا کھا کر گھر چلے جانا۔ دونوں بھائیوں نے پھر ہاتھ باندھ کر عرض کیا تعمیل حکم میں عذر نہیں۔ لیکن ہماری ایک بہن اور ہے۔ ہم سب نے ملکر قسم کھا رکھی ہے کہ بغیر آپس کے مشورہ کے کوئی کام نہ کریں گے۔ اس سے دریافت کریں اور کل حضور کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ بادشاہ نے اجازت دیدی۔ دونوں بھائی گھر آئے۔ لیکن بادشاہ کی دعوت کا ذکر کرنا ہی بھول گئے۔ دوسرے روز بادشاہ سے شکارگاہ میں ملاقات ہوئی تو یہ دونوں

بہت شرمندہ ہوئے اور معذرت کی حضور ہمیں یاد نہیں رہا۔کل دریافت کرکے حاضر ہونگے۔غرض اسطرح تین روز برابر بھولتے رہے۔چھوتھے دن اس نے ان دونوں کو ایک ایک گیند دیا۔اور کہا کہ اسکو کمر میں باندھ لو۔جب کپڑے اتاروگے اور یہ گریں گے تو تمہیں یاد آجائیگا۔دونوں بھائیوں نے شکریہ ادا کیا اور گیند کمر میں رکھ لئے۔رات کو جب لیٹنے لگے تو وہ گیند کپڑوں سے گرے اور انہیں بادشاہ سے کیا ہوا وعدہ یاد آگیا۔دونوں اسوقت پریزاد کے پاس آئے اور بادشاہ کی دعوت کا ذکر کیا۔پریزاد کہنے لگی کہ تم نے پہلے ہی کیوں نہ یاد رکھا۔خیر ٹھہرو میں اپنی چڑیا سے معلوم کرکے بتاؤں گی۔چنانچہ وہ چڑیا کے پاس آئی اور سوال کیا کہ میرے بھائیوں کو بادشاہ کے یہاں دعوت میں جانا چاہیئے یا نہیں۔چڑیا نے کہا ضرور جانا چاہیئے۔پریزاد بھائیوں کے پاس آئی اور کہا کہ آپ بادشاہ کی دعوت منظور کرلیں اور دوسرے روز کیلئے اپنے گھر مدعو کریں۔میں اس کا انتظام کرلوں گی۔دوسرے روز بہمن و پرویز پھر شکار گاہ میں بادشاہ سے ملے اور کہا کہ ہماری بہن ناراض ہوئی کہ تم نے پہلے ہی کیوں نہ دعوت منظور کرلی اور اگر آپس کی قسم کا پاس تھا تو اس دن کیوں نہ یاد رکھا۔بادشاہ نے ہنس کر کہا کہ اسمیں بھی کچھ بہتری ہوگی۔پھر وہ ان دونوں بھائیوں کو اپنے ساتھ لیکر محل سرائے میں داخل ہوا۔راستے میں لوگوں نے دیکھا تو بہت متعجب ہوئے۔کہ یہ کہاں کے شاہزادے ہیں۔ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر سب خوش ہوئے۔بادشاہ بہمن و پرویز کو لیکر اپنے کمرہ خاص میں آیا۔پھر دستر خوان چنا گیا۔اور سب نے ملکر کھانا کھایا۔بادشاہ کی یہ حالت تھی کہ اسکا جی چاہتا تھا کہ یہ دونوں ہر وقت نظروں کے سامنے رہیں جب تک کھانا کھاتے رہے بادشاہ برابر کنکھیوں سے دونوں بھائیوں کو دیکھتا رہا۔کھانے کے بعد محفل رقص و سرود منعقد ہوئی۔غرض دیر تک دونوں بھائی بادشاہ کے مہمان رہ کر رخصت ہونے لگے تو دست بستہ درخواست کی کل جب حضور شکار سے واپس ہوں تو ہمارے غریب خانہ کو بھی عزت بخشیں بادشاہ روز بروز ان کا عاشق ہوا جاتا تھا۔انکار نہ کرسکا۔اور کہنے لگا۔بچو میں تمہارے یہاں چلو نگا دونوں بھائی گھر آئے اور سب قصہ اپنی بہن پریزاد کو سنایا۔دوسرے روز بہمن و پرویز تو شکار گاہ کو چلے گئے پریزاد چڑیا کے پاس آئی اور کہنے لگی میری پیاری چڑیا آج بادشاہ کی دعوت ہے کیا کھانا پکانا چاہیئے۔چڑیا نے کہا۔کہ تمہارے پاس اچھے سے اچھے باورچی ہیں انکو حکم دو کہ عمدہ کھانے تیار کریں لیکن رکاب موتیوں کی کھیر ضرور پکوانا۔پریزاد نے کہا کہ موتیوں کی کھیر کہاں سے پکے گی اور اتنے موتی کہاں سے آئیں گے۔چڑیا بولی باغ میں فلاں درخت کے نیچے خزانہ ہے جا ہے جتنے موتی نکال لو۔پریزاد نے خود جاکر کھودا تو واقعی لاتعداد خزانہ گڑا ہوا تھا۔اس نے ایک صندوقچی موتیوں کی نکال لی اور باورچی کو بلا کر مختلف کھانے پکانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی موتیوں کی صندوقچی دے کر کہا اس کی کھیر پکاؤ۔باورچی حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ بیگم صاحب موتیوں کی کھیر کس طرح پکے گی یہ کھائے کس طرح جائیں گے۔پریزاد نے کہا کہ تم کو اس سے کیا جو حکم دیا ہے کرو۔باورچی نے کہا

بہتر ہے۔ بہمن و پرویز تمام دن بادشاہ کے ساتھ شکار کھیلتے رہے۔ شام کو جب واپسی کا وقت ہوا تو دونوں بھائیوں نے رات کا وعدہ یاد دلایا۔ بادشاہ تیار ہو گیا۔ اور شکارگاہ سے سیدھا ان کے گھر چلا آیا۔ جب پریزاد کو معلوم ہوا کہ بادشاہ آیا ہے تو اپنی خواصوں کیساتھ دوڑ کر دروازے پر استقبال کیا۔ بادشاہ نے پریزاد کو دیکھا تو اس کے سینے میں اسی طرح ہوک اٹھی جیسے بہمن اور پرویز کو دیکھ کر اٹھی تھی۔ اس نے

بہمن و پرویز بادشاہ کیساتھ شکارگاہ میں
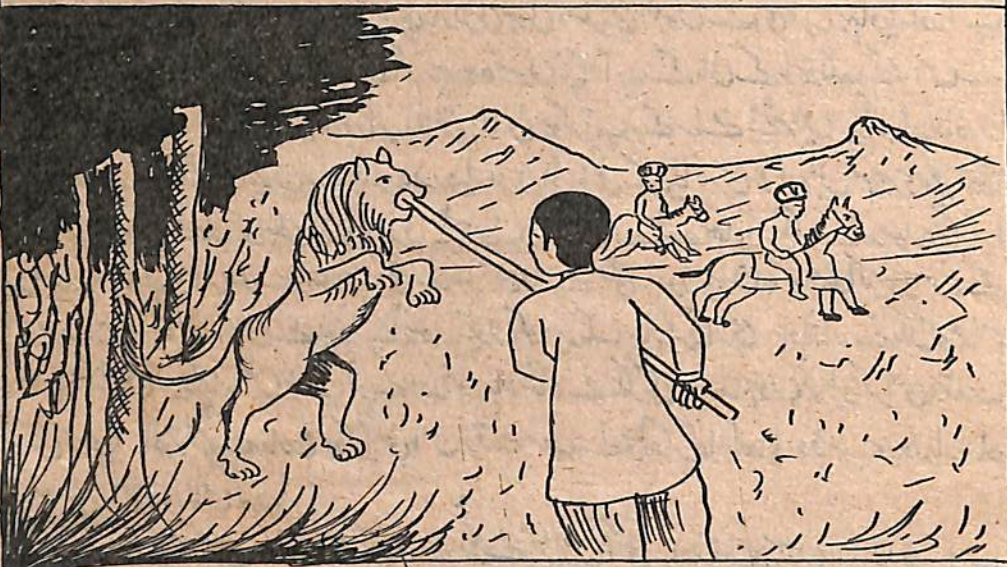
پریزاد کو بیٹیوں کی طرح پیار کیا۔ تینوں بہن بھائی بادشاہ کو اپنا باغ دکھانے لے گئے۔ وہاں بادشاہ نے درخت سے آوازیں آتی ہوئی سنیں تو حیران ہوا اور پوچھا یہ کیا اسرار ہے بہمن نے سب حال سنایا۔ اور بتایا کہ ہماری بہن یہ نادر و نایاب تحفہ ہائے اس طرح لائی ہے۔ بادشاہ بیحد خوش ہوا۔ اور دیر تک درخت کی آوازیں سنتا رہا۔ پھر حوض و فوارہ دیکھا۔ جسمیں سنہرا پانی برستا تھا۔ اسکے بعد بولنی چڑیا کے پنجرے کے پاس آیا۔ وہاں بہت سے پرندا سکے گرد جمع تھے۔ پریزاد نے پکار کر کہا کہ غافل چڑیا بادشاہ سلامت کھڑے ہیں۔ چڑیا فوراً مودب ہو گئی اور بادشاہ کو سلام کر کے معذرت خواہ ہوئی۔ بادشاہ اس کی گفتگو سن کر حیران رہ گیا۔ جب یہ سب کمرۂ طعام میں کھانا کھانے چلے تو چڑیا نے کہا۔ مجھے بھی وہیں لیچلو۔ پریزاد نے چڑیا کا پنجرہ ہاتھ میں لے لیا اور کمرۂ طعام میں لا کر لٹکا دیا۔ بادشاہ سب کے ساتھ کھانا کھانے کو بیٹھا تو موتیوں کی کھیر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور کہنے لگا۔ یہ کیسی کھیر ہے اور کیا موتی بھی کھائے جاتے ہیں۔ میں سمجھتا تھا تم سب عقلمند ہوں گے۔ لیکن یہ ایسی بیوقوفی ہے جسکا جواب ملنا مشکل ہے بہمن پریزاد اور پرویز خاموش ہو کر چڑیا کی طرف دیکھنے لگے۔ چڑیا نے بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا۔

کہ آپ موتیوں کی کھیر دیکھ کر حیران ہیں اور ہمیں بیوقوف بتلاتے ہیں لیکن میں یہ پوچھتی ہوں کہ جب آپ کے ساتھیوں نے یہ کہا تھا کہ ملکہ کے یہاں بلی کے بچے اور چوہا پیدا ہوا ہے اسوقت آپ نے یہ نہ سوچا کہ انسانوں کے یہاں جانور کسطرح پیدا ہو سکتے ہیں چڑیا کی بات سنکر بادشاہ حیران رہ گیا اور کہا۔ بی چڑیا اگر تم راز کی باتیں بتاتی ہو تو بتاؤ اصل معاملہ کیا تھا۔ چڑیا نے کہا ملکہ کی بڑی بہن جب کا بیاہ آپ نے ان کی حسب مرضی نانبائی اور باورچی سے کیا تھا اپنی چھوٹی بہن سے حسد کرنے لگی تھیں۔ چنانچہ ولادت کے وقت انہوں نے پہلی اور دوسری بار کے لڑکے کو ایک ٹوکری میں ڈالکر باغ کی نہر میں بہا دیا اور مشہور کر دیا کہ بلی و کتے کے بچے پیدا ہوئے ہیں۔ تیسری بار لڑکی ہوئی اسکو بھی انہوں نے اسی طرح بہا دیا۔ اور آپ سے کہدیا کہ مردہ چوہا پیدا ہوا ہے۔ خدا کے حکم سے وہ تینوں بچے آپ کے مالی کے ہاتھ لگ گئے۔ اس نے ان کو پرورش کیا۔ لکھایا پڑھایا۔ اور اب لائق و فائق ہو کر آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔ یہ سنکر بادشاہ روتا ہوا اٹھا اور اپنے تینوں بچوں سے ملکر بیحد رویا۔ اور معافی مانگی۔ کہ بیٹا میری لاعلمی میں تم میری محبت سے محروم رہے۔ پھر تینوں کو لیکر جامع مسجد کی سیڑھیوں پر پہونچا اور پنجرہ کھلوا کر ملکہ کے قدموں پر گر گیا سارے حالات بتا کر ملکہ سے معافی مانگی اور ملکہ بھی رونے لگی۔ اور بادشاہ کو اٹھا کر خود اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ اس کے بعد اپنے تینوں بچوں کو دیر تک پیار کرتی رہی۔ بادشاہ نے ملکہ کو حمام بھیجا تاکہ غسل کر کے لباس تبدیل کرے اور خود بادشاہ نے ملکہ کی حاسد بہنوں کو بلوا کر اسی وقت قتل کرا دیا۔ ملکہ حمام سے فارغ ہو کر آگئی اس وقت سب نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ دوسرے روز بادشاہ نے جشن عام کا اعلان کر دیا۔

پریزاد بہمن اور پرویز کے ساتھ ملکہ نئے محل میں آگئی۔ بادشاہ بھی یہیں رہنے لگا۔ اس کے بعد اس نے دیر تک عدل و انصاف سے حکومت کی اور خدا کے فضل سے کوئی مصیبت پیش نہیں آئی۔

شہرزاد نے یہ کہانیاں ہزار راتوں میں پوری کیں۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور اسکے دل میں عورتوں کے متعلق جو بدگمانی پیدا ہو گئی تھی دور ہو گئی اور آئندہ کیلئے اس نے توبہ کر لی کہ اب ہر روز نئی شادی کر کے پہلی بیوی کو قتل نہیں کروں گا۔ شہرزاد سے اس کو دلی محبت ہو گئی اور وہ اس کو اتنا چاہنے لگا کہ کوئی اہم سے اہم کام بھی اس کے مشورہ کے بغیر نہیں کرتا تھا۔

وزیر اعظم کا بھی شہریار نے شکریہ ادا کیا کہ تمہاری لڑکی کی وجہ سے میں اس گناہ عظیم سے بچ گیا۔ بادشاہ نے پھر شہرزاد کے سوا کسی عورت کا منہ نہیں دیکھا اور امن و چین کی زندگی بسر کرتا رہا۔

ختم شد